کتاب التقدیر

اردو

شفاء العلیل

ابن القیم جوزی

حصہ اول

شمع بک ایجنسی
اولمپک پلازہ
الکریم مارکیٹ
اردو بازار لاہور

کتاب التقدیر

اردو

شفاء العلیل

حصہ اول

ابن القیم جوزی

شمع بک ایجنسی اولمپک پلازہ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــــ شفاء العلیل

98393

مصنف ـــــــــ ابن القیم جوزی

نظر ثانی ـــــــــ قاری محمد یحییٰ، نصیب احمد

ناشر ـــــــــ صابر حسین

اشاعت ـــــــــ ۱۹۹۹ء

تعداد ـــــــــ ایک ہزار

کتابت ـــــــــ کیلانی

قیمت ـــــــــ [redacted] روپے

Marfat.com

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
پہلا باب	۷
آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے مقادیر کے مقدر ہونے کے بیان میں۔	
دوسرا باب	۱۴
اس امر کے بیان میں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے ان کی شقاوت۔ سعادت۔ رزق اور موت مقدر کر دیئے ہیں۔ اور پہلی تقدیر کے بعد یہ دوسری تقدیر ہے۔	
تیسرا باب	۴۲
تقدیر کے بارے میں حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰؑ کے باہم مناظرہ کرنے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت آدمؑ کے حق میں خود فیصلہ دینے کے بیان میں۔	
چوتھا باب	۵۶
تیسری تقدیر یعنی ماں باپ کے پیٹ میں بچے کی شقاوت۔ سعادت۔ رزق۔ عمر۔ عمل۔ اور وہ تمام امور جو اسے پیش آئیں گے۔ ان کے مقدر ہونے اور اس باب کے متعلق جس قدر حدیثیں آئی ہیں ان کے جمع و تطبیق کے بیان میں۔	
پانچواں باب	۶۷
چوتھی تقدیر کے بیان میں جو لیلۃ القدر میں ہوتی ہے۔	
چھٹا باب	۶۹
پانچویں تقدیر کے بیان میں جو روز مرہ ہوتی ہے۔	

Marfat.com

مضامین	صفحہ
ساتواں باب اس امر کے بیان میں ہے کہ شقاوت اور سعادت کا پہلے سے مقدر ہونا اس بات کو نہیں چاہتا کہ نیک عمل چھوڑ دیئے جائیں اس بات کو چاہتا ہے کہ ان میں پوری حرص اور کوشش کرنی چاہیئے۔	۷۴
آٹھواں باب اللہ تعالیٰ کے قول۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ: بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے ان کی تقدیر میں پہلے سے بھلائی لکھی جا چکی ہے وہ دوزخ سے دور ہی دور رکھے جائیں گے۔	۸۱
نواں باب اللہ تعالیٰ کے قول۔ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ ہم نے تمام چیزوں کو ایک انداز سے سے پیدا کیا ہے۔	۹۰
دسواں باب قضاء و قدر کی ان مراتب کے بیان میں کہ جو شخص ان کو نہیں جانتا تو وہ دراصل قضاء و قدر کا منکر ہے۔	۹۴
گیارہواں باب قضاء و قدر کے دوسرے مرتبہ کتابت کے بیان میں۔	۱۲۴
بارہواں باب قضاء و قدر کے مراتب میں سے تیسرے مرتبے یعنی مرتبہ مشیت کے بیان میں۔	۱۴۸
تیرہواں باب قضاء و قدر کے مراتب میں سے	۱۷۴

Marfat.com

مضامین	صفحہ
چوتھے مرتبے یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے اعمال ایجاد و تکوین و پیدا کرنے کے بیان میں۔	
۱۴ چودھواں باب	۱۶۴
ہدایت ضلالت اور ان کے مراتب کے بیان میں۔	
۱۵ پندرھواں باب	۲۳۱
طبع۔ ختم۔ قفل۔ غل۔ سد غشاوہ اور ان چیزوں کے بیان میں جو کفر اور ایمان کے درمیان حائل ہوتی ہیں اور نیز اس امر کے بیان میں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔	
۱۶ سولھواں باب	۴۰۶
ان احادیث کے بیان میں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اکیلا بندوں کے ذات۔ صفات کا خالق ہے اسی طرح صرف وہی ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔	
۱۷ سترھواں باب	۴۴۶
کسب و جبر۔ اُن کے لغوی و اصطلاحی معنی۔ نفیاً و اثباتاً ان کے استعمال اور ان کے متعلق ادلہ نقلیہ و عقلیہ کے بیان میں	
۱۸ اٹھارواں باب	۵۰۰
قضاء و قدر اور کسب کے بارے میں فَعَلَ اور اَفْعَلَ کے بیان میں اور افعل و انفعال کے ذکر میں۔	

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

قضا و قدر

تمام تعریفوں کی مستحق وہی ذات باری ہے جس کا فضل و انعام ہمیشہ جاری ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہمارے آقائے نامدار خاتم النبیّن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آل اصحاب اور بزرگوار آئمہ دین پر رحمت کامل پر سلام ہو۔

امّا بعد! قضاء و قدر حکمت اور تعلیل کا مسئلہ نہ صرف جلیل القدر علماء کو جاننا ضروری بلکہ ہر ایک سمجھدار مکلّف پر اس کا جاننا فرض ہے۔ یہ اسلام کے نہایت اعلیٰ مقاصد سے ہے۔ توحید کی چکّی اس کے تعین پر چلتی اور وہ اسی سے وابستہ ہے۔ دین کا مبداء اور منتہی یہی ہے۔ یہ ایمان کا ایک ضروری رکن اور اساسِ احسان کی وہ بنیاد ہے۔ کہ جس پر دین کے تمام امور کا دار و مدار اور جملہ معاملات۔ دین میں اس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ملک کا قیام (خدا تعالےٰ کے) عدل سے ہے۔ اور اس کی حکمت حمد کا مظہر ہے۔ اس کی توحید میں نہایت حکمت اور کمالِ نعمت پائی جاتی ہے۔ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اسی کی بادشاہت۔ وہی حمد کے لائق۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے مخلوق کو تقدیر و حکمت سے بنایا۔ اور شرع مبین کو جاری فرمایا ہے سنو اسی کا حکم۔ وہی خالق ہے۔ اس کی ذات بابرکت اور وہی سب جہان کا پالنے والا ہے۔

(مؤلف)

Marfat.com

پہلا باب

آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے مقادیر کے مقدر ہونے کے بیان میں

عبداللہ بن عمرو عاص سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی مقادیر کو لکھا اور اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرش مجید قلم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے سنن ابی داؤد میں حفصہ شامی سے مروی ہے کہ عبادہ بن صامت نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔ کہ اے بیٹا جب تک اس بات پر اپنا یقین ٹھیک نہ کرو۔ کہ جو تکلیف تمہیں پہنچ چکی ہے وہ کبھی ٹلنے والی نہ تھی۔ اور جو ٹل گئی ہے وہ پہنچنے کی نہ تھی لذت ایمان ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اور اسے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا۔ اے میرے رب کیا لکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیام قیامت تک جو چیز ہوگی۔ ہر ایک کی مقادیر تحریر کر۔ اے بیٹا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

Marfat.com

بھی سُنا کہ جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے عقیدے پر مرا۔ وہ میری اُمت سے نہیں ہے۔ قلم نے مقادیر کو اُسی ساعت میں لکھا جس میں وہ پیدا کی گئی۔ جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں عبادہ بن صامت کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ راوی کہتا ہے مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں عبادہ بن صامت کے پاس جب وہ بیمار تھے اور مجھے اُن میں کچھ موت کے آثار معلوم ہوئے۔ تب میں نے کہا۔ یاوا مجھے کوئی وصیت فرمائیے اور میرے حق میں دعا کی کوشش کرو۔ انہوں نے کہا اچھا مجھے ذرا اٹھا کر بٹھا دو۔ جب اُن کو بٹھا دیا۔ تو کہنے لگے بیٹا جب تک تم تقدیر کے خیر و شر پر یقین نہ لاؤ گے تمہیں ایمان کی لذت کبھی حاصل نہ ہو گی۔ اور نہ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کی حقیقت پا سکو گے۔ میں نے کہا باوا تقدیر کے خیر و شر پر کیسا یقین ہونا چاہیے انہوں نے کہا اس پر پختہ یقین ہو کہ جو آفت ٹل گئی ہے وہ پہنچنے کی نہ تھی اور جو آچکی ہے وہ ٹلنے کی نہ تھی۔ بیٹا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اُسے لکھنے کا حکم دیا۔ سو قیامت تک جو چیزیں ہونے والی ہیں اسی ساعت لکھی گئیں۔ اے بیٹا اگر تم اس عقیدے کے سوا کسی اور عقیدے پر مرے تو جہنم میں جاؤ گے۔

قلم کی اس تحریر کا نام تقدیر ہے۔ جیسا کہ ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ مجھے عمر بن محمد نے بتلایا کہ سلیمان بن مہران نے اُس سے بیان کیا۔ کہ عبادہؓ بن صامتؓ جب قریب الموت تھے کہنے لگے کہ میرے بیٹے کو بلاؤ۔ میں اس کو وہ بات بتلاؤں۔ جو میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ اور اسے لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے عرض کیا۔ اے میرے رب کیا لکھوں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تقدیر خلائق تحریر کر۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص تقدیر کے خیر و شر پر ایمان نہ لائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو آگ میں جلائے گا۔

عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہا کہ میں ایک دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے لڑکے میں تمہیں چند باتیں بتلاتا ہوں، انہیں غور سے سُنو، تم حقوق خدا کی حفاظت کرو۔ اللہ تمہیں محفوظ رکھے گا۔ تم اللہ کے حقوق کا پاس رکھو، تمہیں بہت جلد اس کا قرب حاصل ہوگا۔ جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو۔ اور جب مدد چاہو تو اسی سے اور یقین کرو کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں۔ تو سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے (ذرہ بھر) فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور ایسا ہی اگر کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو سوائے اس کے جو پہلے سے، اللہ نے لکھ دیا ہے ذرہ برابر بھی، نقصان نہیں کر سکتے۔ قلمیں اٹھائی گئیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ اور حسن صحیح کہا ہے۔

اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصی ہونے کی اجازت چاہی اور کہا کہ میں ایک جوان آدمی ہوں۔ مجھے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ کسی عورت سے نکاح کروں۔ آپ خاموش رہے (کچھ جواب نہ دیا) میں نے دوبارہ بھی عرض کیا۔ آپ نے پھر بھی کچھ جواب نہ دیا۔ سہ بارہ عرض کیا تو بھی آپ خاموش رہے چوتھی بار پھر عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا جو کچھ ہونا ہے وہ تو پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اب تم اپنے آپ کو خصی کروایا نہ کرو، اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی

Marfat.com

صحیح میں روایت کیا ہے جس کی سند اس طرح پر ہے، کہا کہ ہم سے اصبغ نے بیان کیا اُن سے ابن وہب نے انہوں نے یونس سے انہوں نے زہری سے انہوں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

اور ابن وہب نے کتاب القدر میں اسے بایں الفاظ روایت کیا ہے میں نے کہا پس آپ مجھے خصی ہونے کی اجازت فرمائیں۔ آپ خاموش رہے یہاں تک میں نے اس کو تین بار عرض کیا، تب آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو پہلے سے لکھا گیا ہے۔

ابو داؤد طیالسی نے کہا ہے کہ ہم سے عبدالمومن بن عبداللہ نے بیان کیا کہ ہم حسنؒ بصری کے پاس بیٹھے تھے، کہ اتنے میں یزید بن ابی مریم سلولی لاٹھی پر سہارا کئے ہوئے آئے اور کہا کہ اے ابو سعید مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب بتلاؤ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (لوگو) جتنی مصیبتیں (روئے) زمین پر نازل ہوتی ہیں اور جو (خود) تم پر نازل ہوتی ہیں (وہ سب) اُن کے پیدا کرنے سے پہلے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھی ہیں۔ حسن بولے ہاں۔ اللہ کی قسم بیشک اللہ تعالیٰ ایک امر کا فیصلہ کرتا، پھر اس کے لیے ایک مدت ٹھہراتا ہے کہ فلاں دن اور فلاں وقت یہ کام ہوگا۔ جملہ امور عام و خاص میں یہی دستور جاری ہے۔ حتیٰ کہ اگر آدمی ہاتھ میں لاٹھی لیتا ہے تو وہ بھی قضا و قدر میں مقدر ہے۔ ابن ابی مریم بولے اے ابو سعید اللہ کی قسم (تو نے ٹھیک بات کہی ہے) میں نے لاٹھی ہاتھ میں لی اور مجھے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن میں اُسے چھوڑ نہیں سکا۔ حسنؒ نے کہا اسی سے یہ مسئلہ سمجھ لو۔

من قبل ان نبراھا میں جو ضمیر ھا ہے اس کے مرجع میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

بعض نے کہا، کہ لفظ انفس کی طرف راجع ہے کہ وہ قریب ہے۔ بعض نے لفظ ارض کی طرف اور بعض نے لفظ مصیبتہ کی طرف اسے راجع ٹھیرایا ہے، مگر حق یہ ہے کہ وہ بریہ کی طرف راجع ہے جو ان سب کو شامل ہے آیت کا سیاق اور لفظ بنرا یا بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اس صورت میں پہلے تین قولوں کا مطلب بھی ایک ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔

ابن وہب نے کہا ہے کہ مجھے عمر بن محمدؐ نے بتلایا کہ سلیمان بن مہران نے اُن سے بیان کیا، کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور اُسے لکھنے کا حکم دیا، سو قیامت تک دنیا میں جتنی چیزیں پیدا ہوں گی سب کو لکھ دیا۔ پھر اسی پہلی نوشت کے مطابق بندوں کے اعمال وقوع میں آتے ہیں اور ذرہ بھر اس کے مخالف نہیں ہوتے۔

عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا، پھر اُن پر اپنا نور ظاہر کیا، سو جس کو اُس نور سے حصّہ ملا وہ ہدایت پر ہوا اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا۔ عبداللہ نے کہا اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ قلم قضا سے لکھا گیا ہے اور اُس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

ابو داؤد نے کہا ہے کہ ہم سے عباس بن ولید بن مزید نے بیان کیا کہ میرے باپ نے مجھے بتلایا، کہ میں نے اوزاعی کو یہ کہتے سنا کہ مجھ سے ربیعہ بن یزید اور یحییٰ بن عمرو شیبانی دونوں نے بیان کیا، کہ ہم سے عبداللہ بن فیروز دیلمی نے کہا کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس گیا، اُن دنوں وہ طائف میں اپنے ایک باغ میں جو وہط کے نام سے مشہور تھا رہتے تھے میں نے اُن سے کہا مجھے معلوم ہوا

Marfat.com

ہے۔ کہ آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چند باتیں بیان کرتے ہیں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص شراب پئے چالیس روز تک اُس کی توبہ منظور نہیں ہوتی۔ اور بدبخت وہی ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ٹھہرا۔ اور کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سُنا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر اُن پر اپنا نور ظاہر فرمایا سو اس وقت جس کو اس نور سے حصہ ملا وہ ہدایت پر ہوا۔ اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا۔ اسی لیے تو میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ خدا تعالیٰ کو معلوم اور مرقوم ہو چکا ہے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ابو داؤد کی روایت کی نسبت زیادہ طول سے بیان کیا ہے۔ کہ عبداللہ بن فیروز دیلمی سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں عبداللہ بن عمروؓ کے پاس گیا۔ ان دنوں وہ طائف میں اپنے ایک باغ میں جو وہط کے نام سے مشہور تھا رہتے تھے۔ اُس وقت ان کے پاس قبیلہ قریش کا ایک جوان جو شرابخوری کے ساتھ متہم تھا بیٹھا تھا۔ میں نے کہا کہ مجھے آپ کی طرف سے یہ روایت پہنچی ہے کہ جو شخص شراب کی ایک گھونٹ بھی پی لے۔ تو چالیس روز تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور بدبخت وہی ہے جو شکم مادر میں بدبخت ہو۔ اور جو شخص صرف نماز کی خاطر بیت المقدس میں جائے اور وہاں نماز پڑھے۔ تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ سو جب اس جوان نے شراب کا ذکر سنا تو اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھ سے نکالا اور چل دیا۔ عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ میں کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ میری طرف سے ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص شراب کی ایک گھونٹ بھی پی لے۔ تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ پھر اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول

Marfat.com

فرما لیتا ہے۔ اب مجھے یہ یاد نہیں کہ تیسری بار یا چوتھی بار آپ نے فرمایا۔ کہ اگر پھر بھی اُس نے یہی کام کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کو ضرور اُسے دوزخیوں کا خون و پیپ پلائیگا۔ عبداللہ بن عمرو نے کہا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سُنا۔ کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ظاہر فرمایا سو اس وقت جسے اُس نور سے حصہ ملا وہ ہدایت پر ہوا۔ اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ اللہ کے علم کے مطابق لکھا گیا ہے اور میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سُنا کہ سلیمان بن داؤدؑ نے اللہ عزوجل سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں سے دو چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائیں۔ اور تیسری کے ہم امیدوار ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ ایسا فیصلہ کیا کریں جو اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ سو یہ نعمت انہیں عطا ہوئی دوسرا یہ سوال کیا کہ انہیں ایسی بادشاہت ملے جو اُن کے بعد کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سو یہ بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسرا یہ سوال کیا تھا۔ کہ جو آدمی صرف نماز کی خاطر بیت المقدس میں آئے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے یہ نعمت ہم کو عطا فرمائی ہے اور اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور یہ شیخینؒ کی شرط پر ہے اور اس میں کوئی سقم نہیں۔

لے امام بخاریؒ و امام مسلمؒ ۱۲ لے جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکی ہے ۱۲ سے مدینہ منورہ کے ایک گورستان کا نام ہے ۱۲

Marfat.com

دوسرا باب

اِس امر کے بیان میں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کی شقاوت، سعادت، رزق، موت اور اعمال سب کچھ ان کی پیدا کرنے سے پہلے مقدر فرمائے ہیں اور پہلی تقدیر کے بعد یہ دوسری تقدیر ہے

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ ہم لوگ بقیع غرقد میں ایک میّت کو دفن کر رہے تھے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور نشست فرمائی، ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے اُس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ سر جھکا کر اُس سے زمین کو کریدنے لگے۔ اور فرمایا کہ ہر ایک جی کے لیئے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھدیا ہے۔ اُس کا ٹھکانہ بہشت میں ہے یا دوزخ میں اور یہ کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا ہم ایسا نہ کریں کہ اپنی نوشت پر بھروسا کریں۔ اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو جو صاحب سعادت ہے وہ خود بخود اہل سعادت کے کام کرے گا۔ اور اُسی پر اُس کا خاتمہ ہوگا۔ اور جو بدبخت ہے بدبختوں کے کام کرے گا۔ اور انہیں پر

Marfat.com

اس کی وفات ہوگی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی (توجس نے راہ خدا میں دیا، اور پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کیا، اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کو سچ سمجھا، تو ہم آسانی کی جگہ (یعنی جنت میں پہونچنے کا رستہ) اس کے لیے آسان کر دینگے۔ اور جس نے راہ خدا میں دینے سے مضائقہ کیا اور (آخرت کی) پرواہ نہ کی۔ اور عمدہ بات یعنی دین اسلام کو جھوٹ جانا۔ تو ہم مشکل کی جگہ (یعنی دوزخ میں پہنچنے کا رستہ اس کے لیے آسان کردیں گے) اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ عمل کرتے رہو۔ ہر ایک کو اس کی سعی کے مطابق توفیق ملتی ہے اہل سعادت کو نیک اعمال اور بدبختوں کو برے کاموں کی توفیق ملتی ہے۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی۔

عمران بن حصین سے مروی ہے۔ کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا۔ کیا اہل جنت واہل دوزخ پہلے سے معین ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیشک یہی بات ہے سائل نے عرض کیا تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ۔ آپ نے فرمایا۔ ہر شخص کو انہیں کاموں کی توفیق ہوگی۔ جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ بخاری کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ہر کوئی وہی کام کرے گا۔ جن کے لیے وہ مخلوق ہوا یا جن کی اسے توفیق دی گئی۔

ابوالاسود دیلی سے مروی ہے کہا کہ عمران بن حصین نے مجھے کہا یہ تو بتلاؤ کہ آدمی اس وقت جو کچھ عمل کر رہے ہیں۔ اور ان میں جانفشانی کرتے ہیں کیا پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں یا آئندہ وقتاً فوقتاً ان کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اور

Marfat.com

اللہ تعالیٰ رسولوں کے ذریعہ اپنے احکام سے متنبہ فرما کر اتمام حجت فرماتا ہے
ہیں نے کہا آدمیوں کے تمام اعمال پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں۔ ابوالاسود کہتے ہیں
عمران نے کہا کیا یہ ظلم نہیں۔ اس پر میں بہت گھبرایا۔ اور کہا کہ یہ ظلم نہیں کیونکہ
سب چیزیں اللہ کی مخلوق اور اُس کی مملوک ہیں۔ وہ ان میں جیسے چاہے تصرف
کرے، اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ ہاں وہ اپنی مخلوق کو ان کے اعمال کی نسبت
باز پرس فرمائیگا۔ عمران بولے خدا تجھ پر رحم کرے (مجھے اس مسئلہ میں کوئی شبہ
نہیں، مَیں نے تو صرف تیری فہم آزمائی کے لیے یہ سوال وجواب کیا ہے (اور
مجھے یاد ہے) کہ قبیلہ مزینہ کے دو آدمی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے، اور کہا یا رسول اللہ یہ بتلائیں کہ لوگ اس وقت جو کچھ عمل کر رہے
ہیں۔ اور ان میں جانکا ہی کرتے ہیں۔ کیا یہ پہلے سے ایسے ہی مقدر ہو چکے ہیں یا
آئندہ وقتاً فوقتاً اُن کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ اور رسولوں کے ذریعہ ان کو احکام
الٰہی سے متنبہ کر کے اُن پر حجت قائم کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پہلے سے مقدر
ہو چکے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی کتاب میں اُس کی تصدیق موجود ہے وَنَفْسٍ
وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (اور انسان اور اُس ذات کی قسم)
جس نے اُس کو ایسا درست بنایا پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں
باتیں) اُس کو سمجھا دیں)، اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔
اور شعبی اصبحی سے مروی ہے کہا کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے
پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں دو کتابیں تھیں۔ آپ
نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کتابیں کیسی ہیں۔ راوی کہتے ہیں ہم نے کہا
یا رسول اللہ آپ کے بتلائے بغیر ہمیں کیسے معلوم ہو۔ آپ نے اُس کتاب کی نسبت
جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی۔ فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

اہل جنت کے نام مع ولدیت وقبیلہ تحریر فرمائے ہیں۔ اوران کے اخیر میں میزان دے دیا ہے سواب ان میں کبھی اب کمی وبیشی نہیں ہوگی۔ اور جو بائیں ہاتھ میں تھی۔ اس کی بابت فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں دوزخیوں کے نام مع ولدیت وقبیلہ تحریر ہیں۔ اوران کے آخر میں میزان دیا گیا ہے سو ان میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ اگر پہلے سے اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ آپ نے فرمایا تم اپنی طرف سے ٹھیک کام کرنے کی کوشش کرتے جاؤ۔ جو جنتی ہے اُس کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا۔ گو پہلے وہ کیسے ہی بدعمل کرتا رہا ہو۔ اور جو دوزخی ہے اس سے مرتے وقت دوزخیوں کے کام ہونگے۔ گو پہلے نیک کام کرتا رہا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا۔ کہ اپنی مٹھی کو بند کر لیا اور فرمایا کہ اللہ عزوجل بندوں کا معاملہ پہلے سے طے کر چکا ہے۔ پھر داہنے ہاتھ کو کھول کر اُس سے اشارہ کیا اور فرمایا فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ (قیامت میں) کچھ لوگ جنت میں ہوں گے) اور بائیں کو کھول فرمایا فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (کچھ لوگ دوزخ میں)

اس حدیث کو ترمذی نے قتیبہ سے انہوں نے لیث ابوقبیل سے انہوں نے شفی سے اور دوسری سند کے ساتھ قتیبہ سے انہوں نے بکر بن نصر سے انہوں نے ابوقبیل سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے۔

اور اس کو نسائی اور امام احمد نے بھی ان ہی الفاظ میں روایت کیا ہے اور صحیح حاکم وغیرہ کتابوں میں ابوجعفر رازی کی سند سے یوں ہے کہ ہم سے ربیع بن انس نے بیان کیا۔ انہوں نے ابوالعالیہ سے انہوں نے ابی بن کعب سے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (اور اے پیغمبر ان لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے

Marfat.com

یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا) کے بارے میں یوں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب بندوں کو قیامت تک پیدا ہوں گے جمع کیا پھر انہیں جوڑے بنایا۔ صورت اور قوت کلام بخشی اور ان سے مخاطب ہوا وہ سب کے سب بولے اور ان سے عہد و میثاق (قول و قرار لیا گیا) ، اور اُن کے مقابلے میں خود ان ہی کو گواہ بنایا۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَہِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غَافِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۰ (اُن سے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب بولے ہاں ہم اس بات کے گواہ ہیں اور یہ اس غرض سے کیا کہ ایسا نہ ہو کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے یعنی کسی نے ہم کو جتایا بتایا نہیں ، یا کہنے لگو کہ شرک ابتدا میں تو ہمارے بڑوں ہی نے کیا اور ہم اُن ہی کی اولاد تھے (کہ) اُن کے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو کرتے دیکھا ہم بھی ویسا ہی کرنے لگے تو اے خدا کیا تو ہم کو اُن لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کیے دیتا ہے جنہوں نے پہلے غلطی کی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سات آسمانوں۔ زمین اور تمہارے باپ آدم کو اس لیے تم پر گواہ بناتا ہوں کہ قیامت میں تمہیں یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا یا ہم اس سے بے خبر تھے۔ سو کسی کو میرا ساجھی نہ ٹھیرانا میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا۔ جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیں گے۔ اور نیز تمہاری ہدایت کے لیے اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ تو سب نے اقرار کیا کہ تو ہمارا رب و معبود ہے۔ تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ اور سب کے سب آدمؑ کے پیش کیے گئے تو آدمؑ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ کئی اُن میں مالدار ہیں اور کئی فقیر اور بعض خوبصورت ہیں

Marfat.com

اور بعض بدصورت۔ اس پر عرض کیا اے پروردگار۔ گر تو سب بندوں کو یکساں (مالدار و خوبصورت) بناتا تو (کیا خوب بات تھی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں یہ حکمت ہے کہ میری نعمتوں کی قدر سمجھیں۔ اور آدمؑ نے اپنی اولاد میں انبیاءؑ کو دیکھا، کہ وہ مشعلوں کی طرح روشن اور نورانی ہیں۔ حاکم نے یہ پوری حدیث بیان کی ہے۔

صحیح حاکم و جامع ترمذی میں ہشام بن یزید کی روایت اس طرح ہے کہ وہ زید بن اسلم سے ابو صالح سے وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو اُن کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا جتنے جی قیامت تک پیدا ہوں گے۔ چیونٹیوں کی طرح اُن کی پشت سے نکل پڑے۔ پھر ہر ایک آدمی کی پیشانی میں ایک نور رکھا۔ اور اُن کو آدمؑ کے پیش کیا۔ آدمؑ نے پوچھا۔ اے پروردگار یہ کون ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ آدمؑ نے ان میں ایک ایسا آدمی دیکھا کہ اس کے چہرہ کے نور سے نہایت خوش ہوئے۔ پوچھا اے پروردگار یہ کون ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ یہ تیرا بیٹا داؤد ہے جو پچھلی امتوں میں پیدا ہوگا۔ عرض کیا اس کی عمر کیا مقرر فرمائی ہے۔ فرمایا۔ ساٹھ سال۔ عرض کیا اے پروردگار میری عمر میں سے چالیس سال اُس کی عمر میں بڑھا دے۔ فرمایا۔ جو کچھ لکھا گیا ہے اب اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ جب آدمؑ کی عمر ختم ہوئی۔ اور قبض روح کے واسطے اُن کے پاس ملک الموت آیا تو کہنے لگے۔ کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں رہتے۔ ملک الموت نے کہا۔ آپ نے وہ اپنے بیٹے داؤد کو نہیں بخشے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے آدمؑ انکار کر گئے۔ اس لیے بنی آدمؑ بھی وعدے سے انکار کر جاتے ہیں۔ اور پہلے آدمؑ بھولے ہیں اسی وجہ سے آدمی بھی بھولتے ہیں۔ اور آدمؑ سے جو خطا ہوئی اسی کا اثر ہے کہ بندے بھی خطا کرتے ہیں۔ حاکم

Marfat.com

نے کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔

اور موطا امام مالکؒ میں زید بن ابی انیسہ سے مروی ہے کہ اُس سے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید نے بیان کیا۔ وہ مسلم بن یسار جہنی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب سے کسی نے اس آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا) کا مطلب پوچھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جب اس کا مطلب پوچھا گیا تو میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا فرما کر اُن کی پشت پر اپنا داہنا ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے اولاد آدمؑ (کا ایک حصہ) نکالا اور فرمایا کہ ان کو میں نے بہشت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور یہ اہل بہشت کے کام کریں گے۔ پھر دوبارہ ہاتھ پھیرا۔ تو دوسرا حصہ نکالا اور فرمایا کہ ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور یہ دوزخیوں کے کام کریں گے۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ جب یہ ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو بہشت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس سے اہل بہشت کے کام کرائیگا۔ یہاں تک کہ اس کا خاتمہ انہی اعمال پر ہو گا۔ اور اس کو جنت میں داخل فرمائیگا۔ اور جس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اس سے دوزخیوں کے کام کرائے گا۔ یہاں تک کہ وہ انہی پر مریگا۔ اور دوزخ میں دھکیلا جائے گا۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ مگر اُس کا یہ کہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث منقطع ہے (چنانچہ) ابو عمر کہتے ہیں۔ یہ حدیث اس وجہ سے منقطع ہے کہ ابن یسار کی حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کا استاذ نعیم بن ربیع ہے (جس کو ذکر نہیں کیا) نعیم اسم کا

Marfat.com

استاذ تب ہوسکتا ہے کہ اُس شخص کی روایت صحیح ہو جس نے نعیم بن ربیعہ کا ذکر کیا ہے (مگر اُس کی صحت میں کلام ہے)، کیونکہ وہ امام مالکؒ سے زیادہ حافظ نہیں اور نہ ان لوگوں سے ہے کہ امام مالک کے خلاف اُن کا قول قابل اعتماد ہو۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ نعیم بن ربیعہ مسلم کا استاذ ہے تو بھی یہ روایت صحیح نہیں ہوسکتی یہ دونو مجہول اور حفظ علم اور نقل حدیث میں غیر معروف ہیں یہ مسلم وہ شخص نہیں ہے۔ جو مسلم بن لیسار عابد بصری مشہور ہے یہ مسلم ایک غیر مشہور آدمی اور مدینے کا باشندہ ہے۔ ابو عمر نے تاریخ ابن ابی خثیمہ سے نقل کیا ہے۔ کہا کہ میں نے امام مالک کی یہ حدیث یحییٰ بن معین کو سنائی تو انہوں نے میری کتاب پر اپنے ہاتھ سے مسلم بن لیسار کے نام پر لَا یُعْرَفُ (معروف نہیں) لکھ دیا۔ ابو عمر نے کہا ہے اگرچہ خاص اس روایت کی سند میں سقم ہے لیکن اس کا مضمون پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طریقوں سے مروی ہے جس کو عمرؓ بن خطاب وغیرہ صحابہؓ روایت کرتے ہیں۔ تقدیر کے بارے میں جن صحابہؓ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مضمون روایت کیا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ علیؓ بن ابیطالب، ابیؓ بن کعب، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعیدؓ خدری، ابوسریحہ عباری، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرو بن عاص، ذوالحیہؓ کلابی، عمرانؓ بن حصین، عائشہؓ، انس بن مالکؓ، سراقہ بن جعشم، ابوموسیٰ اشعری اور عبادہؓ بن صامت۔ مؤلف کہتا ہے بلکہ حذیفہؓ بن یمان، زیدؓ بن ثابت، جابر بن عبداللہؓ، حذیفہ بن اسید، ابوذرؓ، معاذؓ بن جبل، ہشامؓ بن حکیم، اور ابو عبداللہؓ ابو عبد وہ شخص ہیں جن سے بہت سے صحابہؓ جیسے ابونضرؓ، عبداللہ بن سلام، سلمانؓ فارسی، ابوالدرداءؓ، عمروؓ بن عاص، ام المؤمنین عائشہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوامامہؓ باہلی، ابوالطفیلؓ، اور عبدالرحمٰن بن عوف یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ ان کی

Marfat.com

سب حدیثیں مرفوع نہیں بلکہ بعض موقوف بھی ہیں۔ اِس کتاب کے ابواب میں وہ سب اپنے اپنے موقعہ پر انشاء اللہ مذکور ہوں گی۔

اسحاق بن راہویہ نے کہا ہم سے بقیہ بن ولید نے بیان کیا کہا کہ مجھ سے زبیدی محمد بن ولید نے بیان کیا۔ انہوں نے راشد بن سعد سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی قتادہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ہشام بن حزام سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ہم جو عمل کرتے ہیں اُن کی ابتداء اسی وقت سے ہوتی ہے یا پہلے سے تقدیر میں لکھے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب اولادِ آدم کو اُن کی پشت سے نکالا۔ تو خود اُن کو اُن پر گواہ بنایا۔ پھر اُن کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور فرمایا یہ جنت والے ہیں اور یہ دوزخی سو جنت والوں کو اہل جنت کے کاموں کی توفیق ہوتی ہے اور دوزخیوں کو اہل دوزخ کے کاموں کی۔

اسحاق نے کہا ہے کہ ہم سے عبدالصمد سے بیان کیا۔ کہا۔ کہ ہم سے حماد نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے حریری نے بیان کیا۔ انہوں نے ابونضرہ سے روایت کیا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک شخص ابوعبداللہ (بیمار تھے) ان کے دوست ان کو دیکھنے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ رو رہے ہیں پوچھا کیوں روتے ہو کہا کہ مَیں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مُٹھی داہنے ہاتھ میں لی اور دوسری بائیں ہاتھ میں اور فرمایا کہ یہ جنت کے لیے ہیں اور یہ دوزخ کے لیے اور میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ پس مجھے معلوم نہیں کہ میں کس مٹھی میں تھا سو اس خوف سے روتا ہوں ہم سے عمرو بن محمد بن اسماعیل بن رافع نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے مقبری سے انہوں نے ابوہریرہؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ

98393

Marfat.com

کی سرشت اس طرح بنائی۔ کہ پہلے مٹی تھی، پھر اُسے کیچڑ بنا کر چھوڑ دیا۔ جب سوک کر ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے لگی۔ تو شیطان اس کے پاس جا کر کہتا۔ تم ایک بڑے کام کے لیے پیدا کئے گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس میں روح ڈالی تو آدم علیہ السلام نے کہا میں اپنے رب کے داہنے ہاتھ کو پسند کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ کھولا سو آدمؑ کی جتنی ذریت پیدا ہوگی وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں موجود تھی۔

ہم سے نصر نے بیان کیا کہا کہ ہم سے ابو معشر نے بیان کیا انہوں نے ابو سعید مقبری اور نافع مولیٰ زبیر سے انہوں نے ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ارادہ فرمایا (ذکر پیدائش) جب پیدا ہوچکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدمؑ میرا کونسا ہاتھ تجھے پسند ہے کہ میں اس میں تجھے تیری اولاد دکھلاؤں۔ عرض کیا رب کا داہنا ہاتھ۔ اور رب کے تو دونوں ہاتھ داہنے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنا داہنا ہاتھ کھولا تو آدمؑ نے دیکھا کہ اُن کی تمام اولاد جو قیامت تک پیدا ہوگی سب اس میں موجود ہے۔ تندرست اور بیمار ہر ایک جدا گانہ ہئیت میں ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام ایک خاص ممتاز شکل میں ہیں۔ عرض کیا اے اللہ سب کو یکساں عافیت نہ بخشنے کی کیا حکمت ہے۔ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری نعمت کی قدر کریں اور شکر گذار ہوں۔ نصر نے یہ پوری حدیث بیان کی ہے۔

محمد بن نصر مروزی نے کہا ہے کہ ہم سے محمد بن یحییٰ نے بیان کیا کہا ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا، ہمیں بن سعد نے بتلایا کہ مجھ سے ابن عجلان نے بیان کیا انہوں نے سعید بن ابو سعید مقبری سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے۔ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا پھر اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا کہ اُسے بند کر لیا اور فرمایا جو چاہو پسند کرو۔ عرض

Marfat.com

کیا میں رب کا داہنا ہاتھ پسند کرتا ہوں۔ اور رب کے تو دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے داہنا ہاتھ کھولا تو آدمؑ نے اُس میں اپنی اولاد کو دیکھ کر پوچھا اے پروردگار یہ کون لوگ ہیں فرمایا تیری اولاد کے وہ تمام جنتی لوگ ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گے۔

محمد بن نصر نے کہا ہے ہم سے اسحاق بن راہویہ نے یہ بیان کیا کہا کہ ہمیں جعفر بن عون نے بتلایا کہ ہمیں ہشام بن سعد نے بتلایا۔ انہوں نے زید بن سالم سے انہوں نے ابو ہریرہؓ سے انہوں نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اُن کی پشت پر ہاتھ پھیرا سو قیامت تک جتنے جی اُن کی اولاد سے پیدا ہوں گے۔ سب کے سب ان کی پشت سے نکل پڑے۔ اسحاق نے یہ پوری حدیث بیان کی ہے۔

اسحاق بن ملائی نے کہا ہے ہم سے مسعودی نے بیان کیا۔ وہ علی بن ندیمہ سے وہ سعد سے وہ ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا) کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔ کہ ابن عباسؓ نے کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے یہ اقرار لیا کہ وہ ان کا رزق، عمر اور جو جو مصیبتیں و حوادث انہیں پیش آئیں گے سب لکھدیے پھر ان کی پشت سے اُن کی اولاد کو چیونٹیوں کی طرح نکالا۔ پھر اُن سے بھی یہ اقرار لیا کہ وہ اُن کا رب ہے۔ اور ان کے رزق عمر اور جو جو حوادث پیش آئیں گے۔ سب لکھدیے۔

اسحاق (مذکور) نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم سے وکیع نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے اعمش نے بیان کیا کہ وہ حبیب بن ابی ثابت سے وہ ابن عباسؓ سے روایت

Marfat.com

کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ تو اُن سے اُن کی سب اولاد کو نکالا۔ اور دا ہنے ہاتھ میں نیکیوں اور بائیں میں بدوں کو لیا۔

اور محمد بن نصر نے کہا ہے ہم سے حسن بن زعفرانی اور حجاج نے بیان کیا وہ ابن جریج سے وہ زبیر بن موسیٰ سے وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے داہنے کندھے پر ہاتھ مارا تو اس سے وہ رُوحیں جو جنت کے لیے پیدا کی گئی ہیں ایک اور روشن اور نورانی شکلوں میں ظاہر ہوئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اہل جنت ہیں۔ پھر بائیں کندھے پر مارا تو وہ رُوحیں جو دوزخ کیلئے مخلوق ہیں سیاہ اور بدنما چہروں میں نمودار ہوئیں اور اُنکی نسبت فرمایا کہ یہ دوزخی ہیں۔ پھر سب بنی آدمؑ سے ایمان، معرفت ذات الٰہی، تصدیق اور امتثال امر کا عہد لیا اور خود اُن ہی کو اُن پر گواہ ٹھیرایا۔ اس وقت سب کے سب ایمان لائے تصدیق کی معرفت کو سمجھے اور اقرار کیا۔

ہم سے اسحاق نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے روح بن عبادہ بن محمدؐ بن عبدالملاک نے بیان کیا وہ اپنے باپ سے وہ زبیر بن موسیٰ سے وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباسؓ سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ مگر اس میں اتنی زیادتی ہے کہ ابن جریج نے کہا کہ مجھے یہ بات بھی پہنچی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نکال کر رائی کے دانوں کی طرح اپنے ہاتھ پر رکھا۔

اسحاق نے کہا ہے کہ ہم سے جریر نے بیان کیا وہ منصور سے وہ مجاہد سے وہ عبداللہ بن عمروؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ الآیہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اس طرح پکڑا جس طرح کنگھی سے کوئی چیز پکڑتے ہیں۔

تفسیر اسباط میں سدی اور اس کے اصحاب ابو مالک اور ابو صالح سے مروی ہے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ نیز مرہ ہمدانی سے مروی ہے

Marfat.com

وہ ابن مسعود اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْۤ اٰدَمَ الآیہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو جنت سے نکالا۔ تو اُن کے آسمان سے نیچے گرنے سے پہلے اُن کی پشت کی داہنی جانب ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے ان کی اولاد کا ایک حصہ نکالا۔ جو رنگت میں موتیوں کی طرح چمکیلے اور قد میں چیونٹیوں کے برابر تھے۔ اور انہیں فرمایا کہ تم میری رحمت سے جنت میں جاؤ۔ اور بائیں جانب ہاتھ پھیرا۔ تو اُس سے دُوسرا حصہ نکالا۔ جن کے رنگ سیاہ اور قد چیونٹیوں کے برابر تھے۔ اُن کو حکم دیا۔ کہ تم دوزخ میں جاؤ۔ اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں جو دو گروہ اصحاب الیمین واصحاب الشمال مذکور ہیں۔ اُن سے یہی مطلب ہے پھر سب سے عہد لیا۔ اور فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں، سب بولے ہاں تو ہمارا پروردگار ہے۔ لیکن ایک گروہ خوشی سے اور دوسرا تقیہ کے طور پر ناخوشی سے اس بات کا قائل ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ نے فرمایا۔ شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ الآیۃ (ہم اس بات کے گواہ ہیں اور یہ اس غرض سے کیا کہ ایسا نہ ہو کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو۔ کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے (یعنی کسی نے ہم کو جتایا بتایا نہیں یا کہنے لگو کہ شرک ابتدا میں تو ہمارے بڑوں ہی نے کیا۔ اور ہم ان ہی کی اولاد تھے۔ کہ ان کے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو دیکھا ہم بھی ویسا ہی کرنے لگے۔ اسی وجہ سے ہر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جانتا اور ہر مشرک یہی کہتا ہے کہ چونکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس مذہب میں دیکھا ہے۔ اس لیے ہم اُن کے پیرو ہیں ورنہ خدا کی وحدانیت تو ہم بھی سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے قول وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اور قولہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (جو فرشتے، آسمانوں میں ہیں اور جو لوگ، زمین میں ہیں چارو ناچار اسی کے حکم بردار ہیں، اور قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اے پیغمبران سے) کہو (کہ تم مارے)، اور اللہ کی حجت تم پر تمام ہوئی، پھر اللہ وہی چاہتا تو تم سب کو (دین حق کا) رستہ دکھا دیتا) کا یہی مطلب ہے۔

اسحاق نے کہا ہے ہم سے وکیع نے بیان کیا کہ ہم سے مضر نے بیان کیا وہ ابن سابط سے روایت کرتے ہیں۔ کہا کہ ابوبکرؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی دو مٹھی برابر پیدا کیا۔ سو جو داہنی میں تھے انہیں فرمایا کہ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ۔ اور جو بائیں میں تھے ان کو دوزخ میں جانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔

اسحاق نے کہا ہے کہ ہم سے جریر نے بیان کیا وہ اعمش سے وہ ابوظبیان سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے جو قبیلہ انصار سے ہیں روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو انہیں اپنی دونو مٹھی میں رکھا۔ پھر جو داہنی میں آئے انہیں اصحاب الیمین اور جو بائیں میں رہے ان کو اصحاب الشمال فرمایا اور یہ فیصلہ (ہمیشہ کے لئے)، قیام قیامت تک نافذ ہوا۔

عبداللہ بن وہب نے کتاب القدر میں کہا ہے مجھ سے جریر بن حازم نے بیان کیا وہ ایوب سختیانی سے وہ ابوقلابہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ جب اللہ عزوجل نے آدمؑ کو پیدا کیا۔ تو ان سے ان کی اولاد کو نکالا

Marfat.com

اور انہیں اپنے ہاتھ میں لیکر پھر نیچے چھوڑ دیا سو جو داہنے ہاتھ میں تھے اُن کو داہنی طرف اور جو بائیں میں تھے۔ اُن کی بائیں طرف چھوڑا اور فرمایا اصحاب الیمین، جنت کے لیے اور اصحاب الشمال، دوزخ کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ اور اہل دوزخ اور ان کے اعمال اور اہل جنت اور اُن کے اعمال سب لکھ دیئے۔ پھر دفتر اعمال بند کیا گیا۔ اور قلم اٹھا دی گئی۔

ابوداؤد نے کہا ہے ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا۔ وہ ایوب سے وہ ابوقلابہ سے وہ ابوصالح سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن وہب نے کہا ہے مجھ سے عمرو بن حارث اور حیوہ بن شریح نے بیان کیا ہے وہ ابن ابی سعید سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔ کہ اس سے ابو فراس نے بیان کیا۔ کہ اُس نے عبداللہ بن عمرو کو یہ کہتے سنا کہ اللہ عزوجل نے جب آدمؑ کو پیدا کیا۔ تو اُن کو اس طرح جھاڑا جس طرح تو شندن جھاڑا جاتا ہے۔ پس اُن کی پیٹھ سے ان کی تمام اولاد چیونٹیوں کی طرح نکل پڑی۔ پھر اُن کو دونو ہاتھوں میں لیکر نیچے چھوڑ دیا۔ پھر دوبارہ ان کو ہاتھ میں لیکر فرمایا۔ ایک جماعت جنت میں جائے گی اور ایک دوزخ میں۔

عبداللہ بن وہب نے کہا مجھ سے یونس بن یزید نے بیان کیا وہ اوزاعی سے وہ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو شخص خیال کرے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا شخص حاکم، رزاق یا اُس کے نفع و نقصان یا موت اور زندگی کا مالک ہے تو قیامت میں وہ اللہ کے سامنے ایسے حال میں جائے گا۔ کہ اُس کی حجت بیکار۔ زبان سوختہ نماز و روزہ سب کچھ رائگان اور تمام اسباب منقطع ہوں گے۔ اور مُنہ کے بل اُسے دوزخ میں دھکیل دیں گے۔ عبداللہ بن عمرو نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ اور اُن سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ اور اُس وقت اُس کا عرش پانی پر تھا۔

ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ ہم سے یحییٰ بن حبیب نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے معتمر نے بیان کیا کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا۔ انہوں نے ابوالعالیہ سے اللہ تعالیٰ کے قول یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (جس دن بعض لوگوں کے) منہ سفید ہوں گے اور بعض کے منہ سیاہ۔ تو جو لوگ روسیاہ ہونگے (اُن سے کہا جائے گا) کہ تم ایمان لا کر پیچھے کافر ہو گئے تھے تو (اب) اپنے کفر کی سزا میں عذاب (کے مزے) چکھو اور جو لوگ سفید رو ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت (یعنی بہشت) میں ہوں گے (اور) وہ اسی میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہینگے کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بنی آدم دو فریق ہوں گے۔ اور ان میں سے جن کے چہرے سیاہ (متغیر) ہوں گے اُن سے فرمائے گا۔ کہ تم ایمان کے بعد کافر ہو گئے یہاں ایمان سے وہ ایمان مراد ہے جسے سب کے سب نے پہلے قبول کیا تھا۔

ابوداؤد نے کہا ہے کہ ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا کہا ہم سے حماد نے بیان کیا کہا ہم سے ابولغامہ سعدی نے بیان کیا کہ (ایک دن) ہم ابوعثمان ہندی کی مجلس میں تھے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اس کا ذکر کیا اور اس سے دعا مانگی اور میں نے کہا کہ جب یہ کام شروع کیا گیا تھا تو مجھے نہایت خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اب چونکہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ کمال درجہ کی خوشی نہیں رہی۔ ابوعثمان ہندی بولے خدا تجھے اس پر قائم رکھے۔ ایک دن ہم سلمان کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اور اسی طرح خدائے عزوجل کی تعریف۔ ذکر اور دعا مانگنے میں مصروف ہوئے اور (اختتام مجلس پر) میں نے یہی کلمہ کہا ہے تو سلمان نے مجھے یہی ——

Marfat.com

دعا دی کہ خدا تعالیٰ تجھے اس پر قائم رکھے اور کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا کیا تو اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ سو قیامت تک جتنے جی پیدا ہوں گے اُس سے نکل پڑے۔ نر۔ مادہ۔ بدبختی۔ نیک بختی۔ رزق۔ عمر۔ رنگ۔ سب کچھ اسی وقت مقرر فرما دیا۔ نیک کام کرنا اور مجلس خیر میں شامل ہونا سعادت کی نشانی اور بُرے کام اور بُری محفلوں میں جانا بدبختی کی علامت ہے۔

ابوداؤد نے کہا ہے ہم سے موسےٰ بن اسماعیل نے بیان کیا کہا ہم سے حماد نے بیان کیا کہا ہمیں عطاء بن سائب نے بتلایا وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ تو جتنے قیامت تک ہوں گے اس سے نکل پڑے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد و اقرار لیے۔ اسی واسطے سلف کا یہ مذہب ہے کہ قلم خشک ہو چکی ہے یعنی جو کچھ ہونا ہے وہ سب کچھ لکھا گیا ہے اب اس میں کچھ کمی و بیشی نہیں ہو سکتی ۔

ضحاک کا قول ہے کہ بنی آدم چیونٹیوں کی طرح نکل پڑے پھر ان کو دوبارہ آدمؑ کی پیٹھ میں رکھدیا۔ مذکورہ بالا احادیث اور آثار اور حدیثیں ان کے ہم معنی ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ نے بنی آدمؑ کے عمل۔ رزق۔ عمریں۔ سعادت اور شقاوت آدمؑ کی پیدائش کے بعد فرما دیئے اور ان کی صورتیں، شکلیں، اور حلیے آدمؑ کو دکھلا دیئے۔ لیکن ان کو آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ کی تفسیر قرار دینا محل کلام ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی حدیث اگر بالفرض صحیح ہو تو وہ حدیث بھی اس آیت کی تفسیر نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت کا یہی مطلب ہے۔ بلکہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم کو آدم کی پشت سے نہیں بلکہ نسلاً بعد نسلٍ یکے بعد دیگرے ان کو خود انہی کی پشت سے نسلاً بعد نسلٍ یکے بعد دیگرے ظاہر کیا۔ اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار اس لیے کر لیا۔ کہ قیامت کو کافر یہ نہ کہے کہ میں اس سے غافل تھا۔ اور بیٹا یہ عذر پیش نہ کرے کہ (پہلے)

Marfat.com

میرے باپ نے شرک کیا۔ میں تو اس کا پیرو تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت و خالقیت کا اقرار جب ان کی فطرت و سرشت میں رکھ دیا۔ تو ان پر بلاشبہ یہ حجت قائم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ وغیرہ کی حدیث سے تقدیر سابق اور میثاق اول ثابت ہوتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اس سے اُن کو الزام نہیں دے گا۔ بلکہ وہ اس سے پکڑے گا کہ اس نے رسول بھیجے اور اُن کی سرشت اُس کی ربوبیت و خالقیت کے اقرار پر ہوئے جیسے آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت احادیث اور آثار سے تقدیر۔ اتمام حجت اور ایمان بالقدر ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ جیسا کہ بندے کو سمجھنا اور ماننا چاہیئے پوری پوری طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے۔

Marfat.com

تیسرا باب

تقدیر کے بارے میں حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰ کے باہم مناظرہ کرنے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دینے کے بیان میں

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰؑ نے باہم مناظرہ کیا۔ موسےٰؑ کہنے لگے۔ اے آدم آپ ہمارے باپ ہیں۔ اور آپ نے ہم کو یہ نقصان پہنچایا کہ ہمیں جنت سے باہر نکالا اس پر آدمؑ بولے آپ وہی موسیٰ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے سرفراز کیا۔ اور اپنے ہاتھ سے توریت لکھ کر عنایت فرمائی تو پھر اس بات پر جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے مقدر فرما دی تھی۔ آپ مجھے کیسے ملامت کرتے ہیں۔ پس آدمؑ موسیٰؑ پر غالب آئے (یہ جملہ آنحضرتؐ نے تین بار فرمایا یعنی آدمؑ کا جواب ٹھیک تھا۔ جس کے سننے سے موسیٰؑ خاموش ہوئے) ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے۔ کہ آدمؑ و موسیٰؑ نے باہم مناظرہ کیا جس میں آدمؑ موسیٰؑ پر غالب ہوئے موسیٰؑ نے کہا۔ آپ وہ آدمؑ ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کی راہ ماری اور انہیں جنت سے نکالا۔ آدمؑ نے فرمایا۔ کیا آپ وہی موسیٰؑ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا علم شرائع عطا کیا اور اپنی رسالت سے

Marfat.com

لوگوں میں ممتاز فرمایا۔ موسیٰ نے کہا ہاں وہی ہوں۔ آدمؑ بولے تو پھر اس بات پر جو میرے مخلوق ہونے سے پہلے مقدر ہو چکی تھی آپ مجھے کیسے ملامت کرتے ہیں۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آدمؑ و موسیٰؑ نے اپنے رب کے پاس باہم مناظرہ کیا جس میں آدمؑ موسیٰؑ پر غالب آئے۔ موسیٰ نے کہا آپ وہ آدم ہیں۔ جن کا پتلا اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ اس میں اپنی پیدا کی ہوئی رُوح ڈالی۔ ملائکہ سے سجدہ کرایا اور جنت میں بسایا پھر آپ نے اپنے گناہ کے سبب آدمیوں کو زمیں پر اُتارا۔ آدمؑ نے کہا آپ وہی موسیٰؑ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت و کلام سے سرفرازی بخشی۔ اور وہ الواح دیئے جن میں ہر ایک چیز کا بیان تھا۔ اور اپنی ہمکلامی کا خاص قرب عنایت کیا۔ سو یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے توریت کو میری پیدائش سے کتنا پہلے لکھا ہے موسیٰؑ نے کہا چالیس سال۔ آدمؑ نے کہا۔ کیا اس میں یہ نہیں دیکھا وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ (اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور (راہ صواب سے) بھٹک گئے) موسیٰؑ نے کہا بیشک یہ اُسیں موجود ہے۔ تب آدمؑ نے کہا۔ تو آپ مجھے اُس کام کرنے پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پیشتر لکھ دیا تھا کہ وہ مجھ سے ظہور میں آئیگا۔ پس آدمؑ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آئے۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آدمؑ و موسیٰ نے باہم مناظرہ کیا۔ موسیٰؑ نے کہا آپ وہ ہیں جن کے گناہ کی وجہ سے ہم جنت سے نکالے گئے۔ آخر حدیث تک اس حدیث صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ اور اس سے جو تقدیر ثابت ہوتی ہے یہ اس تقدیر کے بعد ہوئی ہے۔ جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پیشتر ہو چکی ہے۔

ابو علی جبائی معتزلی اور اس کے ہم خیال لوگوں نے اس حدیث کا مطلب

Marfat.com

نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کی تردید میں یوں کہا ہے اگر یہ حدیث صحیح ہو تو انبیاء کی نبوت کا سلسلہ بیکار ہو جائے گا۔ کیونکہ جب ہر ایک عاصی اور گناہگار کو تقدیر کا بہانہ مل گیا۔ تو امر اور نہی فضول ہوں گے اس لیے کہ ترک اوامر و ارتکاب منہیات میں جو حرکت اُس سے ہو گی وہ تقدیر کے سر تھوپ دے گا اور کسی صورت میں وہ ملامت کا مستحق نہ ہو گا۔

ابو علیؒ وغیرہ نے جو کچھ کہا ہے یہ مذہب اعتزال اور خدا و رسول کے شان اور اُس کی سُنت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے یہ حدیث بلاشبہ صحیح اور اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لیکر قرناً بعد قرنٍ اُمت محمدیہؐ نے اسے قبول تسلیم اور تصدیق کیا ہے۔ اور محدثین نے اپنی کتابوں میں اسے روایت کیا اور تصریح کی ہے کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح قول ہے پس وہ لوگ جو حدیث رسولؐ سے بیزار اور محدثین کی عداوت اور اُن پر طعن کرنے میں مشہور ہیں کہ محدثین مجسمہ مشبہ اور حشویہ ہیں۔ وہ حدیث کی صحت و عدم صحت کو کیا جانیں۔ ان کا ہمیشہ سے یہ شیوہ ہے۔ کہ جو حدیثیں ان کے قواعد باطلہ اور عقائدِ فاسدہ کے خلاف ہوں اُن کی تردید کیا کرتے ہیں جیسے ان احادیث کو رد کیا ہے۔ جن میں باری تعالیٰ کے دیدار۔ علو علے الخلق اور اُس کے صفات قائمہ بالذات کا ذکر ہے اور نیز ان حدیثوں کو رد کیا ہے۔ اور جن میں شفاعت انبیاء اور پہلے آسمان اور زمین کی طرف بندوں کے معاملات فیصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے اور وحی کو ایسی کلام کے ساتھ ظاہر فرمانے کا ذکر ہے جسے ہر ایک وہ شخص جس کو باری تعالیٰ سنانا چاہے سُن سکتا ہے اور جیسے کہ فرقہ خارجیہ اور معتزلہ نے ان حدیثوں کے منکر ہیں۔ جو دربارہ شفاعت اہلِ کبائر اور اُن کے دوزخ سے باہر آنیکے باب میں آئی ہیں۔ اور فرقہ روافض وہ

Marfat.com

حدیثیں نہیں مانتے۔ جن میں خلفائے راشدین و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل مذکور ہیں اور معطلہ نے اُن حدیثوں کو ترک کیا جن میں باری تعالیٰ کے صفات اور افعال اختیاری کا بیان ہے اور قدریہ مجوسیہ نے قضاؤ قدر کی احادیث کو نہیں مانا۔ بات یہ ہے کہ جو شخص ایسا اصول ٹھیراتا ہے جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ثابت نہ ہو تو وہ خواہ مخواہ سنت کی رد یا اور اس کے معنی میں ٹیڑھی تاویلیں گھڑنے لگتا ہے اس لیے اللہ و رسول کی جماعت (محدثین اہلسنت) نے سوائے قرآن و حدیث کے کسی چیز کو اصول نہیں ٹھہرایا۔ یہی دونوں چیزیں اُن کا اصول ہیں ان کے تمام معاملات دین و دنیا کی مدار انہی پر ہے۔ اور مخالفین کے شکوک و شبہات سے بچنے کے لیے وہ انہی کو اپنا سپر بناتے ہیں۔

واضح ہو کہ حدیث مذکور کے معنی اور موسیٰ پر آدمؑ کے غالب آنے کی وجہ میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے غلبے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ چونکہ آدمؑ باپ ہیں اس لیے موسیٰ پر غالب ہوئے جیسے باپ اپنے بیٹے پر غالب ہوتا ہے لیکن یہ وجہ بالکل غلط ہے۔ غلبے کا سبب وہ دلیل ہونی چاہیئے جو کلام الٰہی کے مطابق ہو خواہ اسے باپ بیٹا۔ غلام یا آقا کوئی پیش کرے۔ اگر بیٹا حق بجانب ہوا اور صحیح دلیل بیان کرے تو اس کو قبول کرنا ضروری ہے۔ بعض نے کہا ہے آدمؑ موسیٰؑ پر اس لیے غالب آئے کہ گناہ ایک شریعت میں ہوا تھا۔ اور ملامت دوسری میں۔ یہ وجہ بھی ہرگز صحیح نہیں اور نہ یہ غلبے کا سبب ہو سکتی ہے کیونکہ اُمت محمدیہ ان گذشتہ اُمتوں کو جنہوں نے اپنے انبیاء کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی مستحق ملامت ٹھیرائی جائے، حالانکہ شریعت ایک نہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اس امت کی شہادت قبول فرمائے گا۔ باوجود یکہ یہ ان کے دین پر نہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ غالب آنے کی یہ وجہ ہے کہ آدمؑ گناہ سے

Marfat.com

تائب ہو چکے تھے۔ اور جو گناہ سے تائب ہو اُس کا گناہ شمار نہیں ہوتا اور نہ وہ قابل ملامت ہو سکتا ہے۔ یہ بات بجائے خود اگرچہ صحیح ہے لیکن اسی غلبے کا سبب ہکنا تین وجوہ سے صحیح نہیں ہو سکتا (۱) یہ کہ خود آدمؑ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ موسےٰ کے سامنے اسے بطور دلیل پیش کیا ہے (دیکھو) یہ نہیں کہا اے موسیٰ آپ مجھے اُس گناہ پر ملامت کرتے ہیں، جس سے میں توبہ کر چکا ہوں (۲) یہ کہ موسیٰؑ جیسے عارف باللہ اور دین و احکام الٰہی کے واقف کے شان سے یہ نہایت بعید ہے کہ وہ ایسے گناہ پر ملامت کریں جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا ہو۔ کہ اُس کے فاعل کی توبہ منظور اور وہ اُس کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے۔ یہ بات تو کوئی ادنےٰ مومن بھی نہیں کر سکتا۔ پھر موسیٰؑ کلیم الرحمٰن کیسے کرتے (۳) یہ کہ اس کے اعتبار کرنے سے لازم آتا ہے کہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب غلبہ قرار دی ہے۔ اُسے چھوڑ کر ایک دوسری چیز سبب غلبہ ٹھہرائیں۔ لہٰذا یہ قابل التفات نہیں۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ غلبے کا سبب یہ ہے کہ موسیٰؑ کا ملامت کرنا دار تکلیف میں نہ تھا۔ اگر دارِ تکلیف میں ہوتا تو ضرور وہی غالب اور حق بجانب ہوتے مگر یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اور اس کے نہ صحیح ہونے کی دو وجہ ہیں (۱) یہ کہ خود آدمؑ نے یہ نہیں کہا۔ اے موسیٰ آپ مجھے ایسے مقام میں ملامت کرتے ہیں جو محل تکلیف نہیں۔ انہوں نے تو صرف یہی کہا کہ آپ مجھے اُس کام پر ملامت کرتے ہیں جو میرے پیدا ہونے سے پیشتر مجھ پر مقدر ہو چکا۔ آدم علیہ السلام نے اپنے استدلال میں صرف تقدیر سابق کو پیش کیا ہے۔ دار تکلیف وغیرہ کا ذکر نہیں کیا (۲) یہ کہ اللہ سبحانہٗ ان بندوں کو جو قابل ملامت ہوں گے موت کے بعد اور قیامت میں ملامت فرمائے گا۔ ملامت کے لیے دار تکلیف ہونا ضروری نہیں۔

Marfat.com

ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ آدمؑ اس وجہ سے غالب آئے۔ کہ انہوں نے حکم الٰہی اور خلقت میں اس کے جاری ہونے۔ اللہ سبحانہ کے ربوبیت میں منفرد ہونے۔ اُس کی مشیت علم کے سوا ایک ذرہ نہ ملنے۔ اللہ کی قضاؤ قدر کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ اللہ جو چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ ان سب کو مشاہدہ کے طور پر دیکھ لیا۔ اور انہیں عین الیقین حاصل ہوگیا تھا۔ اور جب بندہ حکم ایزدی کو اس طرح مشاہدہ کرلے۔ تو اُسے کوئی چیز قبیح نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ وہ اس مرتبے میں اپنے آپ کو معدوم محض سمجھتا اور یہ جانتا ہے کہ احکامِ تقدیر ضرور اُس پر جاری ہوں گے اور وہ ان کے سامنے بے بس اور مجبور ہے۔ اُن سے بچنے کے لیے کسی قسم کا کوئی حیلہ اور طاقت نہیں رکھتا۔ اور جو اس مرتبہ میں ہو وہ (خواہ کچھ کرے) قابل ملامت نہیں۔

واضح ہو کہ اس حدیث کے متعلق جماعت مذکورہ کا مسلک سب سے زیادہ خراب ہے۔ فرقہ قدریہ جو اِس حدیث کی تردید کرتے ہیں۔ ان کے مذہب سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ فرقہ قدریہ اسی مذہب کی تردید و ابطال کے لیے سرے سے حدیث کے منکر ہوئے۔ اِس مذہب کی تردید کرنا تو بیشک بجا اور اچھا کام ہے مگر یہ اُن کی غلطی ہے کہ انکار حدیث پر اُس کی بناء کو قائم کیا۔ اگر یہ مذہب صحیح ہو تو ادیان سماوی اور شریعت کا سلسلہ ہی سرے سے اُٹھ جائے اور ہر مشرک۔ کافر و ظالم کو تقدیر کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔ حدود شرعی لغو اور بیکار ہوں۔ کوئی مجرم کسی جرم پر اور کوئی ظالم خواہ کیسا ہی ظلم کرے قابل ملامت نہ ہو سکے۔ اور کبھی کسی بُرائی کا انکار ہی متصور نہ ہو۔

رئیس الملحدین ابن سینا نے اسی بنا پر اپنی کتاب اشارات میں لکھا ہے۔ کہ عارف کبھی کسی بُرائی کا انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تقدیر کے باب میں

Marfat.com

وہ اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے۔ ابن سینا کا یہ قول ادیانِ سماوی اور اتباعِ انبیاءؑ کے بالکل خلاف ہے انبیاء کرام سے بڑھکر اسرار الٰہی سے کون واقف ہوسکتا ہے۔ اور آنحضرت سب لوگوں سے زیادہ برائی کی تردید و انکار پر کمر بستہ ہوتے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ صرف اسی کام کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عارف بہ نسبت اور لوگوں کے برائی کو زیادہ بُرا جانیگا۔ کیونکہ وہ حکم ایزدی اور تقدیر سے واقف ہے۔ حکمِ الٰہی سے آگاہ ہونا بُرائی کی تردید کا موجب اور علم تقدیر اُس کا معین و مددگار ہے۔ اسی لیے عارف کو اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کا مرتبہ اور فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ (تو اسی کی عبادت کر اور اُسی پر بھروسہ رکھ) کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ سو ہم بھی اللہ کے امر و تقدیر سے اس کی عبادت کرتے اور اس کے حکم کے اجرا میں اِس پر بھروسا کرتے ہیں۔ معرفت اسی کا نام ہے اور عارف وہی ہے جسے یہ مرتبہ حاصل ہو حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبیین والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء کی یہی تعلیم ہے۔ اس کے برخلاف جو یہ گیت گاتا۔

شعر

اَصْبَحْتُ مُنْفَعِلًا لِمَا یَخْتَارُہ
مِنِّیْ فَفِعْلِیْ کُلُّہٗ طَاعَاتٗ

مجھ سے وہی کام ہوتے ہیں جن کو وہ پسند کرتا ہے اس لیے میرے تمام کام اس کی اطاعت ہیں) اور کہتا ہے کہ میں نے اگرچہ اللہ کے حکم کا خلاف کیا۔ لیکن اس کی مشیت و ارادہ سے باہر نہیں ہوا۔ اور یہ بھی مانگتا ہے کہ عارف اسرار تقدیر سے واقف ہونے کی وجہ سے کسی برائی کو بُرا نہیں جانتا۔ تو ایسا شخص شریعت انبیاء سے باہر اور ان کے تابعداروں کے زمرہ سے خارج ہے۔ برائی کرنے

Marfat.com

میں تقدیر کا بہانہ پیش کرنا۔ مخالفین انبیاء یعنی مشرکین و کفار کا شیوہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ (مشرکین سے کچھ بعید نہیں کہ یہ حجت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا۔ تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے) اور نہ ہم کسی (حلال) چیز کو (از خود اپنے اوپر) حرام کرتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں (پیغمبروں کو) جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزہ چکھا (پر چکھا اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ آیا تمہارے پاس کوئی (کتابی) سند بھی ہے۔ کہ اس کو ہمارے (دکھانے کے لیے) نکالو اور پیش کرو سند تو تمہارے پاس کچھ ہے نہیں نرے وہموں پر چلتے اور نری اٹکلیں ہی دوڑاتے ہو (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ (تم ہارے) اور اللہ کی حجت (تم پر) تمام ہوئی پھر اگر وہی چاہتا تو تم سب کو (دین حق کا) رستہ دکھا دیتا) دوسری جگہ میں فرمایا ہے وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (اور مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو ہم ہی اس کے سوا کسی پرستش کرتے اور نہ ہمارے بڑے (ہی کرتے) اور نہ اس کے (حکم کے) بدوں (اپنی طرف سے) کسی چیز کو حرام ٹھیراتے۔ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی (حیلہ حوالہ) کیا تو پیغمبروں پر سوا اس کے کہ (احکام خدا کو) صاف طور پر پہنچا

Marfat.com

دیں اور کچھ ذمہ داری نہیں۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطْعَمَہٗ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو تم کو رزق دے رکھا ہے اس میں سے کچھ اُس کے رستے میں غربا پر بھی) خرچ کرتے رہا کرو۔ تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں۔ کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھلائیں جن کو خدا چاہے تو (تم مسلمانوں کے عقیدے کے موافق) آپ (بہتیرا اچھا) کھلا سکتا ہے)۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰھُمْ مَا لَھُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ (اور کہتے ہیں۔ کہ خدائے رحمٰن چاہتا تو ہم اُن کی پرستش نہ کرتے اُن کو معاملہ تقدیر کی کچھ خبر تو ہے نہیں نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں)۔

یہ چار مواقع ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ انبیاء (یعنی کفار و مشرکین) کی تقدیر کے بارے میں حجت بازی اور بہانہ جوئی بیان فرمائی ہے۔ اور اس چالبازی میں اُن کا راہ نما و پیشوا عدو اللہ ابلیس ملعون ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اُس نے تقدیر کے ساتھ حجت جوئی کرتے ہوئے یہ کہا۔ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ (اے پروردگار جیسی تو نے (بنی آدم کی خاطر) میری راہ ماری۔ میں بھی دنیا میں (سازوسامانِ زندگی کو انہیں عمدہ کر دکھاؤں اور ان سب کو بہکاؤں تو سہی

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ نقلی اور عقلی دلیلوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مشرکین و کفار کا یہ قول لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا (اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دادا ایسا کرتے)، اور نیز یہ قول

Marfat.com

لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا عَبَدْ نَا مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ (اگر خدا چاہتا تو نہ تو ہم ہی اس کے سوا کسی کی پرستش کرتے اور نہ ہمارے بڑے (ہی کرتے) اور نیز یہ قول لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْ نَاھُمْ (خدائے) رحمٰن چاہتا تو ہم اُن کی پرستش نہ کرتے) صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ (اے پیغمبر) اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے اور یہ بھی ارشاد کیا ہے وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰ ھَا (ہم چاہتے تو ہر شخص کو (ایسی) سوجھ عنایت کرتے (کہ وہ سیدھے رستے پر آجاتا) تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو کاذب اور بے علم کیسے قرار دیا اور جس بات میں وہ سچے ہیں اس میں اُن کو یاوہ گو کیوں ٹھیرایا ہے۔ تمام اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو کوئی مشرک شرک۔ کوئی کافر کفر اور کوئی نافرمان اس کی نافرمانی نہ کرتا۔

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اُن کو اس لیے کاذب ٹھیرایا ہے۔ کہ انہوں نے یہ بات اللہ تعالیٰ کی تقدیر۔ ربوبیت۔ وحدانیت کے تسلیم کرنے اور اللہ سبحانہٗ کی طرف محتاج ہونے اور اس پر توکل کرنے اور اس سے مدد چاہنے کے طور پر نہ کہی تھی۔ اگر اسی طور پر کہتے تو بیشک اُن کا یہ کہنا صحیح اور سچا تھا۔ بلکہ انہوں نے یہ کلام شریعت سے معارضہ اور حکم الٰہی دفع کرنے کے لئے کہی تھی۔ شریعت اور حکم الٰہی کو قضاؤ قدر کے حیلہ سے دفع کرنا اور مٹانا چاہا تھا۔ جو لوگ احکام الٰہی کا تقدیر سے معارضہ کرتے ہیں۔ اُن سب کا یہی دستور ہے۔ اس کے علاوہ ان کی یہ غلطی ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے کہ کوئی چیز اس کی قدرت و مشیت و ارادہ سے باہر نہیں یہ سمجھ

Marfat.com

لیا کہ جن چیزوں سے اس کی مشیت و ارادہ متعلق ہیں وہ سب کی سب اس کی محبوب و پسندیدہ ہیں اور اُن کے استعمال کی اس کی طرف سے اجازت ہے۔ انہوں نے کئی طرح سے غلطی اور دھوکا کھایا۔ ایک تو تقدیر سے احکام الٰہی کا معارضہ کیا اور اس بہانہ سے ان کو مٹانا چاہا۔ دوسرے یہ کہ ان کی اس حرکت وفعل شنیع کو اللہ تعالیٰ محبوب و پسند رکھتا ہے کیونکہ یہ بھی اسی کی مشیت و ارادہ سے ہے تیسرے یہ کہ قضاء و قدر حیلے سے انبیاء کرام کی تبلیغ کو بیکار ٹھہرایا۔ بعد کے زمانے میں بھی بہت سے ایسے لوگوں نے اسی غلط خیال اور مسلک ضلال کو اختیار کیا ہے۔ جو تحقیق اور ہمہ دانی کا دم مارتے یا خود نہیں تو) لوگ انہیں محققین کے خطاب دیتے ہیں۔ انہیں کا یہ مقولہ ہے کہ عارف باللہ کو جب حکم الٰہی کا مشاہدہ حاصل ہو جائے تو (پھر وہ بظاہر کیسی ہی بد اطواری کرے) وہ قابل ملامت نہیں۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاری کے بعض کلمات پر غور کرنے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی مسلک کا آدمی ہے مگر خیر ہیں اللہ تعالیٰ نے اُسے اس بلا سے بچالیا۔ وہ اپنی کتاب منازل السائرین کے باب التوبہ میں لکھتا ہے کہ توبہ کے تین لطیفے ہیں۔ پہلا لطیفہ انسان ہر ایسے معاملہ میں جو حکم ایزدی کے خلاف ہو نہایت دقیق نظر سے دیکھے اور جب اُس کے سرزد ہونے کے اسباب موجود ہو جائیں تو رضائے الٰہی کو مقدم رکھے۔ اور اس سے باز آئے۔ انسان کو ایسے موقع پیش آنے میں اللہ تعالیٰ کی دو حکمتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اُس کا بندہ تقدیر کی نسبت کیا کہتا اور اپنی چال میں کسی پہلو کو لیتا ہے اور نیز اللہ تعالیٰ گنہگار کے مہلت دینے میں اپنے حلم اور اس کا عذر قبول کرنے میں اپنے کرم اور اس کے بخشنے میں اپنے فضل کو دیکھتا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ بندے پر اس کے عدل

Marfat.com

کی نسبت حجت قائم ہو تاکہ گناہ کرنے پر مورد عذاب ہو سکے۔

دوسرا لطیفہ۔ انسان اس بات کا یقین کرے کہ اللہ تعالےٰ جو سمیع و بصیر ہے اُس کی برائی پر باز پرس فرمائے گا۔ تو پھر اُس کی کوئی نیکی شمار میں نہ رہے گی۔ کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو دیکھ رہا ہے اور پھر نفس کے بُرے ارادوں پر چلتا ہے۔

تیسرا لطیفہ۔ جب انسان حکم الہٰی کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو نیکیوں کی خوبی اور بُرائیوں کی خرابی اُس کی نظر سے اٹھ جاتی ہے کیونکہ تمام چیزوں کو چھوڑ کر راز حکم کو پہنچ جاتا ہے۔

شیخ الاسلام کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ عارف کی نظر میں کوئی نیکی اچھی یا کوئی بدی بُری نہیں معلوم ہوتی۔ حالانکہ تمام آسمانی وبیوں اور شریعتوں کا مدار اسی پر ہے کہ نیک کاموں کو اچھا اور بُروں کو بُرا سمجھا جائے بلکہ عارف کو مشاہدہ حکم سے نیکوئی کو اچھا جاننے اور برائی کو بُرا سمجھنے میں اور زیادہ بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور جس قدر اللہ سبحانہٗ اس کے اسماء و صفات اور اس کے احکام کی معرفت زیادہ ہو گی۔ اُسی قدر وہ نیکی کے اچھا سمجھنے اور برائی کو بُرا جاننے میں ترقی کریگا۔ اور اس صفت میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام سے مشابہ و موافق ہو گا۔ اور اسماء حسنیٰ اور صفات بھی اسی کو چاہتے ہیں۔ شیخ الاسلام اس بات میں بالکل حکم الہٰی کے موافق چلتا تھا۔ حمیت دین اور حفاظت حدود شرعی کے لیے اور نیز خلاف شرع باتوں کے ظہور پر اس کا غضب اور جوش میں آنا اور دیگر ایسی ایسی کئی ایک خدمات دینی اس کی خاص و عام لوگوں میں مشہور ہیں۔ اور شیخ الاسلام کی پہلی کلام سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نیکی کے اچھا سمجھنے اور برائی کے بُرا جاننے میں نہایت راسخ قدم تھا کلام

Marfat.com

سابق اِس مضمون میں صریح اور محکم ہے اس کا کوئی دوسرا مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور اس اخیر کلام کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ اس لیے اس کا وہی معنی کیا جائے گا جو پہلے کلام کے موافق ہو۔

شیخ ابو العباس احمد بن ابراہیم واسطی نے جو کچھ اُس کی شرح میں لکھا ہے وہ نہایت صحیح اور اس سے چسپاں ہے۔ اُس نے فناء اور از خود رفتگی میں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے۔ کہ فناء اس کو کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی ہستی بندے پر ایسی غالب ہو کہ وہ اِس ہستی کے سامنے بالکل نیست و نابود اور اپنی ہستی سے بے خبر ہو۔ اور اللہ کی ہستی کا اُسے کامل و مضبوط یقین حاصل ہو۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُسے اللہ سبحانہ کی ذات و صفات کی نسبت ایسا کامل درجے کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کے سبب وہ تمام ما سوی اللہ سے ایسا بے خبر اور غافل ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض آدمی سخت مصیبت اور کڑے حادثے کے پیش آنے کے وقت سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شان دنیا میں سے کسی بڑے اور با سطوت بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اُس کی ہیبت اور دبدبے کے مارے بہت سی وہ باتیں جو اُسے معلوم تھیں بھول جاتا ہے۔ یہ مثال محض سمجھانے کے واسطے بیان کی گئی ہے۔ ورنہ شاہان دنیا کے سطوت و جلال کو سطوت و جلال کبریائی سے کیا نسبت ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جو شخص خدا کی وحدانیت کو پاتا اور سمجھتا ہے کہ وہ ایک اکیلا تھا اُس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اس کی عجیب کیفیت ہے وہ تمام چیزوں کو ذات باری کی ہستی کے سامنے معدوم اور خیالی سمجھتا اور جانتا ہے یہ صرف اس کی قدرت سے قائم ہیں (ورنہ اُن کی کوئی ہستی نہیں) یہ کیفیت تصفیہ باطن۔ احکام شرعی

Marfat.com

کی پوری پابندی اور اخلاق حسنہ میں کمال درجے کا ملکہ پیدا کرنے کے بعد کشف صحیح کے ذریعے قلوب میں پیدا ہوتی ہے اور یہ کچھ بعید نہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نفسانی خواہشوں کی میل کچیل سے پاک صاف فرما کر اس کے دل کے پردے کھول دیتا ہے جس سے وہ تمام چیزوں کی اصل حقیقت سمجھ لیتا ہے۔ غرض جب بندے پر مشاہدہ حقیقی اور روحانی کے وہ انوار ظاہر ہوں۔ جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے جلال کی طرف راہ نمائی کریں۔ تو اُس وقت بندے کی اپنی ہستی اس طرح نیست و نابود ہو جاتی ہے جیسے صبح آنے سے رات چلی جاتی ہے اور آدمی غفلت اور نیند کے بجائے کھانے پینے وغیرہ کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس حالت میں مالوف اور معتاد چیزوں کے خلاف بھی اسے کوئی چیز پیش آئے تو اس کی ایمانی قوت بڑھتی اور یقین ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ استغراق اور بیہوشی کی حالت میں اُس کا ایمان اس کے دل سے تمام چیزوں کو محو کر دیتا ہے اور بارگاہِ کبریائی میں اسے اپنی ہستی محض ایک خواب وخیال نظر آتی ہے۔ پھر جب ہوش میں آتا ہے تو تمام چیزوں کو ویسے ہی سمجھنے لگتا ہے جیسا پہلے ٹھیک سمجھتا تھا۔ اور بیخبری نہیں رہتی اور اپنی حالت پر درست ہو کر کاروبار میں مصروف ہوتا ہے اس حالت کو حالت بقا کہتے ہیں۔ اس حالت میں دنیا کی چیزوں کو کام میں لاتا ہے اور وہ کیفیت ایمان وایقان جو حالتِ فنا میں ان سے حاجت ہوئی تھی وہ اس وقت اُن سے مانع نہیں ہوتی۔ بندے کی پہلی عقل ایک نئے وجود کے لباس میں پھر لوٹ آتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اُس کے سب کام اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور بندے کو بجائے طالب ہونے کے اب مطلوب ہونے کا رتبہ حاصل ہوتا ہے حدیث صحیح میں اسی مرتبہ کی طرف اِشارہ فرمایا ہے کہ آدمی کو ایسا درجہ حاصل

Marfat.com

ہوتا کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے کان سے سنتا اور اس کی زبان سے بولتا ہے شیخ الاسلام
کی کلام کی یہ توجیہہ بھی ہو سکتی ہے کہ جیسے سلوک محبت میں فنا کا مرتبہ حاصل ہو
بقا ہوشیاری اور تمیز کا درجہ پانے سے پہلے اسی حالت میں اس کے قلب سے
زہد صبر اور ورع کے مقامات پوشیدہ رکھے جاتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کو ان مقامات کی ضرورت نہیں رہتی
اور بالکلیہ اُس سے اٹھائے جاتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ انوار الٰہی کے مشاہدے نے اُس کے دل کو ایسا
ڈھانپ لیا ہے۔ کہ اُس میں ان کی جگہ نہیں رہی اور جیسے کہ اعلیٰ درجہ حاصل ہونے
کے وقت ادنے درجہ اس کے ضمن میں آکر علیحدہ معلوم نہیں ہوتا اسی طرح
پر بھی ہستی حقیقی کے مشاہدہ میں مندرج و شامل ہو کر اس کے تابع ہو گئے۔ اور
عارف کا دل ادنے حالت سے اعلیٰ حالت میں مشغول ہو گیا۔ اس کی کیفیت
اس طور پر ہے کہ اگر ایسے شخص کے دل کو چیر کر دیکھا جائے۔ تو اس میں اعلیٰ
درجہ کا زہد۔ ورع۔ خوف و رجا نظر آئیں جو ہستی مطلق کے بیشمار انوار میں
مستور تھے اور قلب میں ان انوار کے ہوتے ان کے سمانے کی گنجائش نہ تھی
اور بقا ہوشیاری اور تمیز کی حالت میں پھر یہی مقامات عود کر آتے ہیں۔ یہ
سب کچھ اللہ کا فضل ہے کسی کی اپنی اختیاری بات نہیں۔ خلاصہ کلام جب یہ
باتیں ملحوظ ہوں تو شیخ الاسلام کے اس کلام (حکم الٰہی کے مشاہدہ سے نیکیوں
کی خوبی اور برائیوں کی خرابی بندے کی نظر سے اٹھ جاتی ہے کیونکہ وہ حکم کے
راز کو پہنچ جاتا ہے) کا مطلب حل ہو جائے گا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اللہ کے
حکم کی عظمت نے اس کے دل کو بھرا اور پُر کر دیا ہے۔ پس وہ یہ جانتا ہے
کہ تمام چیزوں میں اسی کا تصرف اور حکم ہے اور سب کی سب اسی کے حکم۔ تقدیر
اور ارادے سے صادر ہوتی ہے وہ مرتبہ جمعیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے اشیاء اور تمیز اور فرق کرنے
کے درجہ سے باہر ہو گیا ہے اس مرتبہ کو مرتبہ جمعیت اس لیئے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں
بندے کی نظر ہر ایک حکم کے متعلق جو صفحہ ہستی میں واقع ہو تمام

Marfat.com

چیزوں سے اُٹھ کر صرف اپنے مولے کی طرف لگ جاتی ہے۔ اور اس حکم کے ملاحظہ میں جس کے سبب سے تصرفات ظہور نہیں آتے ہیں۔ اس کا دل مجتمع و مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور دل کی ضعف و کمزوری کے باعث مرتبہ جمعیت حاصل ہونے کے وقت اُس میں یہ گنجائش نہیں رہتی کہ شرعی طور پر بھلے۔ بُرے میں تمیز کر سکے یعنی حسن و قبح میں تمیز کرنے کا علم اس علم میں اس طرح شامل و مندرج ہو گیا ہے کہ اُس کے ہوتے اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس کے دل سے بھلے بُرے میں تمیز کرنے کی کیفیت بالکل زائل ہو گئی ہے نہیں نہیں بلکہ وہ دوسرے علم میں جو اُس سے فائق ہے۔ اس طرح مندرج و شامل ہو گئی ہے۔ کہ اگر اُس کے دل کو کھول کر دیکھا جائے۔ تو ضرور اس کی تہ میں چھپی ہوئی نظر آئے۔

شیخ الاسلام کی کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال عباد کے لیے دو جہتیں ہیں۔
(۱) قضاؤ قدر اور اللہ تعالےٰ کے علم کا اُن سے متعلق ہونا۔ (۲) بندے سے ان کا صدور و ظہور۔ اور بندہ ان دونوں جہتوں کو ملاحظہ کرتا اور دیکھتا ہے ۔۔۔۔۔
انسان کا کمال تو یہ ہے کہ جب ایک جہت کو لحاظ کرے تو دوسری سے بے خبر نہ ہو۔ بلکہ اُسے چاہیئے کہ اللہ کی تقدیر و مشیت کے ملاحظہ کے ساتھ اپنے فعل طاعت یا معصیت کا بھی لحاظ کرے۔ خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور اپنی عبودیت پر نظر ڈالے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے قول لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ (یہ قرآن اُسی کو مفید ہے، جو تم میں سے سیدھے رستے پر چلنا چاہے اور وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے)، اور اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ وَمَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔۔ (قرآن (تو سرتاسر) نصیحت ہے تو جو چاہے اُس

Marfat.com

کو سوچے (سمجھے) اور بے مشیت الٰہی تو (یہ لوگ) سوچنے (سمجھنے) والے ہیں نہیں کا مضمون اُس کے دِل میں حاصل ہو سو کوئی آدمی تو ایسے ہیں اُن کے دل اتنے وسیع ہیں کہ دونو جہتوں کو مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر دو مشاہدے پوری طرح اُن میں سما جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے قلوب میں دونو مشاہدہ کے اجتماع کی اس لیے گنجائش نہیں ہوتی کہ وہ کمزور اور جو کیفیت اُن پر آتی ہے وہ قوی ہوتی ہے۔ عبودیت۔ کسب۔ طاعت و معصیت کی جہت ملاحظہ کرنے کے وقت قضاؤ قدر و حکم الٰہی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ گو اس کا انکار نہیں کرتے۔ سو ایسے شخص کا قلب صرف اُس کے اپنے فعل کے اثر اور شرعی حکم کے منشاء کو سمجھتا ہے اور جب حکم ازلی کی نسبت اس کا یقین درست ہے۔ تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ حکم ازلی اور سبقت قدر کے مشاہدہ میں مرتبہ عبودیت۔ اپنے فعل کسب۔ طاعت یا معصیت سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے بے خبر کہ بھلے برے کی تمیز کہاں انہیں سرے سے مطلقاً کسی کام کا پتہ ہی نہیں رہتا۔ لیکن جب ان کے دِل میں اُن کی بھلائی۔ بُرائی جاننے کا مادہ موجود ہے گو وہ مشاہدہ حکم ازلی کے غلبے کی وجہ سے اس وقت ظاہر نہیں ہوتا۔ تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔

غرضکہ دشمنان خدا کفار و مشرکین جو اُس کے ارادہ و تقدیر سابق سے امر و نہی کے باطل کرنے پر دلیل لاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ تعجب کی بات ہے کہ مخالفان شریعت کفار اور ان کے تابعدار یہ بات تو کہتے ہیں کہ ان کے تمام افعال خالق کی عین اطاعت ہیں۔ کیونکہ اس کے ارادہ سابق کے مطابق ہیں لیکن اگر کوئی شخص دنیاوی معاملات میں ان کے حقوق کا پاس نہ رکھے اور کوئی بات ان کی خلاف مرضی کرے۔ تو اس کی نسبت یہ نہیں کہتے کہ اس نے جو کچھ کیا ہے یہ عین طاعت ہے کہ مشیت و ارادہ خدا کے

Marfat.com

موافق کیسا ہے۔

تقدیر سابق سے امر و نہی کے باطل کرنے پر وہی شخص استدلال لاتا ہے جو نہایت جاہل و ظالم اور خواہش نفس کا پیرو ہو۔ اللہ سبحانہ کے کلام میں غور کرو کہ ایزد پاک نے کفار و مشرکین کے تقدیر و ارادہ و سابق سے امر و نہی کے ابطال پر استدلال لانے پر ان کا یہ قول (کہ اگر ہمارے کام اللہ کو پسند و محبوب نہ ہوتے تو ان کا وہ ارادہ نہ فرماتا) نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے (قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اے پیغمبران سے کہو کہ (تم ہارے اور) اللہ کی حجت (تم پر تمام ہوئی پھر اگر وہی چاہتا تو تم سب کو (دین حق کا) راستہ دکھا دیتا۔ سو اللہ نے بتلا دیا ہے کہ میں نے ان پر اپنی حجت اس طرح تمام اور پوری کی ہے کہ ان کے پاس اپنے رسول اور کتابیں بھیجیں۔ جنہوں نے اُن تمام چیزوں کو جو انہیں مضر و نافع تھیں بیان کر دیا۔ اور انہیں کان، آنکھیں۔ عقل سب کچھ عطا فرمایا۔ جس سے وہ اوامر و نواہی کو پہچان اور اُن پر ایمان لا سکتے تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ اُن پر پوری ہوئی۔ اور اُن کا فضول استدلال جو اُس کے ارادہ سابق و تقدیر سے پیش کرتے تھے باطل ٹھیرا اور جملہ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (پھر اگر وہی چاہتا تو سب کو (دین حق کا) رستہ دکھا دیتا) سے تمام حجت کی تاکید و تقریر مقصود ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ربوبیت۔ مُلک اور تصرف فی الخلق میں وہ یکتا ہے۔ اُس کے سوا نہ تو کوئی رب اور نہ اُس کے سوا کوئی دوسرا معبود ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ پھر مُشرک اُس کی بندگی میں جھوٹے معبودوں کو شریک ٹھیراتے ہیں۔ غرضکہ تقدیر و ارادہ سابق کے ثابت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ اُن پر پوری ہوتی ہے۔ سب کچھ اُسی کے ہاتھ و اختیار میں ہے اور اس کے سوا سب چیزیں باطل اور فانی ہیں۔ قضا و قدر اور ارادہ سابق توحید کے ثابت کرنے کے لئے بڑی زبردست دلیل ہے جیسے منکرین نے اپنے زعم میں

Marfat.com

شرک کی دلیل سمجھ لیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حجت کافی دوافی ہے اور اُن کی حجت فضول و بیکار۔

اب اصل مطلب کو بیان کرتے ہیں، کہ موسیٰؑ جیسے عارف باللہ اور اس کے اسماء و صفات کی حقیقت سمجھنے والے کے شان سے یہ بات نہایت بعید ہے کہ وہ اُس گناہ پر ملامت کریں جس سے گنا ہگار توبہ کر چکا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ہدایت بخش کر اپنا برگزیدہ و پسندیدہ و مقبول فرما لیا ہو۔ اور نیز آدمؑ جیسے عارف رب کے حال سے یہ امر بہت بعید ہے کہ وہ قضاؤ قدر سے گناہ و نافرمانی پر استدلال لائیں۔ بلکہ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ موسیٰ نے آدمؑ کو اُس مصیبت پر ملامت فرمائی جو آدمؑ کے خطا کی وجہ سے اُن کی اولاد کو بہشت سے نکلنے اور دنیا میں آنے سے جو مصیبتوں اور تکلیفوں کا گھر ہے پیش آئی۔ سو موسیٰؑ نے خطا کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ اس مصیبت کا سبب تھا۔ جو اُن کی اولاد کو پیش آئی۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ اے آدمؑ آپ نے ہمیں اور خود اپنے آپ کو بہشت سے باہر کیا۔ اور ایک روایت میں ہے آپ نے ہمیں نقصان پہنچایا اور آدمؑ نے تقدیر سے مصیبت پر استدلال پیش کیا اور کہا کہ یہ مصیبت جو میرے خطا کی وجہ سے پیش آئی۔ میرے مخلوق ہونے سے پہلے اللہ کی تقدیر میں لکھی گئی تھی۔ وقوع مصائب پر یہ عذر و استدلال صحیح ہے اور معاصی و جرائم میں درست نہیں۔ آدمؑ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ آپ مجھے اُس مصیبت پر ملامت کرتے ہیں۔ جو مجھ پر اور تم سب پر میری پیدائش سے اتنے اتنے سال پیشتر مقدر ہو چکی تھی۔ یہ جواب ہمارے اُستاد نے دیا ہے۔ دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہ کے لیے تقدیر کو حجت بنانا بعض موقع میں نافع اور درست ہے اور بعض موقع میں مضر اور ناجائز ہے۔ جب گناہ کے صدور کو توبہ کرنے اور اس سے باز آنے کے بعد تقدیر کے حوالہ کرے۔ جیسا آدمؑ نے کیا تو یہ مفید اور درست ہے۔ کیونکہ اس میں تقدیر، توحید اور

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی معرفت و ذکر پائے جاتے ہیں۔ جو معذرت کرنے والے اور سامع دونوں کو نافع ہیں۔ اور اس سے کسی امر و نہی کا مٹانا اور شریعت کا باطل ٹھیرانا مقصود نہیں، بلکہ اظہار توحید اور اپنی طاقت و قوت سے برأۃ ظاہر کرتے ہوئے محض حق بتلانا مطلوب ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ آدمؑ نے موسیٰؑ سے صرف یہی کہا، کہ اے موسیٰؑ آپ مجھے اس کام کے کرنے پر ملامت کرتے ہیں۔ جو میری پیدائش سے پہلے مجھ پر مقدر ہو چکا تھا۔ سو جب کسی آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ اور وہ اس سے توبہ کرے اور اسے بالکل چھوڑ دے پھر اگر کوئی اسے ملامت کرے تو اس وقت یہی مناسب ہے کہ تقدیر کے حوالہ کرے اور کہے کہ یہ کام میری پیدائش سے پہلے مجھ پر مقدر ہو چکا تھا۔ اِس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ اس سے ابطال حق و اثبات باطل مقصود نہیں۔ موجودہ زمانے یا آئندہ میں جو گناہ ہوں ان کو تقدیر کے حوالے کرنا درست نہیں، مثلاً یہ جائز نہیں کہ کسی حرام کا مرتکب یا کسی فرض کا تارک رہے اور جب اسے کوئی ملامت کرے تو تقدیر کو بہانہ ٹھہرائے اور اس سے ناجائز کو جائز اور حق کو باطل قرار دے۔

چنانچہ وہ لوگ جو شرک اور عبادت غیر اللہ پر مصر تھے۔ انہوں نے یہی شیوہ اختیار کیا اور کہا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا (اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے) اور وَلَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰھُمْ (اگر رحمٰن چاہتا تو ہم انکی پرستش نہ کرتے) سو انہوں نے اپنے کام کو صواب سمجھ کر تقدیر کا بہانہ بنایا۔ اپنے کرتوت پر نادم کہاں اسکے چھوڑنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے اور نہ اس کی خرابی کا اعتراف کیا۔ اُن کی بہانہ جوئی و حجت بازی اور اس شخص کی معذرت میں جو اپنے گناہ پر واقف اور نادم ہوا اور آئندہ اس کے نہ کرنے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا زمین و آسمان کا فرق یہ ہے ایسے شخص کو جب کوئی ملامت کرے تو اسے یہی کہنا چاہیئے جو کچھ ہو چکا تقدیر میں مقدر تھا۔

Marfat.com

خلاصہ مسئلہ یہ ہے کہ جب ملامت کا موقع نہ رہے اور اس سے کچھ فائدہ نہ ہو تو تقدیر سے احتجاج کرنا درست ہے۔ اور جب ملامت کرنے سے کچھ نفع ہو۔ کر جسے ملامت کرتا ہے وہ نیکی یا بدی ترک کر دے، تو اس صورت میں تقدیر سے بہانہ جوئی کرنا درست نہیں۔

شبہ۔ حضرت علیؓ نے قیام لیل نہ کرنے پر تقدیر سے احتجاج کیا اور آنحضرتؐ نے اسے جائز رکھا جیسا کہ حضرت علیؓ سے یہ روایت صحیح منقول ہے۔ کہ ایک رات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم (رات) نماز تہجد نہیں پڑھتے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں میں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ ہماری جانیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ سو جب وہ (نماز کے لیے) اٹھانا چاہے گا۔ تو نماز کے لیے) اٹھا دیگا۔ جب میں نے یہ کہا۔ تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور مجھے کچھ نہ کہا جب آپ واپس جا رہے تھے۔ تو اپنی ران پر ہاتھ مارتے اور میں نے سنا کہ یہ کہتے جاتے تھے وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ٥ انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے)۔

جواب۔ حضرت علیؓ نے تقدیر سے کسی فرض کے ترک یا حرام کے ارتکاب پر احتجاج نہیں کیا۔ اُن کا مطلب صرف یہ تھا کہ میری اور فاطمہؓ کی جان اللہ کے ہاتھ میں ہے، سو جب وہ بیدار کرنا چاہے گا تو اٹھا دے گا (اور ہم نماز پڑھ لیں گے، حضرت علیؓ کا یہ مقولہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس قول کے موافق جو آپ نے اس وقت فرمایا تھا۔ جب جنگل میں سو گئے۔ اور صبح کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر چاہا ہماری جانوں کو اپنے قبضہ میں (نیند میں) رکھا اور جب چاہا انہیں واپس کر دیا (بیدار کر دیا) تقدیر سے اس طرح احتجاج کرنا صحیح اور ایسا کرنیوالا معذور رہے۔ جو شخص نیند میں ہو اور اس سے کوئی غلطی ہو جائے

Marfat.com

تو یہ غلطی دیدہ و دانستہ قصور نہیں، اور جو دیدہ و دانستہ قصور نہ کرے تقدیر سے اس کا احتجاج کرنا صحیح ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع میں جہاں تقدیر سے احتجاج کرنا مفید ہو احتجاج بالقدر کی تعلیم فرمائی ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح روایت میں بروایت ابو ہریرہؓ لائے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگرچہ سب ایمان والے اچھے ہیں لیکن ایمان والا قوی آدمی اللہ کے یہاں کمزور مومن سے بہتر اور زیادہ پسندیدہ و محبوب ہے جو چیز تمہیں نافع ہو اس کی حرص کر۔ اور ہر کام میں خدا تعالیٰ سے مدد مانگ اور عاجز نہ ہو۔ اور اگر کوئی تکلیف پیش آئے تو یہ مت کہو اگر میں ایسا ایسا کرتا تو یہ بات پیش نہ آتی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کے موافق جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، کلمہ لو (اگر) کہنا فعل شیطانی (میں واقع ہونے) کا ذریعہ ہے۔

یہ حدیث ایمان کے بہت سے ضروری اصول پر شامل ہے (۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ صفت محبت سے موصوف ہے اور وہ حقیقۃً محبت فرماتا ہے۔ (۲) یہ کہ وہ اُن چیزوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کے اسمائے پاک وصفات کے منشار کے مطابق و موافق ہوں سو وہ خود قوی ہے اور مومن قوی کو دوست رکھتا ہے اور وہ وتر (طاق) ہے اور کام کو طاق بار کرنا پسند فرماتا ہے۔ وہ جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے وہ علیم ہے اور علماء سے اُسے محبت ہے۔ وہ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ مومن اُس کے اسماء میں سے ہے لہذا مومنین سے اُسے محبت ہے۔ وہ محسن ہے محسنین کو چاہتا ہے وہ صابر ہے۔ صابرین سے محبت رکھتا ہے وہ شاکر ہے اور شاکروں کو دوست رکھتا ہے (۳) یہ کہ مومنین کے ساتھ اُس کی محبت یکساں نہیں بلکہ بعض سے کم اور بعض کے ساتھ زیادہ ہے۔ (۴) یہ کہ انسان کی سعادت اس میں منحصر ہے کہ وہ ان چیزوں کی حرص رکھے

Marfat.com

جو اُسے معاش اور معاد دونوں میں نافع و مفید ہوں۔

حرص لغت میں کسی چیز کی طلب میں طاقت اور وسعت کو پوری طرح خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ سو جب حریص اپنی کار آمد اور مفید چیز کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تو اس کی حرص محمود ہو گی۔ انسانی کمال کا راز بھی دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ حریص ہو۔ دوم یہ کہ اُن چیزوں کا حریص ہو جو اُسے مفید ہوں۔ اگر بیفائدہ چیزوں کی حریص کی یا اُن چیزوں کو جو اس کے لیے نافع ہیں بغیر حرص حاصل کیا۔ تو وہ کمال کو نہیں پہنچے گا پس تمام بھلائی اور کامیابی کا مدار نافع چیزوں کی حرص پر ہے۔ اور چونکہ انسان کی حرص اور نیز دیگر افعال خداوند تعالیٰ کی مدد مشیت اور توفیق کے بغیر ظہور میں نہیں آسکتے۔ اس لیے آنحضرتؐ نے اس حدیث میں جناب ایزد پاک سے مدد چاہنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ تاکہ آدمی کو اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اے خدا ہم تیری عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کا مرتبہ حاصل ہو۔

مفید چیزوں کی حرص کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پورا حریص اور سرگرم رہے یہی ایک چیز ہے جو انسان کو کار آمد اور نافع ہے اور یہ اللہ کی مدد بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے حدیث کے ان دونو جملوں میں۔ مفید چیزوں کی حرص کر اور خدا سے مدد مانگ، اس بات کا ارشاد ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس سے مدد چاہے۔ پھر عاجز ہونے سے منع فرمایا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ عاجزی مفید چیزوں کی حرص اور استعانت باللہ کے منافی و مخالف ہے تو جو شخص نافع چیزوں کا حریص کا اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہنے والا ہو گا۔ وہ عاجز کے برخلاف ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو حصول مقصود کے لیے اس چیز کی تعلیم فرمائی ہے۔ جو اس کے حصول کے نہایت مضبوط بھاری اور قوی

Marfat.com

ترین ذرائع سے ہے یعنی اس چیز کی حرص کرنا اور اُس کے ساتھ ہی اس مالک سے مدد چاہتا جو تمام امور کی باگ اپنے مبارک ہاتھ میں لیے ہے اور جو سب چیزوں کو نیستی سے ہستی میں لانا اپنے اور سب کا مال اُسی کی طرف ہے۔ اگر کسی کو وہ چیز نہ ملے جو اس کے لیے مقدر ہے تو اس کی دو حالتیں ہیں اول یہ ہے کہ انسان خیال کرے۔ کہ میں اُس کے حاصل کرنے سے عاجز رہا یہ شیطانی افعال میں پڑجانے کا ذریعہ ہے کیونکہ عاجز ہو کر کہے گا اگر ایسا ایسا کرتا تو کامیاب ہوتا۔ سو ایسا کہنے سے اب سوائے اس کے کیا فائدہ ہے کہ اپنے آپ کو ملامت کرے بیقراری غم واندوہ میں مبتلا اور اپنے آپ سے بیزار ہو سو یہ سب شیطان کے کرتوت ہیں۔ اسی لیے سرورِ کائنات ؐ نے اس چیز سے جو اُن امور کی طرف ذریعہ ہوتی ہے اجتناب و پرہیز کرنے کا حکم دیا اور دوسری حالت کی طرف متوجہ ہونے کا ارشاد فرمایا کہ تقدیر پر غور کرے اور یہ سمجھے کہ اگر میرے مقسوم میں ہوتی تو وہ میرے ہاتھ سے کبھی نہ جاتی اور اس سے کوئی شخص مجھے روک نہ سکتا۔ پس ناکامی کی حالت میں تقدیر پر غور کرنے اور مشیت ایزدی پر نظر ڈالنے سے جس سے سب چیزوں کا وجود اور عدم وابستہ ہیں۔ کوئی چیز زیادہ نافع و مفید نہیں اسی واسطے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اگر تجھ پر کوئی چیز غالب آجائے تو یہ مت کہو اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا۔ بلکہ یوں کہا کر کہ اللہ کی تقدیر میں یہی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے وہ چیز بتلائی ہے جو کامیابی اور ناکامی دونو حالتوں میں نافع اور مفید ہے اسی لیے اس حدیث کا مضمون ہر وقت انسان کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس حدیث سے تقدیر کسب، اختیار، قیام بافعال اور عبودیت ظاہراً و باطناً دونوں حالتوں حصول مطلوب اور عدم حصول میں ثابت ہوتے ہیں۔

Marfat.com

چوتھا باب

تیسری تقدیر یعنی ماں کے پیٹ میں بچے کی شقاوت و سعادت، رزق، عمر، عمل اور وہ تمام امور جو اُسے پیش آئینگے اُنکے مقدر ہونے اور اس باب کے متعلق جس قدر حدیثیں آئی ہیں اُن کے جمع و تطبیق کے بیان میں

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہا کہ ہم سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صادق و مصدوق ہیں بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی خلقت اس طرح ہوتی ہے کہ ماں کے پیٹ میں پہلے چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے۔ پھر چالیس روز خون بستہ پھر گوشت کا ٹکڑا اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا اور چار چیزوں کے لکھنے کا اُسے حکم ہوتا ہے انہیں لکھ دیتا ہے یعنی رزق، عمر، عمل۔ اور یہ کہ وہ شقی یا سعید ہوگا۔ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم میں سے ایک آدمی ایسا ہے کہ وہ عمر بھر اہلِ جنت کا کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے یعنی جنت سے بہت نزدیک ہو جاتا ہے) تو اس پر اُسکی نوشت غالب آجاتی ہے اور وہ دوزخیوں کا کام کر بیٹھتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اور (اس کے برعکس)

Marfat.com

تم میں سے ایک ایسا ہے جو عمر بھر دوزخیوں کا کام کرتا رہتا ہے مگر دوزخ کے اور اس کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو نوشت غالب آجاتی ہے اور وہ اہلِ جنت کا کام کر لیتا اور بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اِس حدیث کو امام بخاری و مسلم دونو نے روایت کیا ہے۔

حذیفہ بن اسید سے مرفوعاً مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس یا پینتالیس رات ٹھہر چکتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آکر کہتا ہے اے اللہ یہ شقی ہوگا یا سعید۔ پھر (جو کچھ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ) لکھا جاتا ہے پھر پوچھتا ہے یہ مرد ہوگا یا عورت اور جو حکم ہو لکھ دیا جاتا ہے۔ اور اُسی وقت اس کے تمام عمل۔ نشان۔ قدم۔ عمر اور رزق سب لکھ لئے جاتے ہیں اور وہ نوشت لپیٹ دی جاتی ہے کہ پھر اس میں کمی یا بیشی نہیں ہوتی۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

عامر بن واثلہ سے روایت ہے انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ فرماتے سنا کہ شقی وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں شقی ٹھہرا۔ اور سعید وہ ہے جسے دوسرے سے عبرت حاصل ہو۔ پھر عامر حذیفہ بن اسید غفاری کے پاس (جو رسول خداؐ کے صحابہ میں سے ہیں) آئے اور اُن سے ابن مسعودؓ کا یہ قول بیان کیا اس پر حذیفہ بولے کہ کوئی آدمی عمل کئے بغیر شقی (یا سعید) کیسے ہو سکتا ہے تو ایک شخص نے اُن سے کہا آپ اس سے متعجب کیوں ہوتے ہیں۔ میں نے رسول خداؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب نطفے پر بیالیس راتیں گذر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی صورت کان۔ آنکھ۔ گوشت پوست اور ہڈیاں بناتا اور یہ کہتا ہے کہ اے اللہ یہ نر ہے یا مادہ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے موافق حکم دیتا ہے اور فرشتہ اسے لکھ لیتا ہے اور پوچھتا ہے

Marfat.com

اے رب اس کی روزی کس قدر ہے اس کو بھی حکمِ الٰہی کے مطابق تحریر کرتا اور اس نوشت کو اپنے ہاتھ میں لے کر چلا جاتا ہے اور ذرہ بھر اس میں کمی و بیشی نہیں کرتا۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب نطفہ چالیس رات تک رحم میں ٹھیرتا ہے تو اس پاس ایک فرشتہ آتا۔ زہیر بن معاویہ جو اس سند میں ایک راوی ہے) نے کہا ہے میرا خیال ہے کہ میرے اُستاد نے یہ لفظ کہا ہے کہ وہ فرشتہ آتا جو اس کی خلقت بناتا اور کہتا ہے۔ اے رب یہ نر ہے یا مادہ تو اللہ تعالیٰ اسے نر یا مادہ ٹھیراتا ہے۔ وہ پھر پوچھتا ہے، اے اللہ یہ صحیح الخلقۃ ہوگا یا ناقص تو اللہ تعالیٰ اُس کا بھی فیصلہ کر دیتا ہے اس کے بعد وہ پوچھتا ہے اے اللہ اس کی روزی اور عمر کیا ہو گی، اور اخلاق کیسے ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی سعادت یا شقاوت (عمر وغیرہ) مقرر فرما دیتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رحم پر ایک فرشتہ موکل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے کوئی چیز پیدا کرنی چاہتا ہے تو وہ قریبًا چالیس رات کے بعد آگے وہی مضمون جو اوپر گذرا ہے، اس حدیث کے جمیع طرق کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اُنس بن مالک سے روایت ہے کہا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ عز و جل نے رحم پر ایک فرشتہ موکل فرمایا ہے وہ کہتا ہے اے رب اس وقت نطفہ ہے۔ اے اللہ اب خون بستہ ہے۔ اے رب اس وقت گوشت کا ٹکڑا ہو گیا ہے اگر اللہ تعالےٰ کے ارادے میں اُس کی پیدائش مقدر ہو تو فرشتہ کہتا ہے اے رب یہ نر ہوگا یا مادہ۔ شقی ہوگا یا سعید، اور اس کا

Marfat.com

رزق اور عمر کیا ہے سو یہ سب باتیں شکم مادر میں لکھی جاتی ہے اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت ہے۔

اور ابن وہب نے کہا ہے مجھ سے یونس نے بیان کیا وہ ابن شہاب سے روایت ہے کہ سعید بن عبدالرحمن بن ہنیدہ نے اُن سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی جی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ فرشتہ جو رحم پر مُوکل ہے۔ کہتا ہے اے رب یہ نر ہوگا یا مادہ اللہ تعالیٰ (اپنی مشیت کے موافق) اس میں حکم دیتا ہے فرشتہ پھر پوچھتا ہے اے رب یہ شقی ہوگا یا سعید اللہ تعالیٰ اس کا بھی فیصلہ کرتا اور فرشتہ اس کی پیشانی پر کچھ اُسے پیش آئے گا۔ یہاں تک کہ جو اُسے ٹھوکر لگے گی سب لکھ دیتا ہے۔

ابن وہب نے کہا ہے مجھ سے عبداللہ بن لہیعہ نے بیان کیا وہ بکر بن سوادہ جدامی سے وہ ابو تمیم جیشانی سے وہ ابو ذرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے کہ جب نطفے کو رحم میں ٹھیرے ہوئے چالیس راتیں ہو جاتی ہیں تو فرشتہ ارواح خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں آکر عرض کرتا ہے۔ اے رب یہ تیرا بندہ نر ہوگا یا مادہ تو اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ فرشتہ پھر پوچھتا ہے شقی ہوگا یا سعید۔ اُس کے بعد جو کچھ اُسے پیش آنا والا ہے سب لکھ دیتا ہے (اور بقیہ حدیث کو روایت مذکور کے موافق ذکر کیا ہے)، ابن وہب نے کہا ہے مجھ سے ابن لہیعہ نے بیان کیا وہ کعب بن علقمہ سے وہ عیسےٰ سے وہ ہلال سے وہ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں انہوں نے مرفوعاً کہا ہے کہ جب نطفہ رحم میں چالیس رات ٹھیرتا ہے تو اُس کے پاس ایک فرشتہ آتا اور اُسے لے کر خدا کی بارگاہ میں جاتا اور کہتا ہے اے احسن الخالقین اسے مخلوق [illegible] ما۔ تو اللہ تعالےٰ جو چاہتا

Marfat.com

ہے حکم فرماتا ہے۔ پھر وہ نطفہ فرشتے کے حوالے کیا جاتا ہے۔ تو اس وقت فرشتہ پوچھتا ہے اے رب یہ ناتمام رہے گا یا تام الخلقۃ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا جواب بیان فرماتا ہے۔ فرشتہ پھر پوچھتا ہے اے رب ایک ہوگا یا جوڑہ۔ اللہ تعالیٰ اُس کا جواب بھی بیان فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے اس کے خلق اور رزق کا بھی فیصلہ فرماوے۔ تب اللہ تعالیٰ دونوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ ہر ایک کو وہی رزق ملتا ہے جو اس کے لئے اُس روز مقسوم ہوا۔ جب اُسے کھا چکتا ہے تو مر جاتا ہے

عبداللہ بن احمد نے کہا ہے ہم سے علاء نے بیان کیا۔ کہا ہم سے ابوالاشعث نے بیان کیا کہا ہم سے ابو عامر نے بیان کیا وہ زبیر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہا کہ مجھ سے جعفر بن مصعب نے بیان کیا کہا کہ میں نے عروہ بن زبیر سے سنا وہ حضرت عائشہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی جی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے وہ رحم میں داخل ہو کر کہتا ہے اے رب یہ کیا ہوگا۔ تو اللہ لڑکے یا لڑکی کو یا رحم میں جو کچھ پیدا کرنا چاہے معین فرما دیتا ہے پھر کہتا ہے اے رب شقی ہوگا یا سعید تو اللہ تعالیٰ اُس کی بھی تعیین کر دیتا ہے پھر کہتا ہے اے رب اُس کی عمر کیا ہوگی تو اللہ یہ بھی بتا دیتا ہے۔ پھر کہتا ہے سکی خلقت اور عادات کیسے ہوں گے اللہ تعالیٰ یہ سب بیان فرما دیتا ہے اور اُس کی ہر ایک چیز اس کے ساتھ ہی رحم میں پیدا کی جاتی ہے۔

مسند میں اسماعیل بن عبیداللہ بن ابی المہاجر کی روایت سے آیا ہے۔ کہ ام درداء نے اُن سے بیان کیا وہ ابو درداء سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل ہر ایک بندے کی پانچ

Marfat.com

چیزیں یعنی عمر، رزق، جائے قبر، کہاں کہاں چلے گا اور شقی ہو گا یا سعید پہلے سے مقرر فرما چکا ہے۔

ابن حمید نے کہا ہے ہم سے یعقوب بن عبداللہ نے بیان کیا وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں آتا ہے تو چار ماہ اور دس روز ٹھیرنے کے بعد اس میں روح ڈالی جاتی ہے پھر چالیس راتیں گزرنے پر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے سو وہ اُس کی گدّی پر ہاتھ مارتا اور لکھتا ہے کہ شقی ہو گا یا سعید۔

ابن ابی خثیمہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن بن مبارک نے بیان کیا کہا کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا وہ ایوب سے وہ محمد سے وہ ابوہریرہؓ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ سعید وہ ہے جو شکم مادر میں سعید ہوا۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے باب القدر میں عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے جسے وہ حماد سے وہ ہشام بن حسان سے وہ محمد مذکور سے روایت کرتے ہیں۔

احمد بن عبداللہ نے کہا ہے کہ ہم سے علی بن عبداللہ بن میسر نے بیان کیا کہا ہمیں عبدالحمید بن بیان نے بتلایا کہا ہم سے خالد بن عبداللہ نے بیان کیا۔ وہ یحییٰ بن عبداللہ سے وہ اپنے باپ سے وہ ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شقی وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں شقی ٹھیرا اور سعید وہ جسے شکم مادر میں سعادت نصیب ہوئی۔

سعید نے کہا ہے وہ ابواسحاق سے وہ ابوالاحوص سے وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ شقی وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں شقی ہوا اور سعید وہ جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے۔

Marfat.com

شعبہ نے کہا ہے وہ مخارق سے وہ طارق سے وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے زیادہ سچی کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب طریقوں میں اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں نئے پیدا ہوں۔ سو آنحضرت کے طریقہ پر چلو اور بدعت سے بچو۔ بیشک شقی وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں شقی ٹھیرا۔ اور سعادتمند وہ جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے اور سب سے بُری روائتیں وہ ہیں جو جھوٹی ہوں اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں نئے پیدا ہوں اور جو چیز آنے والی ہے وہ نزدیک ہے ان سب حدیثوں کو ابوداؤد نے باب القدر میں روایت کیا ہے۔ اور طبری نے اس حدیث کو ابواسحاق سے اُس نے ابوعبیدہ سے اس نے ابوالاحوص سے اس طرح روایت کیا ہے کہ عبداللہ ہر خمیس کے روز آتے اُن کا دستور تھا کہ کھڑے ہو کر وعظ کہتے وعظ میں بیٹھتے نہیں تھے اور فرماتے کہ کلام کی صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) سب طریقوں سے بہتر محمدؐ کا طریقہ ہے (۲) سب سے زیادہ سچی کلام اللہ کی کتاب ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں بلاسند ایجاد کئے جائیں۔ دین میں جو بات بلاسند ایجاد کی جائے وہ گمراہی ہے۔ بیشک شقی وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں شقی ٹھیرا اور بلاشبہ سعادتمند وہی ہے جسے دوسرے سے عبرت حاصل ہو۔ خبردار کہیں درازی عمر کی ہوس اور طلب دنیا کی آرزو تمہیں آخرت سے غافل نہ کرے۔ جو چیز آنیوالی ہے وہ قریب ہے دور وہی چیز ہے جس کے آنے کی امید نہیں۔ سب سے بُرے آدمی وہ ہیں جو دن میں بیکار اور رات کو مردوں کی طرح سورہیں۔ بیشک مومن کو جان سے مار ڈالنا کفر اور اسے گالی دینا گناہ ہے۔ کسی مسلمان کو یہ روا نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک کلام کرے۔ خبردار سب سے بُری روائتیں وہ ہیں جو جھوٹی ہوں۔ جھوٹ ہرگز درست نہیں خواہ وہ واقعی جھوٹ ہو یا دل لگی سے ہو۔ اور یہ بھی نہ چاہیئے کہ آدمی اپنے دوست

Marfat.com

سے وعدہ کر کے پھر اُسے پُورا نہ کرے۔ جھوٹ بدی کا راہ نما ہے اور بدی دوزخ کو لے جاتی ہے۔ سچائی نیکی کا پیشوا ہے اور نیکی جنت میں پہنچاتی ہے راست گو لوگ سچا اور نیک اور دروغگو کو جھوٹا اور بدکار کہتے ہیں۔ بیشک میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ بندہ اگر سچ کہتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک صدیق (بڑا سچا) اور اگر جھوٹ بولتا ہے۔ تو بڑا جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ سنو تمہیں معلوم ہے کہ غصّہ کیا چیز ہے یہ وہ چغلخوری کی خصلت ہے جس سے لوگوں کے درمیان فساد ڈالا جائے۔ یہ حدیث عبداللہ سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔ امیر معاویہؓ کو خبر ملی۔ کہ اُن کے مکان میں وباء کی شدت ہے۔ تو کہنے لگے کہ اگر ہم ان لوگوں کے مکان کو بدل دیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر ابو داؤدؓ نے ان سے کہا اے معاویہ آپ اُن جانوں کو جن کی موت آچکی ہے کیسا بچا سکتے ہیں اتنی بات پر وہ ابو درداء سے ناراض ہو گئے تو کعب نے کہا اے معاویہ آپ اپنے بھائی ابو درداء سے ناراض نہ ہوں (وہ سچ کہتے ہیں)، بیشک اللہ سبحانہ نے کوئی جی ایسا نہیں پیدا کیا۔ کہ جب اُس کا نطفہ چالیس رات رحم میں ٹھیر چکے۔ تو اس کی خلقت خلق۔ عمر اور رزق نہ لکھدیا ہو۔ ہر ایک جاندار کے واسطے ایک سبز پتّا مقرر ہے جو عرش کے ساتھ لٹک رہا ہے۔ جب اُس کی موت قریب آجاتی ہے تو وہ پتا پورانا ہو کر خشک ہو کر گر جاتا ہے جب وہ پتا گرتا ہے تو وہ جاندار چیز بھی مرجاتی اور اس کی عمر اور رزق ختم ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے محمود بن خالد سے اس طرح روایت کیا ہے کہ ہم سے مروان نے بیان کیا۔ کہا ہم سے معاویہ بن سلام نے بیان کیا کہا مجھ سے میرے بھائی زید بن سلام نے بیان کیا وہ اپنے دادے ابن سلام سے روایت کرتے کہ معاویہ کو یہ خبر ملی الخ۔ ابو داؤد نے کہا ہم سے واصل بن عبدالاعلی نے

Marfat.com

بیان کیا کہا ہم سے ابن فضیل نے بیان کیا وہ حسن بن عمرو فقیمی سے وہ حکم سے وہ مجاہد سے آیت وَکُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیۡ عُنُقِهٖ (اور ہم نے ہر آدمی کی برائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کر کے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے) کی تفسیر میں اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ہر ایک بچے کے گلے میں ایک پروانہ ڈالا جاتا ہے جس میں اس کی شقاوت یا سعادت مرقوم ہوتی ہے۔

صحیحین میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا وہ پہلے دن ہی کافر پیدا ہوا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے کفر و شرارت سے والدین کو تنگ کرتا۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہا کہ قبیلۂ انصار میں ایک لڑکا فوت ہوا تو میں نے اس کے حق میں کہا اسے خوشی ہے کہ یہ ایک جنت کی چڑیا ہے۔ اس نے کوئی برائی نہیں کی اور نہ برائی کرنے کے وقت کو پایا اس پر آپ نے فرمایا۔ اے عائشہؓ داس کا یقین نہیں ہو سکتا، شاید ایسا نہ ہو اللہ تعالیٰ نے کئی آدمیوں کو ان کے پیدا ہونے سے پہلے جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے۔ اہل جنت ٹھیرایا ہے۔ یہ حدیث سمرہ بن جندب کی اُس حدیث سے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مشرکین کے بچوں کو ابراہیم کے پاس باغ جنت میں دیکھا معارض نہیں کیونکہ جیسے بالغ آدمی دو طرح پر ہیں۔ اسی طرح بچے بھی بعضے شقی اور بعضے سعید ہیں۔ جن بچوں کو آنحضرتؐ نے ابراہیم کے پاس دیکھا تھا وہ مشرکین اور مسلمانوں کے اہل سعادت بچے تھے۔ عائشہؓ کو ایک خاص بچے کے حق میں یہ شہادت دینے سے کہ وہ جنت کی چڑیا ہے منع فرمایا۔ ان سب احادیث و آثار سے یہ تو بالاتفاق ثابت ہوتا ہے کہ جب آدمی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسی وقت اس کا رزق

Marfat.com

عمر۔ اور شقاوت یا سعادت مقدر ہو جاتے ہیں لیکن اس تقدیر کے وقت میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ پہلی دو تقدیروں کے بعد یہ تیسری تقدیر ہے یعنی سب سے اول وہ تقدیر ہے جو آسمان زمین کی پیدائش سے پہلے ہوئی۔ اس کے بعد دوسری تقدیر اس وقت ہوئی جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور ان کی اولاد کو اُن کی پشت سے نکالا۔ اور یہ تیسری تقدیر ہے۔

ابن مسعودؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نطفے کو رحم میں ٹھہرے ہوئے ایک سو بیس روز گذر جاتے ہیں۔ تو اس وقت یہ چیزیں رزق۔ عمر وغیرہ مقدر ہوتی ہیں۔ اور انسؓ کی حدیث میں کسی وقت کی تعیین نہیں۔

حذیفہ بن اسید کی حدیث میں ہے۔ کہ یہ تقدیر (قرار نطفہ سے) چالیس روز بعد ہوتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں چالیس رات اور ایک میں بیالیس اور ایک میں تنتالیس رات آیا ہے اس حدیث کو صرف امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اسے روایت نہیں کیا۔ بہت لوگوں نے اِن دونو حدیثوں کو متعارض سمجھا ہے لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جو فرشتہ نطفے پر مؤکل ہے اُس کا کام یہ ہے کہ چالیس روز کے بعد جو کچھ اللہ تعالیٰ مقدر فرماتا ہے وہ تحریر کرتا ہے اور نطفہ اس وقت دوسری حالت یعنی خون بستہ میں آتا ہے اور وہ فرشتہ جو رُوح پھونکنے پر مقرر ہے وہ چار ماہ کے بعد رُوح پھونکتا ہے اور اسی وقت اُسے اُس کا رزق۔ عمر۔ عمل اور شقاوت یا سعادت لکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ اور یہ اُس تقدیر کے علاوہ ہے جو اُس فرشتے نے لکھی تھی۔ جو نطفہ پر مؤکل ہے اسی واسطے ابن مسعودؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ پھر نطفے کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا اور اسے چار چیزیں لکھنے کا

Marfat.com

حکم دیا جاتا ہے اور وہ فرشتہ جو نطفے پر مؤکل ہے وہ تو ہمیشہ اُس کے ساتھ اور اللہ کے حکم سے اُسے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ابتدائی خلقت یعنی خون بستہ کی حالت میں آئے اس وقت اللہ سبحانہ نطفے کے متعلق جو چاہتا ہے مقدر فرماتا ہے اور رُوح کے متعلق اس وقت مقدر فرماتا ہے جب ایک سو بیس روز کے بعد بدن سے اُس کا تعلق ہوتا ہے غرض کہ یکے بعد دیگرے کئی بار تقدیر ہوتی ہے۔ اب اس طرح مطلب بیان کرنے سے سب حدیثیں آپس میں مطابق اور ایک دوسرے کی مصدق ہو جاتی ہے اور تقدیر سابق کے اثبات اور مراتب تقدیر پر دلالت کرتی ہیں۔ اب اگر کوئی شبہ ہو تو اُس کا منشا غلط فہمی یا روایت میں غلطی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جب روایاتِ حدیث صحت کو پہونچ گئیں۔ اور ان کا صحیح صحیح مطلب معلوم ہو گیا۔ تو یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ یہ سب درست اور حق ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان صدق بیان سے نکلی ہیں۔

Marfat.com

پانچواں باب

چوتھی تقدیر کے بیان میں جو لیلۃ القدر میں ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ۔ (یہ کتاب جو احکامِ الٰہی صاف اور واضح طور پر) بتا رہی ہے (یعنی قرآن) اسی کی قسم ہے ہم نے (شبِ قدر کی مبارک رات میں اس کو (پہلے پہل) اُتارا (کیونکہ) ہمیں لوگوں کو اپنے عذاب سے ڈرانا منظور تھا (دنیا کے) سارے انتظام جو حکمت (اور مصلحت) پر مبنی ہیں۔ اُسی رات تصفیہ پاتے ہیں (از انجملہ قرآن بھی تھا جو) ہمارے خاص حکم سے (نازل ہونا شروع ہوا کیونکہ ہم کو پیغمبر کا بھیجنا منظور تھا) چونکہ سورہ قدر میں فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (ہم نے قرآن (کی پہلی وحی) کو شبِ قدر میں اُتارا تو اس سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں لیلہ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے۔ جس نے خیال کیا ہے کہ یہاں پندرھویں شعبان مراد ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

سفیان نے ابن ابی نجیح سے اُس نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ الحکم (یعنی وہ رات جس میں امور فیصل ہوتے ہیں) ایک ہی ہیں۔ اور سفیان نے محمد بن سوقہ سے اُس نے سعید بن جبیر سے روایت

Marfat.com

کہا ہے، کہ لیلۃ القدر میں بارگاہِ الٰہی سے اُن لوگوں کو حج کا حکم ہوتا ہے جو اُس سال حج کریں گے اور ان سب کے نام مع ولایت لکھے جاتے ہیں۔ پھر اُن میں کچھ کمی بیشی نہیں ہوتی۔

ابن علیہ نے کہا ہے کہ ہم سے ربیعہ بن کلثوم نے بیان کیا، کہ ایک آدمی نے حسن سے پوچھا اور میں سُن رہا تھا کیا لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے حسن نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس کے کوئی لائق پرستش نہیں۔ لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ اور لیلۃ القدر وہی رات ہے جس میں ہر حکمت والے کام فیصل کئے جاتے ہیں، اسی رات میں اللہ تعالیٰ سال بھر کے لیے بندوں کی عمریں، عمل اور رزق معین فرماتا ہے۔

یوسف بن مہران نے ابن عباس سے ذکر کیا ہے کہ لیلۃ القدر میں وہ تمام چیزیں جو آئندہ سال ہوں گی یعنی موت، حیات، رزق، بارش یہاں تک کہ حاجیوں کے نام کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا، لوح محفوظ سے (ایک علیحدہ دفتر میں) لکھے جاتے ہیں۔

سعید بن جبیر سے اِس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے۔ کہ تو کسی آدمی کو بازاروں میں چلتا پھرتا دیکھتا ہے حالانکہ (اس رات میں) اس کا نام مُردوں میں لکھا گیا ہے۔

مقاتل کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں سال بھر کے لیے شہروں اور بندوں کے حالات معین فرما دیتا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی کا قول ہے کہ لیلۃ القدر میں سال بھر کا انتظام مقرر کیا جاتا ہے۔ اور یہی صحیح ہے کہ لیلہ مبارکہ اور لیلہ قدر ایک ہی ہیں کیونکہ قدر کے معنی لغت میں تقدیر اور اندازہ کرنے کے ہیں۔ اور اسی لیے لیلۃ الحکم اور

Marfat.com

لیلۃ التقدیر اس کا نام ہے۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ لیلۃ القدر کے معنی بزرگی اور عظمت والی رات ہے۔ محاورے میں آتا ہے کہ فلاں شخص کا لوگوں میں قدر ہے۔ اگر ان کا یہ مطلب ہے کہ رات عزت و بزرگی والی ہے اور نیز اس میں سال بھر کے واقعات بھی مقدر ہوتے ہیں۔ تب تو اُن کا قول درست ہے اور اگر قدر کا مطلب صرف بزرگی اور عزت لیتے ہیں۔ تو صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے۔ کہ اس میں تفریق احکام واقع ہوتی ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ سال بھر کے واقعات کا فیصلہ اور اُن کی تعیین و انتظام فرماتا ہے۔

چھٹا باب

پانچویں تقدیر کے بیان میں جو روزمرہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ - جتنی مخلوقات آسمانوں میں اور زمین میں ہے رجو اُن کو درکار ہے سب ہی تو اس سے مانگتے ہیں وہ (معطل اور بیکار نہیں ہے بلکہ) ہر روز ایک نئے ایک کام میں رہتا ہے۔

صحیح حاکم میں اس آیت کی تفسیر کے متعلق ابو حمزہ ثمالی کی حدیث اس طرح مذکور ہے کہ وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں

Marfat.com

کہ منجملہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سفید موتی کی ایک لوح محفوظ ہے جس کے دونوں دفتین سرخ یاقوت کے ہیں اس کی قلم اور اُس پر جو نوشتہ ہے وہ ایک نور ہے اللہ سبحانہ ہر دن اُسے تین سو ساٹھ بار ملاحظہ فرماتا ہے اور ہر ملاحظے میں کسی کو پیدا کرتا۔ کسی کو روزی دیتا کسی کو جِلاتا۔ کسی کو مارتا۔ کسی کو عزت۔ کسی کو ذلت دیتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اُس کے قول کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنٍ (وہ ہر روز (ایک نہ ایک) کام میں (رہتا) ہے کا یہی مطلب ہے۔

مجاہد کلبی۔ عبید بن عمیر۔ ابو میسرہ۔ عطا اور مقاتل کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شان سے یہ مراد ہے کہ وہ جِلاتا۔ مارتا۔ روزی بخشتا۔ روزی روک دیتا۔ مدد فرماتا۔ عزت اور ذلت دیتا۔ قیدی کو رہائی۔ بیمار کو شفا نصیب کرتا۔ پکارنے والے کی دُعا قبول فرماتا۔ سائل کا سوال پورا کرتا۔ توبہ منظور فرماتا۔ تکلیف ہٹاتا گناہ بخشتا اور کسی قوم کو تنزل اور کسی کو ترقی دیتا ہے۔

معجم طبرانی صحاح ستہ اور دارمی کی کتاب الرد علی المریسی میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں نہ رات ہے نہ دن۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو اپنی ذات کے نور سے روشن فرمایا ہے۔ اور دنیا کے ایک دن کا مقدار اس کے ہاں بارہ ساعتیں مقرر ہیں۔ جن میں سے تین ساعتوں میں تمہارے اعمال اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ تو بُرے اعمال پر ناخوش ہوتا ہے اور اُس کی ناخوشی کو سب سے پہلے حاملین عرش اس طرح معلوم کرتے ہیں کہ جب ناخوش ہو تو عرش ان پر بھاری ہو جاتا ہے پس حاملین عرش و دیگر خدام ملائکہ مقربین اور تمام فرشتے تسبیح کہنے لگتے ہیں اس کے بعد جبرائیل فرما بجاتے ہیں تو تمام چیزیں اُس کی آواز سنتی اور تین ساعت تک اس کی تسبیح میں مصروف رہتی ہیں یہاں تک کہ رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آئے پہلی تین ساعتیں

Marfat.com

اور یہ ملا کر چھ ساعتیں ہوئیں۔ اس کے بعد رحموں کا معاملہ پیش ہوتا اور تین ساعت میں طے ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی کے قول هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (وہی ذات مطلق) ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تم لوگوں کی صورتیں بناتا ہے، يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ٥ (جس کو چاہتا ہے (نری) بیٹیاں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (نرے) بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں (ملا کر) ان کو دونو قسم کی اولاد دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ایسا بے نام ونشان کر دیتا ہے کہ اس کی اولاد ہی نہیں ہوتی (اور) وہ اولاد کی مصلحت سے واقف اور مرد وزن بنانے پر قادر ہے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے اور پہلی چھ اور یہ تین مجموعہ نو ساعتیں ہوئیں۔ پھر رزق کا معاملہ پیش ہو کر وہ بھی اسی طرح تین ساعتوں میں ختم ہوتا ہے اللہ تعالٰی کے قول يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے)، اور كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (وہ ہر روز (ایک نئے) کام میں رہتا ہے) کا یہی مطلب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا اور تمہارا حال یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

طبرانی نے کہا ہے ہم سے یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا، کہا ہمیں حماد بن سلمہ نے بتلایا، وہ ابو عبد السلام سے وہ عبد اللہ یا عبید اللہ بن مکرز سے وہ ابن مسعودؓ سے مذکورہ بالا روایت کرتے ہیں۔

عثمان بن سعید دارمی نے کہا ہے ہم سے موسے بن اسماعیل نے بیان کیا کہا ہم سے حماد بن سلمہ نے وہ زبیر بن ابو عبد السلام سے وہ ایوب بن عبید اللہ فری سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے کہا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ

Marfat.com

دن ہے نزرات - پھر اس حدیث کو اس جملے تک "پس حاملین و خدام عرش ملائکہ مقربین و دیگر تمام فرشتے اُس کو تسبیح کرنے لگتے ہیں" ذکر کیا ہے۔ سو حاصل کلام یہ ہے کہ یہ روزانہ تقدیر ہے اور جو اس سے پہلے مذکور ہوئی ہے وہ سالانہ اور اُس سے جو پہلے گذر چکی ہے وہ عمر بھر کی ہے اور اُس وقت لکھی جاتی ہے۔ جب روح بدن سے متعلق ہوتی ہے۔ اور جو اُس سے سابق ہے وہ بھی عمر بھر کے لیے۔ مگر وہ ابتدائے خلقت اور ٹکڑا گوشت ہونے کے وقت مقدر ہوئی ہے۔ اور جو اُس سے بھی سابق ہے وہ انسان کے وجود سے پہلے اور آسمان و زمین کی پیدائش کے بعد مرقوم ہوتی ہے اور وہ تقدیر جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہے وہ اس سے بھی سابق ہے اور ہر ایک پچھلی تقدیر پہلی کی تفصیل ہے۔ اِن سب سے خدا تعالیٰ کے علم۔ قدرت اور حکمت کا کمال اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ملائکہ اور اپنے مومن بندوں کو اپنی ذات کی اسمار کی معرفت بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا کُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جیسے جیسے تم عمل کرتے تھے ہم ان کو لکھواتے جاتے تھے۔ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ نقل لوح محفوظ سے ہوتی ہے۔ فرشتے بنی آدم کے اعمال کو ان کے کرنے سے پہلے وہاں سے نقل کر لیتے ہیں۔ پھر اُسی کے مطابق اُن کے اعمال ظہور میں آتے ہیں۔ اور جن پر ثواب یا عذاب ہو وہ ثابت رکھے جاتے ہیں اور لغو مٹا دیئے جاتے ہیں۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں کئی سندوں کے ساتھ بقیہ سے انہوں نے ارطاۃ بن منذر سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اُسے اپنے داہنے ہاتھ اور اُس کے دونو ہاتھ داہنے ہیں، میں پکڑ کر دنیا کو اور نیکی۔ بدی۔ رطب اور یابس جو کچھ اُس

Marfat.com

میں ہونے والا تھا سب لکھ دیا۔ اور لوح محفوظ میں حفاظت سے رکھدیا۔ اگر اس کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو ھٰذَا کِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ہ (یہ ہماری کتاب جس میں تمہارے اعمال لکھے ہوئے ہیں) تمہارے مقابلے حق حق بول رہی ہے (اور) جیسے جیسے تم عمل کرتے تھے ہم اُن کو لکھواتے جاتے تھے۔ نقل اُسی سے ہوتی ہے جو چیز پہلے لکھی گئی ہو۔ آدم نے کہا ہے ہم سے ورقا نے بیان کیا۔ اس نے عطاء بن سائب سے اس نے مقسم سے اس نے ابن عباسؓ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہا کہ وہ فرشتے جو بنی آدم کے محافظ ہیں اس کے تمام اعمال لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔ پھر آدمی اُسی کے موافق عمل کرتا ہے جو فرشتوں نے لوح محفوظ سے نقل کیا ہے۔

تفسیر اشجع میں سفیان سے مروی ہے وہ منصور سے وہ مقسم سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتا ہے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سب چیزوں کو اپنے ہاں لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ پھر آدمؑ اور اس کی اولاد پر فرشتے مقرر فرمائے وہ فرشتے آدمی کے تمام اعمال لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں پھر یہ آیت پڑھی۔ ھٰذَا کِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

تفسیر ضحاک میں ابن عباسؓ سے اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔ کہا ہے کہ اہل دنیا کے اعمال نیک و بد فرشتے نقل کرتے ہیں۔ جو کچھ انسان کو روزمرہ پیش آتا ہے فرشتے صبح و شام اسے آسمان سے لاتے ہیں کہ فلاں شخص قتل ہوگا۔ اور فلاں غرق۔ اور وہ چھت سے گر گیا۔ اور یہ پہاڑ سے گر کر مریگا۔ اور فلاں آدمی آگ سے جل کر مرے گا۔ پھر جو واقعات ہوتے ہیں اُن سب کو لکھ لیتے ہیں۔ اور جب انہیں آسمان کی طرف لیجاتے ہیں۔ تو لوح محفوظ کی نوشت کے مطابق پاتے ہیں۔

Marfat.com

ساتواں باب

اس امر کے بیان میں ہے کہ شقاوت اور سعادت کا پہلے سے مقدر ہونا اس بات کو نہیں چاہتا کہ نیک عمل چھوڑ دئے جائیں بلکہ اس بات کو چاہتا ہے کہ اُن میں پوری حرص اور کوشش کرنی چاہیئے

بہت سے لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ جب پہلے سے قضا و قدر ہو چکی ہے تو پھر نیک اعمال کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور جو اللہ سبحانہ نے جو کچھ مقدر کر دیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ پس اعمال کو نجات کا واسطہ وسیلہ بنانا لغو اور بیکار ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ صحابہؓ کرام نے جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں یہی شبہ پیش کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کافی وشافی جواب دیا۔

صحیحین میں علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ ہم لوگ بقیع غرقد میں ایک میت کے دفن کرنے میں مصروف تھے اتنے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور اُس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ سر نیچے کر کے اس چھڑی سے زمین کریدنے لگے۔ اور فرمایا تم میں سے ہر ایک جی کے لئے یہ لکھا گیا ہے کہ اُس کا ٹھکانہ بہشت میں ہو گا یا دوزخ میں اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شقی ہو گا۔ یا سعید اس پر ایک آدمی نے عرض کیا۔ اے رسولِ خدا جب یہ بات ہے تو پھر ہم اپنی نوشت پر کیوں بھروسا نہ کریں۔ اور عمل کرنا چھوڑ دیں ہم میں سے جو اہلِ سعادت ہو گا اس کا انجام نیکی پر ہو گا اور جو بدبخت ہو گا۔ اُس

Marfat.com

کا خاتمہ بُرائی پر ہوگا۔ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو کیونکہ ہر ایک کو اُس کی سعی کے مطابق توفیق ملتی ہے۔ اہلِ سعادت کو نیک اور اہلِ شقاوت کو بُرے کاموں کی توفیق ہوتی ہے۔ پھر آنحضرت نے یہ آیت پڑھی۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی (توجس نے (راہ خدا میں) دیا اور پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کیا اور اچھی بات (یعنی دینِ اسلام) کو سچ سمجھا تو ہم آسانی کی جگہ (یعنی جنت میں پہنچنے کا رستہ) اس کے لیے آسان کر دیں گے اور جس نے (راہِ خدا میں) دینے سے مضائقہ کیا اور آخرت کی پرواہ نہ کی اور عمدہ بات یعنی دینِ اسلام کو جھوٹ جانا تو ہم مشکل کی جگہ (یعنی دوزخ میں پہنچنے کا رستہ) اُس کے لیے آسان کر دیں گے۔ بخاری کی بعض اور روایتوں میں بھی ایسا ہی ہے مگر ان میں لفظ مِنَّا (یعنی ہم میں سے) نہیں ہے۔

ابوالزبیر سے مروی ہے۔ وہ جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ سراقہ بن مالک بن جعشم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ ہمیں مسائلِ دین اس طرح سمجھائیں جس طرح بچوں کو سمجھاتے ہیں۔ آپ یہ فرمائیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں یہ پہلے سے تقدیر میں لکھا گیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا سب کچھ پہلے سے تقدیر میں لکھا گیا ہے۔ سراقہ نے عرض کیا تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ۔ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر کسی کو اس کی کوشش کے مطابق توفیق ملتی ہے اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

عمران بن حصین سے مروی ہے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ بہشتی اور دوزخی پہلے سے معین ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے سے معین ہیں سائل نے کہا تو پھر لوگ عمل کس لیے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر کسی کو اس کی سعی کے مطابق توفیق ہوتی ہے۔ اِس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

Marfat.com

بخاری کی ایک دُوسری روایت میں ہے کہ ہر کوئی وہی کام کرتا ہے جس کے لیے وہ مخلوق ہوا۔ یا جس کی اُسے توفیق ہوتی ہے۔ امام احمد نے اس حدیث کو مفصلاً روایت کیا ہے کہا کہ ہم سے صفوان بن عیسٰی نے بیان کیا، کہا ہم سے عروہ بن ثابت نے بیان کیا۔ وہ یحییٰ بن عقیل سے وہ ابونعیم سے وہ ابواسود دئلی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن عمران بن حصین کے پاس گیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک آدمی جو قبیلہ جہنیہ یا مزینہ سے تھا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اُس نے کہا کہ اے رسولِ خدا یہ اعمال جنہیں لوگ نہایت کوشش و محنت سے کرتے ہیں۔ کیا اُن کے حق میں پہلے سے مقدر ہیں یا ازسرِنو انبیاء کی ہدایت کے مطابق اُن کو بجالاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر حجت پوری ہوتی ہے آپ نے فرمایا یہ پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں۔ سائل نے عرض کیا جب تقدیر پہلے سے ہو چکی ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا مطلب۔ آپ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے جس مقام (جنت یا دوزخ) کے لیے پیدا کیا ہے اُسے اسی کے عمل کی توفیق بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس کی تصدیق موجود ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (اور انسان اور اُس ذات کی قسم، جس نے اُس کو ڈالیا) درست بنایا۔ پھر اُس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونو باتیں) اُس کو سمجھا دیں۔

محاملی نے کہا ہے ہم سے احمد بن مقدام نے بیان کیا کہا ہم سے معتمر بن سلیمان نے کہا ہم نے ابوسفیان کو عبداللہ بن دینار سے حدیث بیان کرتے سُنا وہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے کہ جب فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (بعض بدبخت ہوں گے اور بعض نیک بخت) نازل ہوا تو عمرؓ نے پوچھا اے پیغمبر خدا ہمارے عمل کی کیا کیفیت ہے یہ پہلے سے مقدر ہے یا نہیں۔ آپ نے

Marfat.com

فرمایا یہ تو پہلے سے مقدر ہے لیکن ہر ایک کو اُس کی سعی کے مطابق توفیق ملتی ہے
فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى۔

احادیث مذکورہ بالا اور نیز اُن کے ہم معنی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر سابق عمل سے مانع نہیں اور نہ اِس بات کی موجب ہے کہ اس پر بھروسا کر کے عمل چھوڑ دیا۔ بلکہ اس بات کی مقتضی ہے کہ عمل کرتے میں پوری سعی و کوشش کرنی ضروری ہے۔ اِس لیے بعض صحابہ نے جب یہ مضمون سُنا۔ تو کہا کہ میں بہ نسبت سابق اب زیادہ کوشش کرونگا۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کیسے کچھ دقیق فہم۔ دین کے سمجھنے والے اور علوم حقہ میں ماہر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا ہے کہ تقدیر سابق مخلوق میں بذریعہ اسباب جاری ہوتی ہے بندے کے حق میں جو چیز مقدر ہے وہ اُسی سبب کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جو اس کے لیے مہیا کیا جاتا اور بندے کی قدرت و اختیار میں ہوتا ہے۔ سو اگر سبب کو پیدا کر لیا۔ تو اپنے اس مقسوم کو جو لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے حاصل کر لیگا۔ اور سبب کے حاصل کرنے میں جس قدر زیادہ کوشش کریگا۔ اسی قدر مطلوب جلدی حاصل ہوگا۔ مثلاً کسی کے حق میں مقدر ہے کہ وہ علامہ زمان ہوگا تو یہ مرتبہ پڑھنے اور وسائل تعلیم میں پوری کوشش کئے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ یا اگر کسی کے حق میں اولاد کا ہونا مقدر ہے تو نکاح یا لونڈی رکھنے اور عورت سے مجامعت کرنے کے سوا بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر زمین سے غلہ اور پیداوار کا حاصل ہونا مقدر ہے۔ تو جب تک اس میں بیج نہ ڈالے اور ہل نہ چلانے اور دیگر وسائل زراعت بہم نہ پہنچائے تو غلہ کس طرح پیدا ہوگا۔ اگر کسی کے حق میں سیر ہونا مقدر ہے۔ تو جب تک وہ کھانے پینے کی چیزیں نہ کھائے پیئگا۔ تو کیسے

Marfat.com

سیر ہوگا۔ تمام امور دنیا و آخرت کا یہی حال ہے کہ اُن کا حصول اسباب و وسائل سے متعلق و وابستہ ہے۔ پس جو شخص تقدیر سابق پر بھروسا کر کے اعمالِ آخرت کو چھوڑ بیٹھتا ہے تو اُس کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی احمق اس خیال سے کہ جو مقسوم ہے وہ مل جائے گا، کھانا، پینا، چلنا، پھرنا وغیرہ امور معاش اور تمام اسباب زندگی کو چھوڑ دے۔ اللہ سبحانہ نے بندوں کی فطرت اور طینت میں ان اسباب کے مہیا کرنے کی ہوس ڈال دی ہے جن پر ان کی زندگی کا مدار اور ان کی دنیاوی ضرورتیں موقوف ہیں۔ یہ بات صرف نوع انسانی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام حیوانات میں یہ بات پائی جاتی ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح دنیا کے کاروبار وسائل اور اسباب کے ذریعے سرانجام پاتے ہیں۔ اسی طرح امور آخرت بھی اسباب و ذرائع پر موقوف ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دونوں جہان کا مالک ہے اور اس نے اپنی حکمت سے دونوں میں اسباب و وسائل بنا دیے ہیں۔ اور جس کو جس کے لیے بنایا ہے اُس پر اُس کے اسباب و سامان بھی سہل و آسان کر دیئے ہیں۔ سو جب بندے کو یہ یقین ہو کہ آخرت کے مدارج و مصالح ان اسباب سے متعلق ہیں جن کے بہم پہنچانے سے انسان ان مدارج کو پا سکتا ہے وہ راحت دنیا کے اسباب و سامان مہیا کرنے کی نسبت ان اسباب کے حاصل کرنے میں زیادہ کوشاں ہوگا۔ اُن حضرات صحابہ کرام نے جن کا مقولہ ہے کہ ہم بہ نسبت سابق اب زیادہ کوشش کریں گے۔ اس بات کو کما حقہ سمجھا تھا جب آدمی کو یہ یقین ہو کہ اطاعت الٰہی سے اُسے نہایت خوبصورت و عجیب باغ، صاف ستھرے عمدہ مکانات اور وہ نعمتیں اور لذت و آرام حاصل ہو سکتے ہیں۔ جن میں رنج و تکلیف کا نام و نشان نہیں۔ تو وہ ضرور اُن کی بجا آوری میں پورا پورا حریص اور از حد ساعی ہوگا اس لیے ابو عثمان نہدی نے سلمان سے یہ کہا کہ مجھے پہلی چیز یعنی حصول کی اس

Marfat.com

قدر خوشی ہوتی ہے جو دوسری چیز یعنی تحصیل اسباب میں حاصل نہیں ہوتی۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت بلا توسط اسباب ملے۔ تو اس کے ملنے میں وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو اسباب کے بہم پہنچانے میں حاصل نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور جود سابق سے ہے۔ مومن کی یہ صفت ہے کہ اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور اس پر شادان وفرحاں رہے اور اپنے گھمنڈ کو چھوڑ دے۔ سلف صالحین میں سے ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا معاملہ میرے نفس کے حوالہ ہو بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو۔ میری بہتری اس میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تقدیر سابق اعمال آخرت کی طرف ترغیب دلاتی اور اُن پر آمادہ کرتی ہے نہ یہ کہ ان کے برخلاف ہے اور ان سے باز رکھتی ہے یہ ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس میں بہت سے لوگوں نے غلطی کھائی ہے اور اُن کے پاؤں پھسل گئے ہیں۔ جو شخص اس میں ثابت قدم رہے گا انشاء اللہ وہ جنت میں جائے گا اور جس کا پاؤں پھسلا وہ دوزخ میں جا گرا۔

تقدیر کے باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ایسی دو باتیں تعلیم فرمائی ہیں جو انسان کی سعادت کا باعث ہیں اوّل ایمان بالقدر کہ توحید کا دارومدار اسی پر ہے۔ دوم اسباب کو عمل میں لانا جو شر سے بچنے اور خیر حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور شریعت کا تمام نظام اسی سے وابستہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید اور شرع دونو کے نظام سے آگاہ فرما دیا ہے لیکن جو لوگ کم فہم ہیں یا تو سرے سے تقدیر کا انکار کر کے توحید میں خلل انداز ہوئے یا تقدیر کو مان کر اصول شریعت پر ہاتھ صاف کیا۔ اور اُن کی کم عقلیں جو نور الٰہی سے محروم ہیں اُن دونو امور کو نہ سمجھ سکیں جن کی تمام انبیاء علیہم السلام نے تعلیم فرمائی ہے یعنی

لہ کہ انسان کو قادر و متصرف مطلق سمجھا ۱۲

Marfat.com

تقدیر اور شریعت کو ماننا جس کو خلق اور امر بھی کہتے ہیں تمام آسمانی مذاہب کا متفقہ مسئلہ ہے وَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (تو آخرکار) وہ راہ حق جس میں لوگ اختلاف کر رہے تھے خدا نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کو دکھا دی اور اللہ جس کو چاہے راہ راست دکھاے۔

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزیں یعنی شریعت و تقدیر پر مستقیم و ثابت قدم رہنے کی نہایت تاکید فرمائی ہے اور آپ کو اس کی نہایت حرص تھی چنانچہ آپ کا ارشاد "اُن چیزوں کی حرص کر جو تجھے نافع ہوں اور خدا سے مدد طلب کر اور عاجز مت ہو" پہلے بیان ہو چکا ہے عاجز وہی ہے جو تقدیر و شرع پر مستقیم نہ ہو۔

لہ کہ انسان کو قادر و متصرف مطلق سمجھا ۱۲

Marfat.com

آٹھواں باب

اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ (بیشک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے انکی تقدیر میں پہلے بھلائی لکھی جاچکی ہے وہ دوزخ سے دور ہی دور رکھے جائینگے

اِس مضمون کی حدیثیں اوپر گذرچکی ہیں کہ اہل سعادت اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ میں تھے اوران کے مخلوق ہونے سے پہلے ان کے نام مع ولدیت دفتر سعدا میں لکھے جاچکے ہیں۔

صحیح حاکم میں حسین بن واقد کی حدیث اس طرح مروی ہے کہ وہ یزید نحوی سے وہ عکرمہ سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ (تم اور جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے تھے وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے) نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ ملائکہ۔ عیسیٰ اور عزیرؑ خدا کے سوا معبود ہیں، توکیا یہ بھی دوزخ میں جھونکے جائینگے۔ تو اُن کے جواب میں آیہ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ نازل ہوئی۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

علی بن مدینی نے کہا ہے ہم سے یحییٰ بن آدم نے بیان کیا کہا ہم سے ابوبکر بن عیاش نے وہ عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ابورزین نے بتایا وہ ابویحییٰؒ سے

Marfat.com

وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ایک ایسی آیت ہے کہ اُس کا مضمون تفسیر طلب ہے۔ لیکن لوگ دریافت نہیں کرتے یہ دو وجہ سے خالی نہیں۔ یا تو ان کو اس کا مطلب معلوم ہے۔ اس وجہ سے استفسار نہیں کرتے یا اُس سے بے خبر ہیں۔ اس لیے انہیں اس کے پوچھنے کا خیال نہیں۔ لوگوں نے کہا آپ فرمائیں وہ کون سی آیت ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا جب اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ۝ (تم اور جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن بنو گے (اور) تم سب کو دوزخ میں جانا ہوگا، نازل ہوئی تو قریش (یا اہل مکہ) پر یہ نہایت شاق گذرا۔ اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ٹھاکروں کو گالیاں دیتا ہے ابن زبعری نے جب یہ چرچا سنا تو پوچھا کیا بات ہے۔ قریش بولے ارے یہ ہٹھاکروں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ پوچھا کیا کہتا ہے کہنے لگے یہ کہتا ہے۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ابن زبعری نے کہا محمدؐ کو میرے پاس تشریف لائے تو اس نے پوچھا اے محمد (صلعم) کیا یہ حکم خاص کر ہمارے معبودوں کے لیے ہے یا اللہ کے سوا جتنے معبود ہیں سب کو شامل ہے۔ آپ نے فرمایا سب کو شامل ہے۔ ابن زبعری بولا اے محمدؐ مجھے رب کعبہ کی قسم تم جھگڑے کی بات کہتے ہو۔ کیا تم اس کے قائل نہیں کہ ملائکہ اور عیسٰے اور عزیزؑ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو۔ کہ قبیلہ بنی ملیح ملائکہ کو اور نصاری عیسٰےؑ کو اور یہود عزیرؑ کو پوجتے ہیں (تو اب تمہارے کہنے کے مطابق یہ سب آگ میں جھونکے جائیں گے) اتنے پر اہل مکہ میں ایک شور و غوغا مچ گیا۔ تو اللہ عزوجل نے اُن کے جواب میں آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ بیشک

Marfat.com

جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے (اُن کی تقدیر میں) پہلے سے بھلائی لکھی جا چکی ہے وہ دوزخ سے دور ہی دور رکھے جائینگے اُس کی بھنک بھی تو ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی) نازل فرمائی۔ اور نیز یہ آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ (اور اے پیغمبر) جب مریم کے بیٹے مسیح کی مثال بیان کی گئی تو بس تمہاری قوم کے لوگ اس (کو سُن کر) ایک دم سے کھل کھلا پڑے) نازل ہوئی۔

ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ صدید سے شور و غوغا مراد ہے غور سے دیکھا جائے تو ابن زبعری کا یہ اعتراض آیت پر وارد نہیں ہوتا۔ اس نے کم فہمی سے یہ اعتراض پیش کیا۔ اللہ سبحانہ نے وَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فرمایا ہے نہ وَمَنْ تَعْبُدُونَ۔ اور کلمۂ ما غیر ذوی العقول پر بولا جاتا ہے۔ پس ملائکہ عیسیٰؑ اور عزیرؑ سرے سے اس میں داخل ہی نہیں، یہ آیت تو پتھر کے بتوں وغیرہ اُن چیزوں کے حق میں ہے جو عقل نہیں رکھتیں۔ اس کے علاوہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ اور اس میں بت پرستوں کو مخاطب بنا کر اللہ تعالیٰ نے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ فرمایا ہے لفظ اِنَّكُمْ اور کلمۂ ما کو لحاظ کرنے سے ابن زبعری کا سوال بالکل بیجا ٹھیرتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اہل زبان ہے۔ اور اس بات کو وہ بھی سمجھتا ہے تو پھر اُس کے سوال کرنے کی کوئی اور وجہ ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے علت و سبب حکم عام سمجھ کر ملائکہ عیسیٰؑ اور عزیرؑ کو اپنے معبودوں (بتوں) پر قیاس کیا۔ یعنی اگر سوائے خدا کے معبود ہونا آگ میں جھونکا جانے کی علت اور سبب ہے تو یہ بات بعینہ ملائکہ عیسیٰؑ و عزیرؑ میں موجود ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسا جواب بیان فرمایا جس سے بتوں اور ملائکہ عیسیٰؑ و عزیرؑ کے درمیان کئی وجوہ سے فرق ظاہر ہوتا ہے اور اُن کو بتوں پر قیاس کرنا صریح غلطی ہے۔

۱؎ لفظ یصدون جو آیت میں مذکور ہے۔ صدید اس کا ماخذ مصدر ہے ۱۲ مترجم

Marfat.com

(۱) یہ کہ ملائکہ عیسےٰؑ اور عزیرؑ کے لیے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے سے سعادت لکھی گئی ہے۔ اور وہ اہل سعادت میں داخل ہیں انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے وہ دوزخ کے سزاوار ہوں۔ اور نیز وہ اپنے پرستش کرنیوالوں کے اِس فعل سے ناخوش اور اُن سے عداوت رکھتے تھے اِس لئے وہ اُن کے اس فعل سے معذب نہیں ہوں گے۔ پس بتوں اور اِن کو برابر ٹھیرانا بیع اور ربا نج اور ذبح کیے ہوئے حلال جانور اور مردار کے یکساں قرار دینے سے زیادہ قبیح اور بُرا ہے۔ اہل باطل کا یہی شیوہ ہے کہ جن چیزوں میں شریعت، عقل اور فطرت نے فرق کیا ہے ان کو تو برابر سمجھتے اور جن کو اللہ و رسول نے یکساں ٹھیرایا ہے اُن میں فرق نکالتے ہیں (۲) یہ کہ بُت جمادات کی قسم سے ہیں۔ اِن میں حس و حرکت اور جان نہیں اور نہ وہ مکلف ہیں۔ سو ان کو اگر ان کی اور نیز ان کے پوجنے والوں کی اہانت کے لیے آگ میں ڈالا جائے تو یہ ایسی بات نہیں کہ غیر مستحق عذاب کو عذاب دیا گیا بخلاف ملائکہ عیسےٰؑ اور عزیرؑ کے وہ ذی روح اور صاحب حیات ہیں۔ اگر ان کو آگ میں ڈالا جائے۔ تو یہ اُن کی تعذیب و تکلیف رسانی ہے۔ (۳) یہ کہ ملائکہ عیسیٰؑ اور عزیرؑ کے پوجنے والے درحقیقت اُن کے پرستار تھے کیونکہ اِن بزرگواروں نے کبھی ان کو اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ وہ مشرکین جو بزعم خود اُن کو پوجتے تھے۔ وہ دراصل شیطان کے پُجاری تھے۔ وہ اپنے زعم میں اُس کے پرستار تھے۔ جو خدا کے ساتھ معبودیت کا دعوےٰ رکھتا اور اُس کا شریک بنتا تھا۔ ملائکہ، عیسیٰؑ اور عزیرؑ تو اس دعوے سے بری اور بیزار تھے البتہ شیاطین اُس کے مدعی تھے تو وہ شیاطین کے پرستار ہوئے نہ ان بزرگواروں کے اس کے علاوہ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ہمارے معبود ہماری سے خوش ہوتے ہیں۔ سو یہ بزرگوار تو اُن کے اِس فعل سے ازحد ناخوش تھے۔ ہاں شیطان ضرور ان سے خوش تھا وہی اُن کا معبود ہوا۔ اِسی واسطے

Marfat.com

اللہ سبحانہٗ نے فرمایا ہے وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ٥ اور لوگو اس دن کو پیش نظر رکھو) جب کہ خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا اور جمع) کئے پیچھے فرشتوں سے پوچھیگا کیا (آدم زاد) تمہاری ہی پرستش کیا کرتے تھے (اور تم اس سے رضا مند تھے) وہ عرض کریں گے کہ (خدایا) تو پاک ہے ہم کو تجھ سے سروکار ہے، نہ ان سے (ہماری نہیں) بلکہ (یہ لوگ حقیقت میں (شیاطین کی پرستش کیا کرتے تھے (کہ ان کے بہکانے میں آ گئے اور) ان میں اکثر انہیں کے معتقد تھے) اور دوسری جگہ فرمایا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ (اے اولاد آدم کیا ہم نے تم پر تاکید نہیں کردی تھی، کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا) اور مقام میں فرمایا ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ٥ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ٥ (اور (بعض کافر کہتے ہیں کہ (خدا نے) رحمان بیٹیاں رکھتا ہے (یعنی فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اُس کی ذات (اس تہمت سے) پاک ہے (فرشتے خدا کی بیٹیاں نہیں) بلکہ (اس کے معزز بندے ہیں۔ اُس کے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے۔ اور وہ اسی کے حکم پر کاربند رہتے ہیں۔ ان کا اگلا پچھلا (سب) حال اس کو معلوم ہے اور یہ (فرشتے کسی کی سفارش تک نہیں کر سکتے، مگر جن کے حق میں خدا اُن کی سفارش پسند فرمائے اور وہ اس کے جلال سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں اور (بالفرض) جو اُن میں سے یہ دعوے کرے کہ خدا نہیں (بلکہ) میں معبود ہوں تو یہ (فرشتہ مردود بارگاہ ہے) اُس کو ہم

Marfat.com

جہنم کی سزا دیں گے۔ اور، سرکشوں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں، ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں وہ دراصل شیطان کو پوجتے ہیں۔

ابن زبعری کے شبہے کے جواب میں جس قدر وجوہ ہم نے ذکر کیے ہیں یہ سب اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى الآیہ سے مستفاد ہوتے ہیں اگر خدا توفیق دے تو آیت کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہاں حسنیٰ سے وہی حسنیٰ مراد ہے جو اہلِ سعادت کے لیے اُن کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعد ہو چکی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے کہا ہے ہم سے ابو سعید بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا ہم سے ابو عامر عقدی نے۔ کہا ہم سے عروہ بن ثابت انصاری نے کہا ہم سے زہری نے وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف ایسے سخت بیمار ہوئے کہ غشی آ گئی۔ جب ہوش آئی تو پوچھا کیا مجھے غشی آ گئی تھی، لوگوں نے جواب دیا ہاں، عبدالرحمٰن نے کہا اس غشی کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو سخت مزاج آدمی میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں چلو عزیز امین کے پاس تمہارا مقدمہ پیش کرتے ہیں اور مجھے ساتھ لے کر روانہ ہوئے راستے میں ایک آدمی ملا اُس نے پوچھا اسے کہاں لے جاتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ عزیز امین کے پاس اس کا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ اُس نے کہا اسے چھوڑ دو یہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کے لیے شکم مادر میں سعادت مقدر ہو چکی ہے۔

عبداللہ بن محمد بغوی نے کہا ہم سے داؤد بن رشید نے بیان کیا ہم سے ابن علیہ نے کہا مجھ سے محمد بن محمد قرشی نے وہ عامر بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ سعد کہیں اپنے کھیت میں گئے ہوئے تھے وہاں سے واپس آئے۔ تو لوگوں کو دیکھا کہ ایک

Marfat.com

آدمی کے پاس بیٹھے ہیں، آگے ہو کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت علیؓ کو گالیاں دے رہا ہے۔ عبدالرحمٰنؓ نے اسے منع کیا وہ اور زیادہ بکنے لگا۔ تو عبدالرحمٰن بولے کمبخت۔ تو ایسے لوگوں کو گالیاں دیتا ہے جو تجھ سے کہیں بہتر تھے۔ تم اس ناشائستہ حرکت سے باز آؤ ورنہ میں تجھ پر بد دعا کرتا ہوں وہ بولا کیا تم نبی ہو جو مجھے یہ دھمکی سناتے ہو۔ خیر اس کے بعد سعدؓ گھر میں آئے اور وضو کر کے مسجد میں گئے اور یہ کلمات کہے۔ اے اللہ اگر اس نے ایسے لوگوں کو برا کہا ہے جن کے حق میں تیری طرف سے سعادت مقرر ہو چکی ہے اور اس کی بد گوئی تیری ناراضگی کا باعث ہے۔ تو آج مجھے وہ نشانی دکھلا جس کو سب مسلمان دیکھ لیں۔ اور کہا کہ فلاں مکان سے ایک بختی اونٹ نکلے جیسے راستے میں کوئی چیز نہ ہٹائے اور سیدھا اس پر آئے۔ جس سے لوگوں کا مجمع متفرق ہو اور وہ اسے اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ سعد کے پیچھے پیچھے جاتے ہوئے یہ کہتے تھے۔ کہ اے ابو اسحاق اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا - (اور اللہ کی راہ میں) کوشش کرو جیسا کہ اس (کی راہ میں) کوشش کرنے کا حق ہے اسی نے تم کو (دنیا کے لوگوں میں سے) انتخاب فرمایا اور دین (کے بارے) میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی (تمہارے لیے وہی) دین (تجویز کیا جو) تمہارے باپ ابراہیم کا (تھا) اسی خدا نے (اگلی کتابوں میں) پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا (یعنی فرمانبردار بندے) اور اس (قرآن) میں بھی۔

Marfat.com

یعنی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اور نیز قرآن مجید سے پہلے تمہارا نام مسلمان مقرر فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ نے مسلمانوں کے اسلام لانے بلکہ اُن کے پیدا ہونے سے پہلے اُن کا نام مسلمین ٹھیرایا ہے۔ دوسرے مقام میں وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ٥ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ٥ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ٥ (اور اپنے (خاص) بندوں (یعنی) پیغمبروں کے حق میں ہمارا پہلے دہی) ارشاد ہو چکا ہے کہ (ہمارے ہاں سے) بے شک ان ہی کو مدد ہونی ہے اور بیشک ہمارا لشکر (اسلام ضرور غالب آکر رہے گا۔ اور آیت وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (اور ایمان والوں کو خوشخبری سنادو کہ اُن کے پروردگار کی بارگاہ میں اُن کی بڑی پایگاہ ہے) کی تفسیر میں قرابت والبی ابن عباسؓ سے مروی ہے کہا کہ اُن کے لیے لوح محفوظ میں سعادت مقرر ہو چکی ہے اور یہ اُس شخص کے قول کے مخالف نہیں ہے جو کہتا ہے کہ قدم صدق سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو دنیا میں کمائے ہیں اور نہ اُس کے خلاف ہے جو قدم صدق سے جناب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد لیتا ہے۔ یہ سب صحیح ہیں اور مطلب ایک ہے کہ اُن کے لیے لوح محفوظ میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لاکر اعمال صالحہ کریں گے یہی اُن کی سعادت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشتر ان کے حق میں مقدر ہو چکی ہے اور آنحضرت کے وجود سے وہ ظہور میں آئی۔ اور قیامت میں اس کا ثمرہ ب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥ (اگر خدا کے ہاں سے تمہارے اس قصور کی معافی کا تحریری پہلے سے (نافذ) نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے (بدر کے قیدیوں سے

Marfat.com

اُن کے چھوڑ دینے کے بدلے میں) لیا ہے اس (قصور کی سزا میں) ضرور تم پر بڑا ہی عذاب نازل ہوتا)۔

کتاب سابق میں سلف صالحین کا اختلاف ہے۔ جمہور مفسرین سلف اور خلف کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اہل بدر کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے سے لوح محفوظ میں یہ حکم نہ ہوتا کہ مال غنیمت تمہارے لیے حلال ہے تو قیدیان بدر کا فدیہ لینے میں تم پر ضرور عذاب آتا۔ بعض نے کہا ہے یہ مطلب ہے کہ اگر پیشتر سے یہ حکم نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں کرتا تو ضرور تم پر عذاب نازل ہوتا۔

بعض کا یہ قول ہے کہ اگر پہلے سے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہ ہوتا کہ اہل بدر مغفور ہیں گو اُن سے کوئی قصور بھی ہو جائے۔ تو قیدیان بدر کا فدیہ لینے پر اُن کو عذاب میں گرفتار کرتا۔ بعض کا یہ قول ہے اور یہی سب سے ٹھیک ہے۔ کہ یہ جملہ امور اگر پہلے سے مقدر نہ ہوتے تو جو کچھ تم نے قیدیان بدر سے لیا ہے۔ اُس کی سزا میں ضرور تم پر عذاب نازل ہوتا۔ واللہ اعلم

ل یعنی ان اصحاب کے حق میں نازل ہوئی ہے جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔

Marfat.com

نواں باب

اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ ہم نے تمام چیزوں کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے

کی تفسیر میں ہے۔ سفیان نے بروایت زیاد بن اسماعیل مخزومی کہا ہے کہ ہم سے محمد بن عباد بن جعفر نے کہا۔ ہم سے ابوہریرہؓ نے بیان کیا، کہا کہ مشرکین قریش تقدیر کے مسئلہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لیے آئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ٥ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ٥ بیشک گنہگار لوگ، گمراہی میں دپڑے، ہیں اور (آخرکار) جہنم میں جائیں گے جس دن اُن کو اُن کے مُنہ کے بل (دوزخ کی) آگ میں گھسیٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ، (اب تم بدن میں) دوزخ کی آگ، کے لگنے کا مزہ چکھو اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

دارقطنی نے حبیب بن عمرو انصاری کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ جسے وہ اپنے باپ سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔ کہا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو ایک پکارنیوالا یہ کہے گا کہ اللہ سے خصومت کرنیوالے یعنی فرقہ قدریہ آج کہاں ہیں۔ لیکن دارقطنی نے کہا ہے کہ حبیب راوی حدیث کا حال معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا شخص ہے۔ اور حدیث کی سند

Marfat.com

میں بھی اختلاف ہے اور اُس کی کوئی صحیح سند نہیں۔

تقدیر میں خصومت کرنیوالے دو طرح کے لوگ ہیں. ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کی وجہ سے اُس کے امر و نہی کو بیکار ٹھیراتے ہیں چنانچہ مشرکین کہتے تھے لَوْشَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا (اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے) دوسرے وہ جو قضا و قدر سابق کے منکر ہیں. یہ دونو گروہ تقدیر کے باب میں حکم الٰہی کے مخالف ہیں۔

عوف کا قول ہے جو تقدیر کا منکر ہے وہ اسلام کا منکر ہے. بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ نے تقادیر کو مقدر فرمایا ہے. پیدائش خلق تعیین اعمار تقسیم ارزاق. آرام و تکلیف کا بانٹنا اور امر و نہی یہ سب کچھ تقدیر سے ہے. امام احمد بن حنبل کا منقولہ ہے کہ تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی قدرت ثابت ہوتی ہے ابن عقیل نے کہا ہے کہ امام احمد کا یہ مقولہ نہایت ہی درست ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مذکور اصول دین کے سمجھنے میں بڑا پایہ رکھتے اور اس میں پورے متبحر تھے. اور ابو وفا کا بھی ایسا ہی قول ہے کیونکہ تقدیر کا انکار درحقیقت اِسی بات کا انکار ہے. کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال پیدا کرنے اُن کے لکھنے اور مقدر کرنے کی قدرت نہیں۔

متقدمین فرقہ قدریہ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اعمال عباد کا علم نہیں. سلف صالحینؒ بالاتفاق اُن کو کافر کہتے تھے. انشاءاللہ ہم اسے عنقریب ذکر کریں گے۔

علی بن ابیطلحہ کی تفسیر میں اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا خدا سے تو اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو خدا کے آثار قدرت کا علم رکھتے ہیں) کے ذیل میں ابن عباسؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ علماء وہ ہیں جو اِنَّ اللّٰہَ

عَلیٰ کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ہ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے قائل ہیں اِس سے ابن عباس کے کمال علم۔ قرآن فہمی۔ اسماء صفات الٰہی کی معرفت کا پورا پتہ چلتا ہے۔ اکثر اہل کلام گو اس جملے کے مقر ہیں لیکن اس کا پورا پورا مطلب ادا نہیں کرتے۔ رہے منکرین تقدیر وہ تو پورے طور پر اس کا اقرار ہی نہیں کرتے۔ اور جو لوگ افعال رب قائم بالذات کے منکر ہیں وہ بھی پورے طور پر اس کا اقرار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ صاف کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کسی ایسے کام پر قدرت نہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہو۔ اور جو لوگ اسباب کے پورے طور پر مقر نہیں کہ اللہ سبحانہ ہر روز ایک نئے شان میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ اِنَّ اللّٰہَ عَلیٰ کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ہ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے کب قائل ہیں۔ اور نیز جو لوگ اس بات کے قائل نہیں کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ ہیں انہیں جس طرح چاہے پھیرتا ہے اور اللہ سبحانہ حقیقتہً مقلب القلوب ہے۔ اگر وہ کسی دل کو سیدھا رکھنا چاہے تو اُسے سیدھا رکھتا ہے اور اگر اُسے ٹیڑھا رکھنا چاہے تو اُسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ وہ بھی اِنَّ اللّٰہَ عَلیٰ کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے قائل نہیں اور ایسے ہی جو لوگ اِس بات کے قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے بعد عرش پر مستوی ہوا اور وہ ہر رات پہلی آسمان پر نازل ہو کر یہ فرماتا ہی کوئی ایسا ہی جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں کوئی ایسا ہی جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے تو میں اُسے بخش دوں۔ اور اُس نے درخت کے پاس آکر موسیٰؑ سے کلام کیا اور قیامت سے پہلے جب زمین خالی ہو جائے گی۔ تو وہ زمین پر نزول فرمائے گا۔ اور قیامت کے دن تشریف لاکر بندوں کے معاملات کا فیصلہ کرے گا۔ اور ہنستا ہوا اُن کے سامنے جلوہ فرما ہوگا۔ اور اُن کو اپنی ذات پاک کے دیدار سے

Marfat.com

مشرف فرمائے گا۔ اور اپنا پاؤں جہنم پر رکھیگا جس سے وہ جوش میں آئے گی۔ اور اہلِ دوزخ تنگ ہوں گے۔ اُن کے سوا اُس کے اور افعال و شیئون کے قائل نہیں تو وہ بھی اُس کے ہر چیز پر قادر ہونے کے قائل نہیں۔ ابن عباسؓ کا یہ قول کہ اہل علم وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہر چیز پر قادر ہونے کے قائل ہیں نہایت درست اور صحیح ہے۔ ابن عباس اور ایسے ہی دیگر صحابہ فرقہ قدریہ کے سخت مخالف تھے۔ انشاء اللہ ہم اس کو عنقریب ذکر کریں گے۔

و و و و و و و

Marfat.com

دسواں باب

قضا و قدر کی اُن مراتب کے بیان میں کہ جو شخص اُن کو نہیں مانتا تو وہ در اصل قضا و قدر کا منکر ہے

قضا و قدر کے چار مراتب ہیں۔ مرتبہ اوّل اللہ سبحانہ کے علم کا یعنی تمام چیزیں اپنی ہستی سے پہلے اُسے معلوم ہیں۔ دوسرا مرتبہ کتابت کا یعنی اُن کی ہستی سے پہلے اُن کو لکھنا۔ تیسرا مرتبہ مشیت و ارادہ کا یعنی اُن کے ایجاد کا ارادہ فرمانا۔ چوتھا خلق و ایجاد کا ارادہ فرمانا۔ چوتھا خلق و ایجاد کا یعنی ان کو پیدا کرنا۔

مرتبہ اوّل یعنی اللہ سبحانہ کا علم سابق سو اس پر آدمؑ سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام۔ صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ وہ لوگ جو ان کے پیرو ہیں سب اس بات پر متفق ہیں کہ تمام اشیاء اپنے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ اُن کے پیدا کرنے سے پہلے اُن سب کو لکھ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ (اور پیغمبر لوگوں سے اُس وقت کا تذکرہ کرو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانیوالا ہوں (تو فرشتے) بولے تو کیا زمین میں ایسے شخص کو نائب بناتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے۔ اور (بناتا ہے تو ہم کو بنا کہ) ہم تیری حمد (و ثناء) کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس

Marfat.com

کرتے رہتے ہیں (خدا نے) فرمایا میں وہ (مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ شیطان اس کی نافرمانی کرے گا اور اس کو اسی واسطے پیدا کیا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس خلیفہ کی نسل میں انبیاء رسول۔ صلحاء اور ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو آخرت کو جنت میں بسینگے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کا مطلب ہے کہ شیطان کی نسبت مجھے وہ علم ہے جو تم کو حاصل نہیں۔ مجاہدؒ کا یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ شیطان آدمؑ کو سجدہ نہ کرے گا دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (بیشک اللہ ہی ہے جس کو قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی ایک وقت مقرر پر جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، مینہ برساتا اور (نر و مادہ) جو کچھ (ماؤں کے) پیٹ میں ہے (وہی) اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ (وہ خود) کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ ہی (سب باتوں کا) جاننے والا باخبر ہے)

مسند میں لقیط بن عامر سے مرفوعاً مروی ہے۔ انہوں نے رسولِ خدا سے پوچھا اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو کچھ علم غیب ہے! آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے غیب کی پانچ چیزیں خاص اپنی ذات کے لیے رکھی ہیں۔ اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے پانچ کا اشارہ فرمایا۔ لقیط نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو

Marfat.com

تم میں سے ہر ایک کے مرنے کا وقت معلوم ہے اور تم اُسے نہیں جانتے۔ نطفہ جب رحم میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام حالت معلوم ہوتی ہے اور تمہیں اس کی ذرہ خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے کہ کل کیا ہوگا یہاں تک کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تو کل کیا کھائیگا۔ اور تمہیں معلوم نہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ بارش کس روز ہوگی۔ امساکِ باراں کے وقت جب تم بیقرار ہوتے ہو تو وہ اس سبب سے ہنستا ہے کہ اُسے معلوم ہے کہ عنقریب بارش ہونے والی ہے۔ اور یہ لوگ ایسے بیقرار ہو رہے ہیں۔ اس پر لقیط نے کہا وہ رب تعالیٰ جو خنداں ہے اُس سے ہمیں سب بھلائیوں کے ملنے کی اُمید ہے۔ آپ نے فرمایا نیز اللہ تعالیٰ کو قیامت کا وقت معلوم ہے۔

حضرت علیؓ کی وہ حدیث جس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے یعنی تم میں سے ہر ایک جی کی نسبت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کا ٹھکانہ بہشت میں ہو گا یا دوزخ میں پہلے گذر چکی ہے۔ بزار نے کہا ہے کہ ہم سے محمد بن عمر بن ہیاج کوفی نے بیان کیا ہم سے عبید اللہ بن موسیٰ نے کہا ہم سے فضیل بن مرزوق نے وہ عطیہ سے وہ ابو سعید سے وہ پیغمبر خدا سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ مجھے غالب ظن ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب یہ تین آدمی یعنی وہ شخص جو کسی نبی کا زمانہ پانے سے پہلے مرگیا۔ دیوانہ اور خورد سال بچہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کئے جائیں گے۔ تو ان میں سے اوّل الذکر شخص یہ عذر پیش کرے گا۔ کہ میرے پاس کوئی رسول اور کتاب نہیں پہنچی۔ دیوانہ کہے گا۔ اے اللہ تو نے مجھے عقل نہیں دی تھی جس سے میں نیک و بد کی تمیز کرتا۔ اور بچہ عرض کرے گا اے میرے رب مجھے عمل کرنے کا وقت نہیں ملا۔ میں اُس سے پہلے ہی فوت ہوگیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ پھر ان کے سامنے آگ پیش کی جائے گی اور حکم ہوگا کہ اس میں داخل ہو جاؤ سو وہ شخص جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر وہ عمل کا موقع پاتا۔ تو اہل

Marfat.com

سعادت سے ہونا۔ اس آگ میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر وہ عمل کا موقع پاتا تو اہل سعادت سے ہوتا۔ اس آگ میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ عمل کا موقع پانے پر شقی ہو گا وہ آگ میں داخل ہونے سے انکار کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تم نے میرے سامنے میری نافرمانی کی ہے تو میرے رسولوں کو غائبانہ طور پر تم کیسے مانتے۔

صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر کافر ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ کیا تم مویشیوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی کان کٹا نہیں ہوتا۔ بلکہ تم خود ان کے کان کاٹتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کفار کا جو چھوٹا بچا مر جائے اس کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا بڑے ہو کر جو کچھ وہ کرتے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے

ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے اَفَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ (اے پیغمبر) بھلا تم نے اس شخص (کے حال) پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفسانی کو) اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علم ہوتے ساتے اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے، ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا۔ کہ فلاں فلاں کام اس سے ظہور میں آئیں گے۔ نیز یہ کہا کہ یہاں علم سے اللہ تعالیٰ کا علم سابق مراد ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ پہلے سے جو کچھ لوح محفوظ میں ثبت ہو چکا ہے وہ مراد ہے۔

سعید بن جبیر اور مقاتل کا یہ قول ہے کہ اس خاص شخص کی نسبت اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے۔ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا کہ وہ گمراہ ہوگا اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ ثعلبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کو اُس کا خاتمہ معلوم تھا۔ یہ بھی کہا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا کہ وہ گمراہ ہو گا۔ بغوی نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ ابو الفرج بن جوزی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ ہدایت نہیں پائے گا۔ ایک اور گروہ نے جن میں مہدوی بھی شامل ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ مستحق ہدایت نہیں دوم یہ کہ بت پرست کو یہ معلوم تھا کہ بت اُسے کچھ نفع و ضرر نہیں دے سکتے۔ پہلی صورت میں علیٰ علم فاعل کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم تھا کہ وہ اہل ضلال سے ہے اس لیے اسے گمراہ کیا۔ دوسری صورت میں مفعول کی صفت ہے یعنی کافر کو معلوم تھا کہ وہ غلطی پر ہے پھر جب باز نہ آیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُسے گمراہ ٹھہرایا۔ میں کہتا ہوں پہلی صورت میں یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کے پیدا کرنے سے قبل اور اس کے بعد اس کے سب اقوال کا علم تھا اور یہ بھی علم تھا کہ کونسی چیز اس کے حال کے مناسب و لائق اور کونسی چیز اُس کے مناسب نہیں اور یہ کہ وہ اہل ضلال سے ہے ہدایت پانے کے قابل نہیں اور اگر اُسے ہدایت کرتا۔ تو ایک نااہل اور غیر مستحق کو شرف ہدایت عطا ہوتا۔ چونکہ باری تعالیٰ حکیم ہے اس لیے ہر ایک چیز کو اُس کے مناسب مقام میں رکھتا ہے اس قول کے مطابق آیت مذکورہ سے تقدیر اور اس حکمت کا بھی ثبوت معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے حق میں گمراہی مقدر ہوئی صفت علم کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ اسی کے ذریعے تمام چیزوں کی حقیقتیں معلوم و منکشف ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک چیز کو اس کے مناسب مقام میں رکھنا مستحق چیز کو خیر عطا فرمانا اور غیر مستحق کو محروم رکھنا یہ سب کچھ بغیر علم نہیں ہو سکتا خلاصہ کلام یہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اُن حالات کا علم تھا جو اس کی گمراہی کے مناسب اور اُس کے مقتضی و مستدعی تھے اس لیے اُسے گمراہ ٹھہرایا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اِس مضمون کو قرآن مجید میں متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے اور بتلا دیا ہے کہ کافر کو اُسی نے گمراہ کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَٰلِكَ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اُسے راہ راست دکھلائے اس کے سینے کو (قبول) اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اُسے گمراہ کرے اس کے سینے کو تنگ (اور) بھچا ہوا کر دیتا ہے گویا اُس کو آسمان میں چڑھنا پڑتا ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر اسی طرح اللہ کی پھٹکار پڑتی ہے)۔

دوسرے مقام میں فرمایا ہے يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا۔ اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے لیکن اِس سے گمراہ کرتا بھی ہے (تو) بدکاروں ہی کو جو پکا کئے پیچھے خدا کا عہد توڑ دیتے اور جن (تعلقات) کو جوڑے رکھنے کو خدا نے فرمایا اُن کو قطع کرتے اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں (یہی لوگ (آخر کار) نقصان اٹھائیں گے۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) بلکہ یہ مضمون قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ۔ بیشک جو شخص جھوٹا اور ناشکرا ہو خدا اس کو (نیک) ہدایت نہیں دیا کرتا، وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِينَ (اللہ بے انصاف لوگوں کو گمراہ کر دیا کرتا ہے) كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ

Marfat.com

هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ (جو لوگ رحد اعتدال سے) بڑھے ہوئے (اور شک میں پڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ اُن کو گمراہ کردیا کرتا ہے) کَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (جو لوگ سمجھ نہیں رکھتے اُن کے دِلوں پر اللہ اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ یہ اضلال اور گمراہ کرنا اُن کے اِن جرائم و قصوروں کی سزا ہے۔ اور اضلال اول کے بعد یہ دوسرا اضلال ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ٥ (اُن کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دِل محفوظ ہیں (اور کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی۔ محفوظ نہیں) بلکہ اُن کُفر کی وجہ سے خدا نے اُن کے دِلوں پر مہر کردی ہے پس معدودے چند کے سوا (اکثر) ایمان نہیں لاتے)

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ٥

(مسلمانو، تم لوگ کیا جانو یہ لوگ جیسے پہلے دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے معجزے آئے پر بھی ایمان نہیں لائینگے، اور ہم اُن کے دِلوں اور ان کی آنکھوں کو الٹ دیں گے اور ہم ان کو ان کی سرکشی (کی حالت) میں رہنے دیں گے کہ پڑے بھٹکا کریں۔

نیز فرمایا ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (اور اے پیغمبر لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ بھائیو مجھے کیوں ستاتے ہو اور دل میں تو تم کو بھی یقین ہو گیا ہے کہ میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا (آیا) ہوں۔ تو جب یہ لوگ

Marfat.com

ٹیڑھی چال چلے۔ خدا نے ان کی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔ فِی قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ان کے دلوں میں پہلے ہی سے کفر کا مرض تھا۔ اب قرآن نازل کر کے، اللہ نے ان کا مرض اور بھی بڑھا دیا۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ (مسلمانو جب ہمارے پیغمبر) رسول (محمدؐ) تم کو ایسے دین کی طرف بلاتے ہیں جو تم میں نئی رُوح پھونکتا ہے۔ تو تم اللہ اور رسول کا حکم بگوش دل سنو اور مانو اور جانے رہو کہ اللہ کو ایسی قدرت ہے کہ وہ، آدمی اور اُس کے دل کے ارادے میں، آڑے آجاتا ہے اور یہ بھی جانے رہو، کہ (آخر کار تم سب) اُسی کے حضور میں حاضر ہو جاؤ گے، یعنی اگر تم خدا اور رسول کے احکام پر نہ چلو گے تو یہ سزا ملے گی کہ تمہارے دل تمہارے اختیار سے باہر ہو جائینگے اور اللہ ورسول کی اطاعت نہ کر سکو گے۔ اور آیت۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ (اور لوگو) تم سے پہلے کتنی اُمتیں ہو گزری ہیں کہ جب انہوں نے شرارت پر کمر باندھی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اور ان کے رسول ان کے پاس کھلے ہوئے معجزے (بھی) لے کر آئے اور (اس پر بھی) ان کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا گناہگار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں، کا مضمون اگرچہ بعینہ یہ نہیں ہے لیکن اسی کے لگ بھگ ہے۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ (اے پیغمبر، یہ چند بستیاں

Marfat.com

ہیں جن کے حالات ہم تم کو سناتے ہیں (تاکہ تمہاری قوم کو تنبیہ ہو) اور ان کے پیغمبر ان لوگوں کے پاس معجزے بھی لیکر آئے۔ مگر یہ لوگ ایسی سرشت ہی کے، نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں (معجزے دیکھ کر) اُس پر ایمان لے آئیں۔ کافروں کے دلوں پر خدا اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے) اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں۔

اول ابو اسحق کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کا حال بتلایا ہے جو کہ ایمان لانے والے نہ تھے جیسا نوح علیہ السلام سے فرمایا اِنَّهُ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ (تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اُن کے سوا اب ہرگز کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اور اس نے اِس مطلب پر كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (کافروں کے دلوں پر خدا اسی طرح مُہر لگا دیتا ہے) سے اِستدلال کیا۔ اور کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی تھی۔

دوم ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ یہ کفار رسولوں کے بھیجنے کے وقت ایمان لانے والے تھے اِس کا سبب یہ ہے کہ جب ان کو آدمؑ کی پُشت سے نکال کر ان سے عہد لیا۔ تو انہوں نے دِل سے نہیں مانا تھا گو زبان سے اقرار کیا لیکن دِل میں انکار رکھا تھا۔

تیسرا قول مجاہد کا ہے کہ اگر ان کو ہلاک کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرتے تو بھی یہ ایمان لانے کے نہ تھے کیونکہ ہلاکت سے پہلے یہ تکذیب کر چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (اور اگر دنیا میں) واپس بھیجدیے جائیں تو جس چیز سے اِن کو منع کیا گیا ہے اس کو پھر دوبارہ کریں اور کریں) بھی اِس کے موافق ہے۔

Marfat.com

ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ جب رسول ان کے پاس وہ معجزے و نشانات لائے۔ جو انہوں نے طلب کئے تھے۔ تو وہ اِس سبب سے کہ ان کے دیکھنے سے پہلے انبیاء کی تکذیب کر چکے تھے۔ اُن کے مشاہدہ و معائنہ کے بعد بھی ایمان نہ لائے۔ تکذیب سابق جو حق پہنچاننے کے بعد اُن سے وقوع میں آئی تھی ایمان لانے سے مانع ہوئی۔ جو شخص حق نہ مانے اس سے اعراض کرے تو اس کی یہی سزا ہے کہ پھر حق اُس کے دِل میں جگہ نہیں پاتا۔ اس کے اور حق کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا اور وہ اس سے پھیر دیا جاتا ہے اور اِس کا نام اضلال عقوبت ہے یعنی سزا کے طور پر گمراہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے ساتھ یہ کوئی ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے۔ رہا اضلال سابق جس کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کیا اور ہدایت سے دور رہا۔ سو وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق پر مبنی ہے۔ یعنی اسے معلوم تھا کہ فلاں بندہ لائق ہدایت نہیں اور اِس کا دِل اس کی قابلیت نہیں رکھتا۔ غرض اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ فلاں بندہ ہدایت اور توفیق عنایت کرنے کے قابل ہے اور فلاں نہیں جیسے اِس بات کو خوب جانتا ہے کہ فلاں شخص امانت رسالت عطا کرنے کے لائق اور اِس کا اہل ہے۔ سو جیسے ہر شخص بار رسالت اٹھانے اور اِس امانت کو کما حقہٗ ادا کرنے کے لائق نہیں ہے ایسے ہی ہر شخص تصدیق و قبولیت رسالت اور اِس پر ایمان لانے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ (اور اسی طرح اختلاف حالت سے) ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تھا کہ (مقدور والے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں کہ کیا یہی ذلیل، لوگ ہیں۔ جن پر اللہ نے ہم میں سے (اسلام کی توفیق دے کر) اپنا فضل

Marfat.com

کیا ہے (ان کو اتنا تو سمجھنا چاہیئے تھا) کہ کیا اللہ شکر گذار بندوں (کے حال) سے بخوبی واقف نہیں، یعنی ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا سو روسا اور سرداروں کو کمزور لوگوں اور تابعداروں کے ذریعے اس طرح جانچا کہ جب کوئی بڑا آدمی اور سردار کمزور اور تابعدار کو دیکھتا تو اس پر ناک چڑھاتا کہ یہ کیسے مسلمان ہوا اور اسلام اگر کوئی عمدہ نعمت ہوتی تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے ملتی اور ہم محروم رہتے۔ پس اسی گھمنڈ میں وہ نعمت اسلام سے بے نصیب رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس خیال کی تردید کے لیے فرمایا ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ (کیا اللہ شکر گذار بندوں (کے حال) سے بخوبی واقف نہیں) شاکر وہ ہیں جو اللہ کا شکر بجالاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کو فرماتا ہے کہ اگر تمہارے دل بھی اُن کے دلوں کی طرف ہوتے تو تم بھی میری نعمتوں کی قدر کرتے۔ میرا شکر بجالاتے اور مجھے یاد کرتے اور اُنہی کی طرح میرے سامنے عاجزی اور مجھ سے محبت کرتے تو جیسے ان کو نعمت اسلام بخشی ہے تم پر بھی یہ نعمت اسلام انعام فرماتا۔ لیکن تم تو میری نعمت کے قدر شناس نہ تھے۔ اس لیے جو لوگ اُس کے اہل و لائق تھے اُنہی کے حصے میں رہی۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت جگہ ایسا کیا ہے کہ جہاں کہیں کسی خاص نعمت کا ذکر فرمایا ہے تو اپنے علم کا ذکر بھی ساتھ ہی فرما دیا ہے (یعنی اسی تخصیص کی حکمت مجھے ہی معلوم ہے۔ جیسے یہی مذکورہ جملہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ ۝ وقولہ تعالیٰ وَاِذَا جَآءَتْہُمْ اٰیَۃٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (اور جب اُن کے پاس کوئی آیت قرآنی، آتی ہے تو کہتے ہیں جیسی نبوت، پیغمبران خدا کو دی گئی ہے جب تک اسی طرح کی نبوت، ہم کو نہ دی جائے تو ہم ایمان لانے والے ہی نہیں (سو) خدا جس

Marfat.com

جگہ اپنی پیغمبری کی امانت، سپرد کرتا ہے وہ اُس جگہ کے محفوظ اور قابل اطمینان ہونے کو بھی، خوب جانتا ہے) وقولہ تعالیٰ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار جیسے لوگ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ان میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں۔ یہ لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہیں اللہ کی ذات اس سے پاک اور اس کی شان اس سے بہت بلند ہے اور اے پیغمبر جو خیالات یہ لوگ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار اُن کو خوب جانتا ہے، یعنی اللہ سبحانہ پیدا کرنے اور اپنی مخلوق میں سے اختیار و انتخاب یعنی برگزیدہ و پسندیدہ فرمانے میں منفرد و یگانہ ہے۔ اس میں کسی کو کچھ دخل نہیں اسی مطلب کے لحاظ سے لفظ وَيَخْتَارُ پر پورا وقف ہے بندوں کی اُس پسندیدگی کو نے جو اپنی مرضی سے تجویز کی تھی رد کیا اور جتلایا کہ اُس کی باگ اس خلاق علیم کے ہاتھ میں ہے۔ جو اُس کے مواقع و محل کو خوب جانتا ہے۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (کہ ان دو بستیوں یعنی مکے اور طائف، سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا، اُن کا اس میں کوئی حصہ نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے بتلا دیا کہ انبیاء بندوں کی تجویز و پسندیدگی کے موافق مبعوث نہیں ہوتے اور نہ بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ کارخانہ الٰہی میں اپنی پسندیدگی و تجویز سے مداخلت کریں بلکہ وہی ہے جو چاہے پیدا کرے اور جسے چاہے برگزیدہ فرمائے۔ جیسا پیدا کرنے میں اس کا کوئی دخل نہیں اسی طرح نبی و رسول بھیجنے میں اُن کا کوئی اختیار نہیں وہ جسے چاہے نبی بنائے۔ جس نے کلمہ مَا کو يَخْتَارُ کا مفعول قرار دیا ہے اُس نے غلطی کی ہے گو اِنہما

ہو تو لفظ الخیرۃ بنا بر خبر کان منصوب ہو حالانکہ کسی نے اُس کو منصوب نہیں پڑھا یا بتقدیر لفظ فیہ اسم کان قرار دیا جائے بلحاظ قواعد یہ بھی درست نہیں اور نیز جس نے یہاں اختیار بمعنی ارادہ لیا ہے جیسے متکلمین کا قول ہے کہ اللہ سبحانہٗ فاعل بالاختیار ہے۔ اس نے بھی آیت کے معنی نہیں سمجھے متکلمین نے یہ اصلاح کہ اختیار بمعنی ارادہ ہے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے کلام الٰہی میں یہ معنی مراد نہیں لینے چاہئے بلکہ قرآن مجید میں لفظ اختیار کے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی ایک چیز کو پسند اور برگزیدہ کرنا۔ اور اس میں اس چیز کی دوسری چیزوں پر ترجیح۔ تقدیم اور اس کی تخصیص ضروری ہو۔ اختیار کے یہ معنی مطلق ارادہ و مشیت سے خاص ہیں۔

صاحب صحاح نے کہا ہے لفظ الخیرۃ مصدر ہے محاورے میں بولتے ہیں۔ خَارَ اللّٰہُ لَكَ فِیْ ھٰذَا الْاَمْرِ (خدا تعالیٰ تجھے اس کام میں خیر و برکت دے) اور یوں بھی کہتے ہیں مُحَمَّدٌ خِیَرَۃُ اللّٰہِ مِنْ خَلْقِہٖ وَخِیْرَۃُ اللّٰہِ (بلفتح یا و سکون ہر دو) یعنی محمد صلعم تمام مخلوق سے اللہ کے برگزیدہ ہیں۔ لفظ اختیار و تخییر دونوں کا معنی برگزیدہ کرنا اور استخارہ کا معنی طلب خیر کرنا ہے محاورے میں کہتے ہیں۔ اِسْتَخِرِ اللّٰہَ یَخِرْ لَكَ (اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کرو وہ مجھے خیر عطا فرمائے گا) اور خَیَّرْتُہٗ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ کا معنی ہے۔ میں نے اسے دو چیزوں کے درمیان اختیار دے دیا۔ انتہی۔ اختیار کے یہی معنی ہیں جو صاحب صحاح نے بیان کیے ہیں اور یہ معنے اہل کلام کی اصطلاحی سے معنی خاص ہیں۔ اور یہی معنی اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو شایاں نہیں۔ کہ جب اللہ اور اُس کا رسول (ان کے بارے میں، کوئی بات ٹھہرا دیں) تو

Marfat.com

اپنی رائے کو دخل دیں اور، اس بات میں اُن کا (اپنا) اختیار (باقی) رہے
میں مراد ہیں۔ اور وَاخْتَارَ مُوسٰى سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا (اور موسیٰ
نے ہمارے وعدے پر حاضر لانے، کے لیے اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب
کئے) میں بھی مراد ہیں۔

اختیار کا بہ معنی ارادہ کرنے سے قدریہ کے اس سوال کا جواب ہو سکتا
ہے، جو وہ کفر اور معاصی کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی وہ یوں کہتے
ہیں کہ کفر اور معاصی اللہ کے اختیار سے باہر ہیں یا نہیں اگر اختیار سے ہیں یہ
تو قاعدہ ہے جو چیز اختیار سے ہو وہ محبوب و پسندیدہ ہوتی ہے نتیجہ یہ نکلا
کہ کفر اور معاصی بھی خدا تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور اگر اس کے
اختیار سے نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کو ان میں کوئی دخل نہ رہا
اور نظام تقدیر درہم برہم ہو گیا) اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بتلاؤ کہ اختیار
سے کیا مراد لیتے ہیں اختیار سے علم معنی یعنی ارادہ مشیت مراد ہیں جیسے کہ متکلمین
کی اصطلاح ہے اختیار سے خاص معنی مراد ہیں جیسے کہ قرآن مجید حدیث اور
کلام عرب میں واقع ہے اگر پہلا معنی مراد ہے تو ہم کہیں گے کہ کفر و معاصی اس
اختیار سے اللہ کے اختیار سے ہیں لیکن لفظ اختیار کا اطلاق و استعمال درست
نہیں کیونکہ اس میں برگزیدگی اور محبت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا
جائے گا۔ کہ اُس کی مشیت و قدرت سے ہیں۔ اور اس سے یہ نہیں لازم آتا۔ کہ
اُس کے محبوب و مرضی ہوں۔ اور اگر اختیار کا دوسرا معنی مراد ہے جو قرآن اور
لغت عرب کے مطابق ہے تو ہم کہیں گے کہ کفر و معاصی اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ
کے اختیار سے نہیں گو وہ اس کی مشیت سے ہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ یوں کہنا بھی درست
ہے یا نہیں کہ کفر و معاصی اللہ کے ارادے سے ہیں۔ تو ہم یہ جواب دیں گے۔ کہ

Marfat.com

قرآن مجید میں ارادہ کے دو معنی ہیں ایک ارادہ کونی جو تمام مخلوقات کو شامل ہے جیسے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے)، اور وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً (اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے)، اور إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ (اگر اللہ تم کو بہکانا چاہے)، جو اسی قسم کے مواقع میں آیا ہے۔ دوسرا ارادہ شرعی۔ امری اور جس چیز سے یہ ارادہ متعلق ہو اس کا وقوع ضروری نہیں ہے جیسے يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے۔ اور وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر کی نظر رکھے۔ میں ہے پس اگر ارادہ کا پہلا معنی لیا جائے تو کفر و معاصی اس کے ارادے سے ہیں۔ اور اگر دوسرا معنی مقصود ہو تو اس کے ارادے سے نہیں ایسے ہی اگر کوئی پوچھے کہ کفر و معاصی اللہ کے اذن سے ہیں یا نہیں۔ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اذن دو قسم ہے ایک اذن کونی جیسے وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ۔ حالانکہ بے حکم خداوہ اپنی ان باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، میں ہے۔ دوسرا اذن شرعی امری جیسے آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ (کیا خدا نے تم کو اجازت دی ہے) اور أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا (جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اب، ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی، اجازت ہے اس واسطے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے میں ہے۔: لفظ اختیار خیر ضد شر سے مشتق ہے ارادہ کو اختیار اس مناسبت سے کہتے ہیں کہ زندہ شخص خیر اور نافع چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ارادتاً کسی چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دی جاتی ہے تو وہاں کوئی نہ کوئی ایسا مرجح ضرور ہوتا ہے جو فاعل بالارادہ کے نزدیک اس چیز کو ترجیح دیتا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ تخصیص نعمت کے موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے علم کو ذکر

Marfat.com

فرماتا ہے جیسے وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (اور بنی اسرائیل کو ہم نے (دیکھ، سمجھ کر) دنیا کے لوگوں پر فضیلت دی)، اس آیت کا مطلب بالاتفاق یہی ہے۔ ہم کو اس بات کا علم تھا۔ کہ لوگ اس بات کے لائق اور اہل ہیں، کہ انہیں برگزیدہ کیا جائے ہم ان کو اور ان کے حالات اور ان اسباب کو جو ان کے برگزیدہ کرنے کے مقتضی تھے خوب جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے برگزیدہ کرنے کے بیان کے ساتھ اس کی حکمت بھی ذکر فرما دی۔ اسی طرح کئی مواضع میں علم کا ذکر فرمایا ہے، جس سے تخصیص نعمت مو اختیار کی حکمت معلوم ہوتی ہے جیسے وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ٥ (اور ابراہیمؑ کو ہم نے شروع ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی۔ اور ہم اُن (کی صلاحیت) سے (خوب) واقف تھے۔

صحیح تر یہ قول ہے کہ مِنْ قَبْلُ سے یہ مراد ہے کہ نزول تورات سے پہلے، کیونکہ دوسرے مقام میں فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ اور ہم نے موسیٰ و ہارونؑ کو (حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب یعنی تورات، وحی اور (راہ راست دکھانے کے لیے) روشنی اور (سمجھانے کے لیے ایک (نصیحت (نامہ۔ مگر) اُن ہی پرہیزگاروں کے لیے) اور فرمایا ہے وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ اور یہ قرآن بھی نصیحت ہے بابرکت کہ ہم ہی نے اس کو اتارا ہے تو کیا تم لوگ اس کو نہیں مانتے)، اس کے بعد فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ (اور ابراہیم کو ہم نے شروع ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی)، یعنی پہلے اس سے اسی لیے لفظ قبل کا مضاف الیہ حذف کر کے اس کو مبنی علی الضم کیا گیا ہے کہ یہاں مضاف الیہ اگرچہ لفظاً مذکور نہیں، لیکن معنی میں مراد اور معلوم ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے تین نبیوں کا جو کہ آئمۃ الرسل اور اکرم خلق ہیں یعنی

Marfat.com

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت موسٰی و حضرت ابراہیم کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض نے مِن قَبلُ کے معنی حالت صغر اور قبل بلوغ کے لیے ہیں۔ مگر یہاں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس معنی پر دلالت کرے۔ بلکہ سیاق اس بات کو چاہتا ہے کہ مِنْ قَبْلُ کے معنی مِنْ قَبْلِ مَاذُکِرَ ارادہ کئے جائیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ مِنْ قَبْلُ سے اللہ تعالٰی کا علم سابق مراد ہے مگر آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس مطلب پر دال ہو۔ اِس کے علاوہ یہ بات کوئی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر ایک مومن کی ہدایت اللہ تعالٰی کے علم سابق میں مقدر ہو چکی ہے اور وَکُنَّا بِہٖ عَالِمِیْنَ (اور ہم اُن (کی صلاحیت) سے (خوب) واقف تھے) کی تفسیر میں بغوی نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰی کو علم تھا کہ ابراہیم ہدایت اور نبوت کے لائق ہیں۔ ابوالفرج نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰی کو علم تھا کہ وہ ہدایت عطا فرمانے کا محل صالح ہیں۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ کو اُن کے وہ حالات عجیبہ و صفاتِ حمیدہ معلوم ہوئے جن سے ان کو اپنی دوستی و خُلَّتْ کے لائق پایا۔ چنانچہ عرب کے محاورے میں کسی شریف آدمی کی نسبت کہتے ہیں اَنَا عَالِمٌ بِفُلَانٍ (میں فلاں شخص کو جانتا ہوں) اس میں کمال درجہ اس کی تعریف مقصود ہوتی ہے اور خود کلام اللہ میں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں جیسے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (خدا جس جگہ اپنی پیغمبری کی امانت سپرد کرتا ہے وہ اس جگہ کے محفوظ اور قابل اطمینان ہونے کو بھی خوب جانتا ہے) اور وَلَقَدِ اخْتَرْنَاھُمْ عَلٰی عِلْمٍ (اور بنی اسرائیل کو ہم نے (دیکھ) سمجھ کر فضیلت دی) اور اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاہِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (اللہ نے دنیا جہان کے لوگوں پر ترجیح دے کر آدمؑ اور نوحؑ اور خاندان ابراہیمؑ اور خاندان عمران کو چن لیا ہے

Marfat.com

(یہ لوگ ایک ہی آدم کی اولاد تھے) ایک کی نسل۔ ایک اور اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے)
اور آیت وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ (اور ہم نے زور کی ہوا کو بھی سلیمان کا تابع کر دیا تھا کہ وہ اُن کے حکم سے ملک (شام) کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے (طرح طرح کی) برکتیں دے رکھی تھیں) اور ہم سب چیزوں کے حال سے آگاہ تھے (اسی کے قریب ہے یعنی چونکہ ہم ہر ایک کے حال کو جانتے ہیں اس لیے ہر خاص نعمت اُسی کو عطا فرمائی جو اس کے لائق تھا۔

فصل۔ جیسے اللہ سبحانہ کا اپنی مخلوق میں کسی کو ہدایت فرمانا۔ نبی بنانا۔ اور کسی کو گمراہ کرنا۔ علم و حکمت پر مبنی ہے اسی طرح اس کے اوامر و احکام بھی علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ ان میں بڑی بڑی مصلحتیں اور انجام نیک ملحوظ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (مسلمانو تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گذرے گا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اللہ سبحانہ نے اِس آیت میں فرمایا ہے کہ میں نے جو کچھ حکم دیا ہے اس میں بندوں کے لیے جس قدر مصالح و منافع ہیں جو اس کے پسند کرنے اور صادر فرمانے کے مقتضی ہوئے ہیں اُن کو اچھی طرح میں ہی جانتا ہوں۔ بندے کبھی تو اُن منافع سے لاعلمی کے باعث اور کبھی نفرت طبعی کی وجہ سے ہمارے احکام سے ناخوش ہوتے ہیں۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ کو تمام احکام کے وہ انجام خیر معلوم ہیں جن کو بندے نہیں جانتے اور اسی طرح اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے برگزیدہ فرمائے اُس کی حکمت بھی وہی جانتا ہے۔ بندے کیا جانیں۔ اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ کے حکم

Marfat.com

کی اطاعت اور تسلیم کی تاکید اور رضا بالقضا کی ترغیب ہے۔ گو وہ طبائع و نفوس پر گراں و شاق ہو۔ اسی طرح حدیث استخارہ میں اسی امر کی تاکید ہے جیسے آیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ [illegible] حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ [illegible] ہے کہ انسان ایسے کام جو دنیا و آخرت میں نافع ہوں، اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ ان کے منافع و مصالح پر آگاہ اور ان کے کرنے پر قادر نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے کرنے کی توفیق نہ ہو۔ اور ان تینوں چیزوں سے کوئی چیز بھی اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اگر وہ اُن کے منافع کا علم نہ بخشے تو انسان جاہل اور وہ قدرت نہ دے تو وہ عاجز ہے اور قدرت کے بعد اگر وہ توفیق نہ عطا فرمائے تو بھی وہ کام نہ ہو سکے۔ اس لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث استخارہ میں اعلیٰ درجے کی عبودیت ظاہر کرنے کی تعلیم فرمائی ہے یعنی اُس ایزد پاک سے طلب خیر کرنا جو تمام امور کے انجام سے آگاہ ان کے پورے حالات اور اُن کے خیر و شر سے واقف ہے۔ اور اسی سے قدرت چاہنا کیونکہ وہ قدرت نہ دے تو انسان عاجز ہے اور اُسی سے فضل کا سوال کرنا کیونکہ اگر وہ آسان نہ فرمائے۔ اور اُس کی طرف سے توفیق نہ ہو تو اس کام کا بہم پہنچنا دشوار ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے اُس کام کو اس کے لیے پسند فرمائے اور اپنی قدرت سے اس پر اس کی مدد کرے اور اپنے فضل سے وہ اس پر آسان کر دے تو اب انسان اس بات کا محتاج ہے کہ اُسے

Marfat.com

اس برکت کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے اُس میں رکھی ہے باقی اور دائم رکھے۔ اُس کا ثبات اور نموٌ بھی اُس کی برکت میں داخل ہیں۔ باقی اور دائم رکھنا قدرت دینے اور توفیق بخشنے کے علاوہ ایک دوسری نعمت ہے ان سب کے بعد بندہ اس بات کا محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اُس کام پر خوشنودی عطا فرمائے ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے لیے کوئی کام آسان فرما دیتا۔ اور وہ اس پر ناخوش ہوتا ہے حالانکہ اس میں اُس کی بہتری ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ کبھی، آدمی اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کرنا اور اللہ تعالیٰ اُسے ایسے کام کی توفیق بخشتا ہے جس میں اس کی بہتری ہو۔ وہ اُس کا انجام نہیں سوچتا اور نہ اُس کا انتظار کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہونے لگتا ہے حالانکہ اس میں اس کی بہتری ہوتی ہے۔

مسند میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ابن آدم کی سعادت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے اُس کی قضا پر راضی ہو اور اللہ عزوجل سے استخارہ نہ کرنا قضاء الہٰی سے ناخوش ہونا اس کی شقاوت ہے۔ سو ہر مقدر کی نسبت دو باتیں چاہیئے۔ پہلے استخارہ کرنا پھر اس پر راضی ہونا۔ پس بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید اسمیں ہے کہ قبل وقوع مقدور استخارہ کرے اور بعد وقوع اس پر راضی ہو۔

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا ہے کہ مجھے ہر صبح اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ مجھے کوئی پسند خاطر یا ناپسند طبع بات پیش آئے کیونکہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میری بہتری میری محبوب و پسندیدہ چیزیں ہے یا مکروہ و غیر پسندیدہ میں (اس کا علم اللہ تعالےٰ ہی کو ہے۔

حسن کا قول ہے کہ جو تکالیف و مصائب پیش آئیں انہیں برا نہ سمجھو کیونکہ

Marfat.com

بہت سی ایسی چیزیں جن کو تم برا سمجھتے ہو اُن میں تمہاری نجات ہوتی ہے اور کئی ایسی چیزیں ہیں جن کو تم اچھا جانتے ہو اور پسند کرتے ہو اُن میں تمہاری ہلاکت ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ بیشک اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا۔ کہ انشاء اللہ تم مسلمان، مسجد حرام میں بے خوف وخطر باطمینان تمام داخل ہوگے۔ وہاں جاکر تم (کچھ تو) اپنا سر منڈواؤ گے اور کچھ فقط بال ہی کترواؤگے۔ غرض جس بات کی تم کو کچھ خبر نہ تھی خدا کو پہلے سے معلوم تھی پھر (اس خواب کی تعبیر یہ ہوئی کہ) فتح مکہ سے پہلے ایک سردست فتح کرادی) اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اسمیں اس امر کی حکمت فرمائی ہے جس سے صحابہؓ ناخوش ہوئے۔ یعنی حدیبیہ کے سال مشرکوں کا صحابہ کو بیت اللہ سے روک دینا اور ان کا بغیر عمرہ ادا کئے واپس مدینہ چلا جانا ان کو برا معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ تمہارا مطلوب اس سال کے بعد حاصل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اس کے بعد دوسرے سال مکہ فتح ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے قول فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (جس بات کی تم کو خبر نہ تھی خدا کو پہلے سے، معلوم تھی پھر (اس خواب کی تعبیر یہ ہوئی کہ) فتح مکہ سے پہلے ایک سردست فتح کرادی)، میں فتح قریب سے صلح حدیبیہ مراد ہے اور یہ اول فتح ہے جو اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی، حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرادی)، میں مذکور ہے۔ اس سے نصرت۔ غلبہ اسلام۔ بطلانِ کفر اور دین و دنیا کے وہ مصالح حاصل ہوئے جن کا پہلے خیال بھی نہ تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد اہل اسلام اور مشرکین

Marfat.com

کا باہم اختلاط ہوا۔ مسلمانوں نے کلمۂ اسلام اور دلائل و براہین اسلام کو کھلم کھلا اور بے کھٹکے ظاہر کیا۔ اور قریباً اس قدر لوگ مشرف باسلام ہوئے کہ حسب قدر ظہور اسلام اسے لیکر اس وقت تک پہلے تمام سالوں میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور مشرکین کی ہٹ دھرمی، عداوت اور عناد تمام لوگوں کو معلوم ہو۔ عوام اور خواص سب نے جان لیا۔ کہ جناب رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب حق و ہدایت پر اور آپ کے مخالف محض عناد اور ہٹ دھرمی پر ہیں۔ کیونکہ ابراہیم کے عہد سے لیکر اس وقت تک کبھی کسی نے حج یا عمرہ کرنے والے کو بیت اللہ سے نہیں روکا تھا۔ تمام عرب کو قریش کی عداوت و عناد کا یقین ہوا۔ جو بہت سے لوگوں کے مشرف باسلام ہونے کا باعث ہوا۔ مخالفین کی ہٹ دھرمی اور سرکشی و شرارت پہلے سے زیادہ ہوئی۔ اور اسی سے وہ تباہ ہوئے۔ مسلمان صبر کرنے اور احکام خدا و رسول کی اطاعت میں زیادہ ثابت قدم اور چالاک ہوئے۔ یہی اُن کی فتحمندی اور کامیابی کا بھاری ذریعہ تھا۔ اُن کے سوا کئی اور ایسے امور پیدا ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو معلوم تھے۔ اور صحابہ کو اُن کا علم نہ تھا۔ اسی لیے اِس صلح کا نام فتح قرار پایا۔ آنحضرت صلعم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ صلح فتح تھی۔ آپ نے فرمایا بیشک یہ فتح تھی۔

فصل: حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کا یہ قول جو قرآن مجید میں ہے۔

یَآ اَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (ابا جان وہ جو میں نے پہلے خواب دیکھا تھا یہ اس کی تعبیر ہے میرے پروردگار نے (آج) اُس خواب کو سچ کر دکھایا اور اس کے سوا، اس نے مجھ پر (اور بھی) بڑے بڑے احسان کئے

Marfat.com

ہیں کہ دیے کسی کی سفارش کے، مجھ کو قید سے نکالا اور باوجود یکہ مجھ میں اور میرے بھائیوں میں شیطان نے (ایک طرح کا) فساد ڈلوادیا تھا اس کے بعد باہر سے تم سب کو مجھ سے، لا ملایا بیشک میرے پروردگار کو جو کچھ کرنا منظور ہوتا ہے وہ اس کی تدبیر خوب جانتا ہے کیونکہ وہ (ہر ایک بات سے واقف) اور حکمت والا ہے، اسی کے مشابہ ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اس کو نہایت حکمت سے ایسی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ کہ آدمی اس کے اسرار کو نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے اسم لطیف سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ دقائق امور اور مخفیات کا عالم وہ ایسے پوشیدہ طریقوں سے نزول رحمت فرماتا ہے جو انسان کے علم سے باہر ہوتے ہیں۔ لفظ تلطف اسی سے ماخوذ ہے جیسا اصحاب کہف نے کہا وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا (اور وہ چپکے سے لیکر چلا آئے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے، جن امور سے یوسفؑ کا امتحان و آزمائش ہوئی تھی یعنی باپ سے جدا ہونا، کنوئیں میں ڈالا جانا۔ غلامی کی صورت میں فروخت ہونا۔ زلیخا کا اپنے نفس کی خواہش بجھانے کا ان سے ارادہ کرنا۔ اس کی حاجت روائی نہ کرنے پر اس کا جھوٹی تہمت لگانا۔ اور قید خانے میں بھجوانا یہ سب امور اگرچہ بظاہر مصائب و تکالیف تھے۔ لیکن درحقیقت نعمتیں اور کامیابی کا پیش خیمہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں سعادت کا ذریعہ ٹھیرایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جن کاموں کی بجا آوری کا حکم کرتا۔ اور تکالیف و خلاف طبع امور سے آزماتا اور شہوات سے منع فرماتا ہے وہ سب اسی طرح بظاہر تکالیف ہیں لیکن درحقیقت وہ نعمتیں۔ اور دین و دنیا کی سعادت کے ذریعے ہیں۔ جنت کو تکالیف، اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپ رکھا ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو کچھ مقدر

Marfat.com

فرماتا ہے سب میں اس کی بہتری ہے مومن کو اگر نعمت ملے تو شکر بجالائے یہ اس کے حق میں خیر و برکت ہے اور اگر تکلیف پہنچے تو صبر کرے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔ یہ بات کہ نعمت و تکلیف دو نو میں بہتری حاصل ہو۔ صرف شاکر و صابر ایماندار کا حصہ ہے غرض کہ جسے شکر و صبر نصیب ہو۔ اُس کے حق میں جو کچھ مقدر ہو سب بہتر ہی بہتر ہے۔ آدمؑ۔ ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جو واقعات وامور پیش آئے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح بظاہر تکالیف و مصائب تھے۔ لیکن باطن میں وہ اعلیٰ درجے کے کمال اور سعادت حاصل ہونے کے راستے و ذرائع تھے۔ موسیٰؑ کے قصہ میں غور کرو۔ کہ ان کو فرعون کے ہاتھ سے جبکہ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا کس حکمت سے بچایا۔ اُن کی ماں کو حکم دیا۔ کہ اُن کو دریا میں ڈال دے پھر اسی دشمن کے گھر میں پہنچایا جو اُن کے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ اور ان کے مار ڈالنے کی غرض سے اور بچوں کو بھی ذبح کرا دیتا ہے۔ اُسی کے گھر میں رہ کر پرورش پائی اُس کے بعد وہ صورت فرمائی جس سے اُن کو مصر سے نکال کر اُس مقام میں پہنچایا جو فرعون کی حکومت و قلمرو سے باہر تھا۔ پھر تنہائی اور تنگدستی کے بعد نکاح اور دولتمندی کے اسباب بنا دیے۔ اس کے بعد اُسی دشمن (فرعون) کے شہر میں پہنچا کر اُن کے ذریعہ اُسی پر اپنی حجت کو پورا کیا۔ پھر اُن کو اور اُن کی قوم کو مصر سے بظاہر ایسی صورت میں نکالا کہ فرعون کے ڈر کے مارے بھاگتے جاتے تھے۔ حالانکہ درحقیقت یہ اُن کی نصرت اور ان کی آنکھوں کے سامنے اُن کے دشمنوں کی ہلاکت تھی۔ ان سب واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے ارادے کے مطابق جو کچھ کرتا ہے اس میں وہ عواقب حمیدہ اور حکمتیں عظیم ہوتی ہیں جن کے سمجھنے سے مخلوق کی عقلیں قاصر ہیں۔ اور اُس کے ضمن میں اس کی رحمت تام۔ نعمت کامل اور اپنے بندوں کو اپنے اسماء و صفات سے آگاہ کرنا بھی پایا جاتا ہے۔

Marfat.com

آدمؑ کے اس درخت کا پھل کھانے میں جس سے ان کو منع فرمایا تھا۔ اور ان کے جنت سے نکالنے میں وہ کمال درجہ کی حکمتیں ہیں۔ جن کے سمجھنے سے عقول قاصر ہیں۔ اور ایسے ہی جناب سرورکائنات صلعم کو جو جو مصائب پیش آئے وہ ان کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنیکا باعث ٹھہرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے اُن کو نہایت بہتر اور عمدہ انجام کو پہنچایا۔ اور اسی طرح دیگر اولیاء وزاہدین کو اسی قسم کی تکالیف کے ذریعے سے اپنی نعمت بخشتا۔ اور اُن مخفی طریقوں سے انہیں کمال انسانی وسعادت کو پہنچاتا ہے جن کو وہ اُن کا انجام معلوم ہونے سے پہلے نہیں سمجھ سکتا۔ اس امر کی تفصیل نہ تو ذہن میں آسکتی ہے اور نہ زبان کو اس کے بیان کی طاقت ہے۔ تمام مخلوق سے اس امر کو اچھا سمجھنے والے اس کے انبیاء و رسول ہیں اور ان سب سے زیادہ عارف اس بات کے خاتم النبیین افضل الرسل حضرت محمد صلعم ہیں اور آپ کی اُمت۔ ان امور کے جاننے میں انہیں مراتب و درجات پر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات کی معرفت میں انہیں حاصل ہیں۔ اور اللہ سبحانہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ان سب کو جانتا تھا۔ اور اس نے اُن کو مقدر فرمایا اور اپنے پاس لکھ لیا۔ پھر بندے کے پیدا کرنے سے پہلے ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ پہلی نوشت سے دیکھ کر ان کو دوبارہ لکھیں۔ سو بندے کے تمام حالات اُسی پہلی اور دوسری نوشت کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔ ان میں نوشت خدائی سے ذرا بھر کمی و بیشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو لکھنے سے پہلے وہ معلوم تھے پھر اپنے علم کے مطابق اُن کو تحریر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ اِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ (اے پیغمبر) کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے اللہ اُس سے (بخوبی) واقف ہے (اس میں کچھ) شک نہیں کہ (یہ سب باتیں)

Marfat.com

کتاب (لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی موجود) ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں۔ کہ یہ (سب کچھ) اللہ کے لیے آسان ہے) اللہ تعالیٰ کو بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے اُن کے تمام حالات و اعمال و انجام کار معلوم تھے پھر اُن کو دنیا میں پیدا فرمایا۔ اور امر و نہی و خیر و شر سے ان کو آزما کر اپنے اس علم کو جو اُن کی نسبت حاصل تھی ظاہر فرمایا۔ سو اُن اعمال و افعال کی وجہ سے جو اُس کے علم سابق کے مطابق ظہور میں آئے مطیع لوگ مدح و ثواب کے اور عاصی اور نافرمان ذم و عقاب کے مستحق ٹھہرے۔ اگر وہ ان اعمال کو ظہور میں نہ لاتے تو صرف اُس کے علم میں ہونے سے ثواب و عقاب کے مستحق نہ ہوتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کا عذر ہٹانے اور اُن پر حجت قائم کرنے کے لیے اُن کے پاس اپنے رسول بھیجے۔ اُن پر کتابیں نازل فرمائیں اور تمام احکام بتلا دیے۔ تاکہ وہ یہ نہ کہیں کہ اے اللہ تو ہمیں ان باتوں پر جو صرف تیرے علم میں تھیں اور ہمارے کسب و قدرت سے باہر تھیں کیسے عذاب کرتا ہے سو جب ان کے اعمال و افعال سرزد ہوئے اور امتحان و آزمائش میں اُن کا سب حال کھل گیا۔ تو اب مستحق ثواب و عقاب ٹھہرے۔ اور جیسے کہ اُن کو امر و نہی سے آزمایا۔ اسی طرح زیب و زینتِ دُنیا و شہواتِ نفس سے جو اُن کی فطرت میں رکھی گئی تھیں ان کا امتحان کیا غرض کہ اپنے احکام و اوامر اور قضا و قدر سے انکی جانچ فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (جو کچھ روئے زمین پر ہے ہم نے اس کو روئے زمین کی رونق (کا موجب) بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون اچھے عمل کرتا ہے دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ الآية (اور وہی قادر مطلق) ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا تخت (کبریائی) پانی پر تھا (سو اس نے دُنیا کو اس غرض سے بنایا) تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کس کے عمل بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔ کہ اس نے آسمانوں

Marfat.com

زمین کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اپنے بندوں کو اس زمین کے ذریعے آزمائے اور اسکے سے دوسری مخلوق کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور اس سے پہلی آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے موت وحیات کو بندوں کے امتحان کیلئے پیدا کیا ہے سو زندگانی تو اس لیے بنائی ہے کہ انکو دنیا سے آزمائے۔ اور موت اسلئے مقدر فرمائی ہے کہ اس آزمائش کے انجام یعنی ثواب وعقاب کو پائیں پہلی آیت میں یہ بتلایا ہے کہ اس نے دنیا کی تمام زیب وزینت بندوں کے جانچنے کے لیے بنائی ہے کہ کون شخص اس کو چھوڑ کر نعمت عقبے کو اختیار کرتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعے جانچا اور نعمتوں اور مصائب میں ان کا امتحان لیا۔ غرض اس آزمائش سے وہ علم سابق جو پہلے غیب تھا ظاہر وہویدا ہوگیا۔ ابوالبشر آدمؑ اور ابوالجن ابلیس ملعون میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ذریعے آزمایا۔ سو آدمؑ کے امتحان سے اُن کے وہ حالات جو اللہ تعالیٰ کو معلوم تھے ظاہر ہوگئے۔ اور ایسے ہی ابلیس کی آزمائش سے اس کے حالات معلومہ ظہور میں آئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ (مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) اسی طرح ابوالبشر اور ابوالجن کی اولاد میں قیامت تک آزمائش کا دستور جاری ہے سو انبیاءؑ کو اُن کی امتوں کے ذریعہ اور امم کو انبیاء کے وسیلے آزمایا۔

حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے رسول وخلیل حضرت محمدؐ کو فرمایا ہے کہ میں تیری اور تیرے ذریعے اور مخلوق کی آزمائش کروں گا۔ اور قرآن شریف میں فرمایا ہے وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (اور لوگو ہم تم کو بُری اور بھلی حالتوں میں ڈرکھ کر آزماتے ہیں اور آخرکار تم سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے) اور مقام میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً۔ اور ہم نے تم میں ایک کو ایک کے لیے آزمائش کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین آدمیوں کو کوڑھی۔ گنجے اور اندھے کو

Marfat.com

آزمانے کا ارادہ فرمایا سو اس آزمائش سے اُن کے وہ حالات ظاہر ہو گئے۔ جو اللہ تعالیٰ کو اُن کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھے۔ اندھے نے تو اللہ تعالیٰ کے انعام کا اقرار کیا اور کہا کہ میں پہلے اندھا محتاج تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رفضل سے، مجھے آنکھیں اور مال و دولت بخشا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کی غرض سے سائل نے جو کچھ مانگا اسے دے دیا۔ گنجے اور کوڑھی نے اپنی پہلی بدحالی اور محتاجی کا انکار کیا اور مال و دولت کی نسبت کہنے لگے۔ یہ تو ہماری ہاں باپ دادا سے چلا آتا ہے۔ اکثر آدمیوں کا یہی حال ہے۔ کہ پہلی حالت نقصان۔ ناوانی۔ محتاجی اور گناہوں کا اقرار نہیں کرتے اور یہ نہیں کہتے کہ اللہ سبحانہ نے پہلی بُری حالت سے اب اچھی حالت میں کر دیا ہے اِسی لیے اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے مبدأ خلقت پر آگاہ فرماتا ہے کہ اُسے کیسے ضرور ناچیز پانی کے قطرہ سے پیدا کیا ہے اور اس کی پیدائش میں (ایک حالت سے دوسری حالت تک) اُسے کئی پلٹے دیئے ہیں یہاں تک اُسے پورا انسان بنا دیا جو دیکھتا سنتا۔ بولتا۔ پکڑتا اور سمجھتا ہے مگر وہ اپنے مبدأ اور اوّل خلقت اور پہلی حالت کو بھول گیا۔ اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف و اقرار نہ کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ كَلَّا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ۔ (کیا ان میں سے ہر شخص (اس بات کا) آرزومند ہے کہ مزے کے بہشت میں داخل کر لیا جائے گا۔ سو یہ ہونا نہیں ہم نے ان کو اُسی گندی) چیز سے پیدا کیا جو اِن کو معلوم ہے، اگر اس آیت کے دونوں جملوں کے باہم ارتباط پر غور کیا جائے تو اس سے معرفت و علم کا ایک عظیم خزانہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے لفظ مما یعلمون میں انسان کے مبدأ خلقت نطفہ اور اُس کے بعد کے حالات سے اس پر حجت قائم کرنے کو ظاہر فرمایا ہے۔ اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود۔ وحدانیت۔ کمال اور ربوبیت والہیت۔ میں یکتا ہونے پر دلالت کرتی ہے

Marfat.com

اور نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باوجود اس کے کہ آدمیوں کو سمیع بصیر و علیم بنایا ہے مگر پھر بھی انہیں اپنے طور پر نہیں چھوڑ دیا کہ اُن کی طرف رسول نہ بھیجتا، کتابیں نازل نہ فرماتا۔ اُس کے نزدیک مناسب نہ تھا۔ اور وہ ان کے مارنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے اور اس جہان میں لے جانے سے جس میں انکو اپنے اعمالِ نیک و بد کی جزا و سزا ملے عاجز نہیں ہے۔ آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب وہ میری اور میرے رسولوں کی تکذیب کرتے اور باوجود اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ میں نے اُن کو کس چیز سے پیدا کیا ہے۔ پھر بھی میری مخلوق کو میرے برابر ٹھہراتے ہیں پس جنت میں داخل ہونے کی امید وطمع کس طرح رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ (لوگو اب ہی ہم ہی نے تم کو پیدا کیا ہے تو تم (قیامت میں ہمارے دوبارہ پیدا کرنے کو) سچ کیوں نہیں سمجھتے۔ بھی اس آیت کے مشابہ ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے خالق ہونے کے تو مصدق تھے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت سے توحید، معرفت اور تصدیق رسل پر حجت قائم فرمائی۔ اور انہیں اس صفت کے اقرار سے اسماء وصفات کے اقرار، توحید، تصدیق، انبیاء اور ایمان آخرت کی طرف بلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ بندوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر اُن کو اپنی معرفت، محبت، تصدیق انبیاء ایمان آخرت کی طرف دعوت فرماتا ہے جیسا کہ سورہ نعم یعنی سورہ نحل میں خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اسی نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا سے لیکر وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ (اور اللہ ہی نے تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں (اور قسم غار وغیرہ) تمہارے لیے چھپ بیٹھنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے (کپڑے کے) کرتے بنائے جو تم کو گرمی

Marfat.com

سردی سے بچائیں (اور کچھ لوہے کے) کرتے (بنائے یعنی زرہیں جو تم کو تمہاری ایک دوسرے کی) زد سے بچائیں یوں (خدا) اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے تاکہ اس کے آگے جھکو) اپنی نعمتوں کے اصول اور فروغ کا ذکر فرمایا اور ایک ایک نعمت کو شمار کرکے بتلایا ہے کہ یہ نعمتیں اس لیے انعام کی ہیں کہ میرے حکم کو مانو اور تمہیں وہ نعمت اسلام ملے جو سب نعمتوں کی جڑ اور اصل ہے اور اس سے تمہاری نعمتیں درجۂ کمال کو پہنچ جائیں۔ پھر اُن لوگوں کا بیان فرمایا جو اس کے منکر اور اُس کی نعمتوں کے شاکر نہیں یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا (یہ لوگ، خدا کی نعمتوں کو پہچانتے پھر (دیدہ و دانستہ) اُن سے مکرتے ہیں، مجاہدؒ نے کہا ہے یہاں نعمت سے مکانات، چوپائے، مواشی، کپڑے اور زرہیں مراد ہیں جن کو کفار قریش جان بوجھ کر انکار کرتے اور کہتے کہ یہ چیزیں تو ہمارے باپ دادا سے چلی آتی ہیں عون بن عبداللہ کا قول ہے کہ انکار نعمت سے یہ مطلب ہے کہ کفار یوں کہا کرتے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا، تو ایسا ایسا ہو جاتا۔ فراء و ابن قتیبہ کہتے ہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ نعمتیں تو بیشک اللہ کی طرف سے ہیں، لیکن ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملی ہیں ایک جماعت کا قول ہے کہ یہاں نعمت سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے اور اس کے انکار سے آپ کی نبوت سے انکار مراد ہے۔ مجاہد اور سدی سے ایسا ہی مروی ہے۔ نعمت کا پورا انکار اسی صورت میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اس نعمت کا انکار ہے جو سب سے بڑی اور اعلیٰ ہے۔ پہلے دوسرے اور تیسرے معنی کے مطابق انکار نعمت اس طور پر ہوا۔ کہ جب اسے خدا تعالیٰ کے سوا دوسرے کی طرف نسبت کیا، تو غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے نعمت خدا کے منکر ہوئے۔ جس نے یہ کہا کہ یہ ہمارے باپ دادا کی تھیں، ہم پشت بہ پشت اُن سے وارث ہوتے چلے آئے ہیں تو یہ نعمت خدا کا منکر ٹھیرا اور اس کا حال اس کوڑھی اور گنجے کی طرح ہے جن کو فرشتے

Marfat.com

نے خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں۔ اور وہ اُن کے منکر ہو کر کہنے لگے یہ تو ہمارے باپ دادا سے بطور میراث چلی آتی ہیں۔ فرشتے نے کہا اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو پہلی حالت میں کر دے (سو ایسا ہی ہوا) اگر کفار غور کرتے تو نعمتوں کا باپ دادا سے موروثی چلے آنا اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ درجے کا انعام ہے کہ پہلے اُن کے باپ دادا سے بھی نعمتیں بخشیں۔ پھر ان کو بطور میراث عطا فرمائیں۔ سب سے ان سے پہلے فائدہ اٹھایا اور جو یہ کہتا تھا۔ کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا۔ تو ایسا ایسا ہو جاتا۔ اس کے کلام میں بھی اِس ذاتِ الٰہی کی طرف نعمت کو نسبت کرنا نہیں پایا جاتا۔ کہ اگر اُس ذاتِ پاک کی ہستی نہ ہوتی۔ تو نعمت کا نام و نشان نہ ہوتا۔ بلکہ اس نے نعمت کو اس کی طرف نسبت کیا۔ اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جس کی طرف نعمت کو منسوب کیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ سبب کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت اُسے عطا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ سبب کوئی مستقل موجد نہیں ہوتا نیز کسی چیز کو کسی کا سبب بنانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے وہی نعمت بخشنے والا اور وہی اس کے اسباب بہم پہنچانے والا ہے۔ سبب اور مسبب سب اُسی کی نعمتیں ہیں۔ اللہ سبحانہٗ کبھی ایک خاص سبب کے ذریعے نعمت بخشتا ہے اور کبھی بدوں اُسکے عطا فرما دیتا ہے اور وہاں سبب کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور کبھی سرے سے سبب کی سببیت ہی دور کر دیتا اور کبھی ایسی چیز پیدا کر دیتا ہے جو اس کی سببیت کی مقابل و مقادم ہوتی ہے۔ اور کبھی سبب کے خلاف مقتضاء کو اس پر مرتب فرماتا ہے غرض درحقیقت وہی ایک اللہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ جس نے یہ کہا کہ یہ نعمتیں اپنے معبودوں کی سفارش سے ملی ہیں۔ تو اُس کے قول میں شرک اور نعمت کو غیر منعم کی طرف نسبت کرنا دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ معبود جن کی اللہ کے سوا یہ پرستش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کرنے کا مرتبہ نہیں رکھتے بلکہ وہ تو اُس کے ہاں نہایت ذلیل، حقیر اور

Marfat.com

اپنے پجاریوں سمیت ذلت اور عذاب میں گرفتار کیے جائیںگے۔ اور تمام مخلوق میں سے اُس کا زیادہ مقرب اور پیارا اس وقت سفارش کرے گا جب وہ اجازت فرمائے گا۔ پس سفارش جو اس کی اجازت کے بعد ہے۔ یہ بھی تو اُسی کی نعمت ہوئی غرض شفاعت کی اجازت دینا اسے مقبول فرمانا اور اس کا اہل بنانا یہ سب اُسی کی نعمتیں ہیں۔ کیونکہ نہ تو ہر شخص شفاعت کا اہل ہے۔ اور نہ ہر کسی کو شفاعت کی اجازت ملے۔ اور نہ ہر ایک کی سفارش قبول ہو۔ پس درحقیقت اس کے سوا اور کوئی منعم نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ اور جتنی نعمتیں تم کو حاصل ہیں وہ سب، خدا ہی کی طرف سے ہیں سو بندہ دنیا و آخرت میں اُس کی نعمت فضل، منت و احسان سے ایک لحظہ بھی خالی نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ جس کو وہ اپنی کوئی نعمت عطا فرمائے اور وہ کہے کہ یہ تو میری لیاقت وعلمیت سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ دوسری آیت شریف میں آیا ہے وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ تو انسان کی عادت ہے کہ اس کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب اس کو ہم اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں۔ تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھ کو بس (میری) لیاقت کی وجہ سے ملی ہے۔ بغوی نے کہا ہے عَلٰی عِلْمٍ کا مطلب یہ ہے وہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ میں اس نعمت کے لائق اور اس کا مستحق ہوں۔ مقاتل کا قول ہے کہ اللہ کو میری خیر و خوبی کا علم۔ ایک اور جماعت نے بھی بغوی کے موافق کہا ہے ان دونوں قوموں کا مطلب یہ ہے کہ وہ نعمت مجھے اس لیے عطا ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ میں اسکے لائق اور اُس کا مستحق ہوں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نعمت مجھے اس لیاقت وعلمیت کے سبب ملی ہے جو رزق کمانے کے طریقوں میں مجھے حاصل ہے۔ قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے اس کا

Marfat.com

مطلب یوں بیان کیا ہے کہ جب دنیا میں یہ نعمت مجھے عطا ہوئی ہے، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری عزت اور بزرگی ہے۔ مجاہدؒ کے قول علیٰ شرف فید جو عَلٰی عِلْمٍ کی تفسیر میں ہے، کا یہی معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کیلئے فرمایا بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ (بلکہ وہ نعمت آزمائش ہے)، یعنی یہ نعمت جو ہم نے اُسے عطا کی ہے، یہ ایک فتنہ آزمائش اور سختی و مصیبت ہے۔ جس سے ہم اس کو جانچتے اور اُس کا امتحان کرتے ہیں اسی سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ہمارا برگزیدہ و پسندیدہ اور محبوب و مقرب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قارون کے قصے میں فرمایا ہے۔ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ط کارون نے۔ یہ خیال نہ کیا کہ اس سے پہلے خدا گذشتہ اُمتوں میں سے ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو (نوکروں چاکروں کا اس سے کہیں زیادہ بل بوتا رکھتے تھے اور ان کے پاس جمع (پونجی بھی (اس سے) بہت زیادہ تھی۔ سوال اگر مال و دولت، قوت و جاہ کا عطا فرمانا اس شخص سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی بزرگی قدر و علو مرتبہ پر دلالت کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جنہیں قارون سے زیادہ، مال و دولت بخشا تھا کبھی ہلاک نہ کرتا۔ لیکن جب باوجود اس بے انتہا عطا و بے شمار بخشش کے ہلاک کر دیا تو معلوم ہوا کہ یہ مال و دولت کا عطا کرنا امتحان و آزمائش کے لیے تھا۔ نہ کہ محبت، خوشنودی، اور اُن کی بزرگی کی وجہ سے اسی واسطے دوسری آیت میں فرمایا ہے بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ یعنی یہ نعمت ایک فتنہ (آزمائش) ہے۔ نہ عزت و کرامت وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (لیکن اکثر لوگ اس بات سے واقف نہیں)، پھر اس مضمون کو اس قول (قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا (جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں وہ بھی ایسی باتیں بکا کرتے تھے تو جو کچھ وہ کرتے رہے (کچھ بھی) انکے

کام نہ آیا اور اُن کے اعمالِ بد کے بُرے نتیجے اُن کو پہنچے (پر پہنچے)، مؤکد فرمایا ہے یعنی جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں جب ہم نے اُن کو اپنی نعمتیں بخشی ہیں۔ تو انہوں نے بھی یہی بات کہی تھی۔

ابن عباس کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو مال دنیا عطا فرمایا۔ تو وہ اس نعمت سے نہایت خوشی میں آ کر سرکش و متکبر ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ یہ اللہ کے ہاں سے ہماری عزت و بزرگی ہے جملہ فَمَا اَغْنٰی عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ تو جو کچھ وہ کرتے رہے (کچھ بھی) اُن کے کام نہ آیا) کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خیال کیا تھا کہ ہمارے ہاں سے یہ نعمتیں ان کو بطور عزت ملی ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہ تھا کیونکہ وہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اور ان کی کمائی ذرا بھی کام نہ آئی۔ اور یہ راز کھل گیا کہ یہ نعمتیں اس لیے عطا نہ ہوئی تھیں کہ وہ ہمارے ہاں معزز تھے اور جن کو ان سے محروم رکھا تھا وہ ذلیل تھے۔ ابو اسحاق کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انکے اس قول سے کہ یہ نعمتیں ہم کو بطور عزت ملی ہیں اور ہم انکے سزاوار تھے ان کے اعمال حسنہ ضائع ہو گئے۔ اعمال حسنہ ضائع کرنیکو مجازاً ان لفظوں یعنی فَمَا اَغْنٰی عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ پس اللہ نے اُن کے اس جھوٹے گمان و غلط خیال کو اس قول اَوَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ (کیا ان کو اتنی بات معلوم نہیں کہ اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے، تنگی کر دیتا ہے اسے باطل فرمایا۔ غرض عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ میں لفظ علم سے اگر اس شخص کا علم مراد ہو جس کو نعمت دی گئی تو یہ مطلب یہ ہو گا کہ یہ نعمت مجھے اس علم، تجربے اور دانش کی وجہ سے ملی ہے جو مجھے حاصل تھے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت مجھے اس وجہ سے ملی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ میں اس نعمت کا اہل و مستحق ہوں اور اُس کو معلوم تھا کہ مجھ

Marfat.com

میں وہ خوبی تھی جس کے باعث میں اس کے سزاوار اور لائق تھا۔ اور یہ اس کی طرف سے میری نوازش و عزت افزائی ہے۔ بعض نے دوسرے معنی کو اس لحاظ سے ترجیح دی ہے کہ قائل نے کلمہ (اُوْتِیْتُہٗ مجھے وہ نعمت ملی ہے) کہا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے اُسے اپنے علم و دانش سے کمایا اور حاصل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس بات کا معترف ہے کہ وہ نعمت کسی دوسرے نے اُسے عطا کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول بَلْ ھِیَ فِتْنَۃٌ (بلکہ یہ نعمت ایک آزمائش ہے) اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت اُسے اس وجہ سے نہیں عطا ہوئی کہ وہ ہماری بارگاہ میں صاحب عزت ہے بلکہ وہ اس کے امتحان و آزمائش کے لیے عطا کی گئی ہے کہ وہ ہمارا شکر بجالاتا یا ناشکری کرتا ہے اور یہ مضمون اس آیت کے موافق ہے

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار (اس طرح پر) اُس (کے ایمان) کو آزماتا ہے کہ اس کو عزت و نعمت دیتا ہے تو وہ خوش خوش ہو کر کہتا ہے کہ جب وہ اس (کے ایمان) کو (اس طرح پر) آزماتا ہے کہ اس کی روزی پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ تنگ دل ہو کر بڑبڑاتا پھرتا ہے کہ میرا پروردگار مجھے ذلیل سمجھتا ہے جس کو نعمت عطا ہوتی ہے وہ اس بات کا معترف ہے کہ پروردگار ہی نے اُسے وہ بخشی ہے۔ لیکن اس کا یہ گمان کہ یہ اس کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے عطا ہوئی ہے غلط ہے۔ پہلے معنی کی صورت میں آیت میں اُن لوگوں کی مذمت ہے جو نعمتوں کو اپنی ذات اپنے علم و قوت کی طرف منسوب کرتے اور انہیں اللہ کے فضل و احسان سے نہیں سمجھتے ہیں یہ اُن کی صریح ناشکری ہے۔ شکر کی جڑ یہی ہے کہ نعمت کے اعتراف کے ساتھ اس بات کا بھی معترف ہو کہ یہ اُس منعم کی طرف سے ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور

Marfat.com

جب غیر کی طرف نسبت کیا، کفرانِ نعمت ہوا۔ اور جب یہ کہا کہ یہ مجھے اپنے علم و دانش سے حاصل ہوئی ہے تو اسے اپنی ذات کی طرف نسبت کیا اور اس پر مغرور ہوا جیسے ان لوگوں نے اپنی قدرت کی طرف نسبت کیا تھا جو یہ کہتے تھے۔ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً (ہم سے زور میں کون زیادہ ہے) سو وہ اپنی قوت پر مغرور ہوئے اور یہ اپنے علم پر اُن کو ان کا زور قوت کچھ کام نہ آیا۔ اور اسے اِس کے علم نے کچھ نفع نہ دیا۔ اور دوسرے معنی کی صورت میں آیت میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام اس وجہ سے ہے کہ وہ اس کے اہل و مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے نعمت کا سبب اپنے اُن صفات کو قرار دیا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کے انعام کے مستحق ہیں اور یہ سمجھا کہ یہ نعمت ان کے احسان و خوبی کا بدلہ ہے اور اس کا سبب وہی صفات ہیں جن کے ساتھ وہ موصوف ہے۔ خدا تعالیٰ کے جود، احسان فضل و منت کو اس کا سبب نہ سمجھا اور نہ یہ جانا کہ یہ نعمت اُس کی آزمائش و امتحان ہے کہ شکر بجالاتا یا ناشکری اختیار کرتا ہے اور اس کی کسی خوبی یا عمل کا بدلہ نہیں۔ اگر بالفرض اس کے کسی عمل یا خوبی کے عوض میں ملی ہے تو وہ خوبی یا عمل بھی خدا تعالیٰ ہی کی دی ہوئی نعمت ہے۔ غرض نعمت اور اس کا سبب سب کچھ اُسی کی منت فضل اور جود سے ہے بندہ اپنے اختیار سے ایک ذرہ بھر اپنی بہتری نہیں کر سکتا۔ سو ایسے لوگوں نے اگر نعمت کو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیا ہے۔ لیکن من کل الوجوہ اور پورے طور اُسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ حالانکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ وحدہ کی ذات پاک من کل الوجوہ تمام نعمتوں اور انکے اسباب کی منعم ہے۔ نعمتوں کے اسباب اگرچہ بندے کے کسب اور کوشش سے حاصل ہوں پھر بھی یہ اسی کی نعمتیں ہیں کیونکہ کسب اور کوشش بھی اُسی کی دی ہوئی نعمت ہے۔ غرضیکہ سب نعمتیں یہاں تک شکر نعمت اللہ وحدہ کی طرف

Marfat.com

سے ہیں۔ شکر بجائے خود ایک نعمت ہے۔ اور اس کی توفیق بغیر کوئی اسے بجا نہیں لا سکتا۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے پروردگار میں تیرا شکر کس طرح بجا لا سکتا ہوں کیونکہ شکر بجائے خود ایک ایسی نعمت ہے کہ پھر اُس کا شکر ضروری ہے اس طرح اس سلسلے کی کوئی نہایت نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد۔ اب تو نے شکر کا حق ادا کیا۔ اِس حدیث کو امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور نیز یزابت حسن ذکر کیا ہے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہا اگر میرے بدن کے ہر بال کی بجائے دو دو زبانیں ہوں جو رات دن تمام زمانہ تیرے ذکر میں مصروف رہیں تو اے اللہ تیری ایک نعمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ کلام شاکرین کی حالت اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ کہنے والوں کی حالت سے بالکل جداگانہ ہے۔ اور اسی آیت کے لگ بھگ یہ دوسری آیت ہے لَا یَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ وَاِنْ مَّسَّہُ الشَّرُّ فَیَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ھٰذَا لِیْ آدمی بہتری کی دعا مانگنے سے (کبھی) نہیں اکتاتا اور اگر اُس کو تکلیف کے بعد ہے تو دل شکستہ (اور) بالکل ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے اور تکلیف کے بعد ہم اس کو اپنی مہربانی کی، لذت چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا ہو لیا، ھٰذَا لِیْ کی تفسیر میں ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ یہ تو میرے اپنے گھر کا ہے۔ مقاتل نے کہا ہے۔ کہ میں اس کا مستحق تھا۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ میری کوشش سے حاصل ہوا۔ اور میں اس کا سزاوار تھا۔ زجاج نے کہا ہے کہ یہ میری کوشش کے لیے ضروری تھا۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو نہایت بُری صفتوں سے موصوف فرمایا کہ اگر اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو یاس اور ناامیدی کی حالت میں ہو جاتا ہے اور اگر اسے بھلائی پہنچے تو اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے وہ نعمت اُسے عطا فرمائی ہے (بلکہ اترانے

Marfat.com

لگتا اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اس نعمت کا مستحق و سزاوار تھا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے (ایک دوسرے خیال) انکار بعث کو ذکر کیا اور فرمایا ہے وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً (اور میں نے سمجھنا کہ کبھی) قیامت برپا ہو۔ ساتھ ہی اس کے اُس کے اس غلط گمان کو کہ اگر بالفرض وہ دوبارہ زندہ کیا گیا تو اس کو وہاں بھی بھلائی ہی ملے گی ذکر فرمایا۔ ایسے نہایت درجہ کے جاہل و مغرور ہیں۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے قول وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اور علم ہوتے ساتے اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے) کے متعلق بعض اہل علم کہتے ہیں۔ کہ یہاں علم سے یہ مراد ہے کہ اس گمراہ شخص کو معلوم تھا کہ اس کا معبود اُسے کچھ نفع یا ضرر نہیں دے سکتا اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس شخص کو وہ علم حاصل تھا جس سے اس پر حجت قائم ہو سکے اور اسے جہالت و نادانی کی حالت میں گمراہ نہیں کیا۔ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پس کسی کو اللہ کا ہم پلہ نہ بناؤ اور تم تو جانتے بوجھتے ہو اور فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (اور اسی تدبیر سے) ان کو راہ راست کے اختیار کرنے، سے روکا تھا اور سزدیں) تو وہ (بڑے) سوجھ بوجھ کے لوگ تھے) اور وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور باوجود یہ کہ اُن کے دل اُن (معجزوں) کا یقین کر چکے تھے (مگر) انہوں نے ہیکڑی اور شیخی کے مارے ان کو نہ مانا اور وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی کا کھلا ہوا) معجزہ دیا تھا پھر بھی لوگوں نے (نہ مان کر) اس کو ستایا) اور موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے یہ کہنا لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ .... (آپ اتنی بات دل میں ضرور جان چکے ہیں کہ آسمان و زمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے اتارے ہیں (اور لوگوں کے لیے یہ دسوجھ کی باتیں ہیں۔ اور اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

Marfat.com

اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات وغیرہ) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (اسی طرح ہمارے) ان پیغمبر محمد) کو بھی پہچانتے ہیں (اور) اُن میں سے کچھ لوگ (ایسے بھی ہیں جو) دیدہ و دانستہ حق (بات) کو چھپاتے ہیں) اور فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (دیکھو یہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ) ظالم حقیقت میں، اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دیئے پیچھے گمراہ قرار دے تاوقتیکہ اُن کو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے ہیں) اس کے مشابہ ہیں ان کے علاوہ اس کے اور بھی کئی نظائر ہیں اس معنی کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ ہدایت کے رستے پر نہیں چلتا اور جان بوجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم سے اللہ نے اُسے نفع نہ دیا (یعنی، اس نے اپنے علم پر عمل نہ کیا) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گمراہ شخص محض نفسانی خواہش کا پیرو ہوتا ہے اِسے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ بہتری اور ہدایت کے خلاف کام کرتا ہے۔ اور چونکہ ہدایت میں دو چیزیں ہیں یعنی حق کو پہچاننا اور اس پر عمل کرنا۔ تو اُن میں سے ہر ایک کی ضد یعنی جہالت اور ترک عمل گمراہی ہوگی۔ پہلی علم کے رو سے اور دوسری عمل کے لحاظ سے ہے۔

لفظ عَلٰى عِلْمٍ قرآن کریم میں تین جگہ فرمایا۔ (۱) وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ (۲) وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (۳) قَالَ اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ پہلے موقع میں تو بالاتفاق علم سے اللہ تعالیٰ کے علم مراد ہے اور دوسرے اور تیسرے موقع میں دو قول ہیں لیکن دوسرے موقع میں راجح یہ ہے کہ یہاں بھی اللہ کا علم مراد

Marfat.com

ہے جمہور سلف کا یہی قول ہے. تیسرے موقع میں دونو قول یکساں محتمل ہیں اور اپنے موقع پر ان کی وجوہ ذکر کیے گئے ہیں. واللہ علم. یہاں ہمارا مدعا یہ ہے کہ قضا و قدر کے مراتب علم کتابت مشیت وخلق کو ذکر کریں۔

Marfat.com

گیارھواں باب

قضاؤقدر کے دوسرے مرتبہ کتابت کے بیان میں

شروع کتاب میں وہ آیات اور صحیح وصریح حدیثیں بیان ہوچکی ہیں جو قضاؤ قدر کے اس مرتبہ کے ثبوت پر دال ہیں۔ اب یہاں ہم صرف ان آیات و احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو پہلے مذکور نہیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ (اور ہم زبور میں (پندو) نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین (کی سلطنت) کے وارث ہوں گے جو لوگ خدا کی عبادت کرنے والے ہیں بلاشبہ اُن کے لیے اس میں ایک (بشارت کا) پہنچا دینا ہے) زبور سے یہاں صرف داؤد کی زبور مراد نہیں بلکہ تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ اور ذکر سے وہ ام الکتاب مراد ہے جو اللہ کے پاس ہے ارض سے جہان دنیا اور عباد صالحون سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سب سے زیادہ صحیح یہی قول ہے اور رسول خدا صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانات میں سے یہ ایک نشان ہے۔ کہ آپ نے اس بات کا مکے میں اعلان فرمایا۔ اس وقت تمام روئے زمین پر آپ کے اور آپ کے صحابہ کے مخالفین کافر لوگ مسلط تھے۔ مشرکین نے اُن کو اپنے وطن اور گھر بار سے نکال دیا اور دُور دراز ملکوں میں متفرق کر دیا تھا۔ سو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتلایا کہ وہ کتاب اوّل میں لکھ چکا ہے کہ کفار کے بجائے ملک کی حکومت و سلطنت کے مسلمان مالک ہوں گے۔ اور اس حکم کو تمام آسمانی کتابوں میں بھی لکھدیا ہے کتاب پر لفظ ذکر کا اطلاق صحیح حدیث سے ثابت ہے چنانچہ آیا ہے کَانَ اللّٰہُ وَ لَمْ یَکُنْ شَیْئٌ غَیْرَہٗ وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ وَکَتَبَ فِی الذِّکْرِ کُلَّ شَیْئٍ (ایک اللہ تھا) اس کے سوا کوئی چیز نہ تھا۔ اس کا عرش پانی پر تھا اور ذکر (لوح محفوظ) میں سب کچھ دیا تھا) اسی ذکر میں یہ بھی لکھا تھا کہ دُنیا کی حکومت امت محمدیہ کو ملیگی۔ اور کتاب منزلہ پر لفظ زُبُر کا اطلاق خود قرآن مجید میں موجود ہے چنانچہ آیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ (اور (اے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے (بھی) یہی تمہاری ہی طرح کے، آدمی (پیغمبر بنا کر) بھیجے تھے (اور بھیجے تھے تو) دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ کہ ان کی طرف وحی بھیجی دیا کرتے تھے تو (ان منکروں سے کہو کہ) اگر (یہ بات) تم کو خود معلوم نہیں تو (پچھلی آسمانی کتابوں کے) پڑھنے پڑھانے والوں سے پوچھ دیکھو، یعنی ہم نے انبیاء کو کھلم کھلے معجزے اور وہ کتابیں دیکر بھیجا جو سراپا ہدایت اور نور تھیں۔ یہاں ذکر سے وہ کتابیں مراد ہیں جو رسولِ خدا کے معبوث ہونے سے پہلے نازل ہوئیں تھیں۔ یعنی تورات وانجیل اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (اور اسی طرح، ہم نے تم پر (بھی)، یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو احکام لوگوں (کی ہدایت) کے

Marfat.com

لیے اُن کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تم اُن کو اچھی طرح سمجھا دو) میں لفظِ ذکر سے قرآن کریم مراد ہے۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ تمام موجودات اپنے وجود سے اللہ تعالیٰ کو معلوم اور اس کے پاس مرقوم ہیں۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (بیشک ہم ہی مردوں کو جلائیں گے اور جو عمل زادِ آخرت بنا کر لوگ اپنے آگے) آگے بھیجتے ہیں اور جو آثار اُن کے مرے پیچھے دُنیا میں باقی رہ جاتے ہیں ہم سب کو لکھ رہے ہیں اور ہم نے تو سب چیزوں کو کتابِ واضح یعنی لوحِ محفوظ میں قلم بند کر رکھا ہے، اس آیت میں اللہ جل شانہ نے دو نوشتوں کو یعنی ایک اس کو جو بنی آدم کے وجود سے پہلے ان کے اعمال کی نسبت ہو چکی ہے اور دوسرے اس نوشت کو جو اُن کے اعمال صادر ہونے پر ساتھ ساتھ ہوتی ہے ذکر فرمایا اور بتلایا ہے کہ وہ انہیں موت کے بعد بعث کے لیے دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اور متنبہ فرمایا کہ تمہارے اعمال اس غرض کے لیے لکھے جا رہے ہیں کہ تمہیں اُن کی جزا و سزا ملے۔ فرمایا تمام زندگی میں جو کچھ خیر و شر کرتے ہیں وہ سب ہم لکھ لیتے ہیں اور آثار سے وہ رسوم نیک یا بد مراد ہیں جن کو جاری کیا اور اُن کے مرنے کے بعد لوگ اُن پر چلتے رہے۔

بروایت عطا ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ آثار سے وہ خیر یا شر مراد ہے جس کو مرنے کے بعد چھوڑا چنانچہ دوسرے موقع میں آیا ہے یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (اس دن انسان کو جتا دیا جائے گا کہ کیسے اعمال اس نے پہلے سے زادِ آخرت بنا کر) بھیجے ہیں اور کیسے آثار دہ دُنیا میں پیچھے چھوڑ آیا ہے، اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ مضمون تو لفظ قدّموا سے سمجھا گیا ہے پھر لفظ آثار ہم کے لانے سے کیا فائدہ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ آثار ہم سے یہ عظیم فائدہ

Marfat.com

حاصل ہوا ہے کہ اللہ سبحانہ اُن کے اعمال اور نیز وہ چیزوں جو اُن کے اعمال کے ذریعے پیدا ہوں سب کو تحریر میں لاتا ہے جو چیزیں کہ اُن کے اعمال کے ذریعے پیدا ہوں خیر ہو یا شر اس کے عامل اور فاعل وہی ہیں۔ پس آثار ہم سے ان کے اعمال کے آثار مراد ہیں۔ اور مقاتل کے قول سے یہ قول زیادہ عام ہے شاید کہ مقاتل نے سلف کے طور پر ذکر لفظ عام کی تفسیر میں مدلول کے ایک نوع یا نوع کے ایک فرد کو بطور تمثیل و تقریب ذکر کر دیتے ہیں تمثیل اور بیان کو مدنظر رکھا ہے حصر و احاطہ اسے مقصود نہیں۔

بروایت عکرمہ انس و ابن عباس نے فرمایا ہے کہ یہ آیت بنی سلمہ کے حق میں جب کہ انہوں نے مسجد نبوی کے پاس اس وجہ سے سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا کہ اُن کے گھر مسجد سے زیادہ دُور تھے۔ اور نماز کے لیے آنے میں تکلیف تھی، نازل ہوئی۔ جب اس کا نزول ہوا تو بنی سلمہ کہنے لگے کہ اب ہم دُور ہی رہینگے (اور وہاں سے چل کر آنیکا ثواب حاصل کریں گے) جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ اُن کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جو ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ بنی سلمہ مدینے کے ایک کونے میں رہتے تھے۔ پھر انہوں نے مسجد کے پڑوس میں آنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی الآیہ۔ نازل ہوئی۔ رسول خداؐ نے فرمایا اے بنی سلمہ اپنے مکانوں میں ٹھیرے رہو۔ تمہارے نشان قدم اللہ کی درگاہ میں، لکھے جاتے ہیں۔ مسلمؒ نے بھی اپنی صحیح میں بروایت جابر و انس ایسا ہی روایت کیا ہے۔ لیکن اس قول میں نظر ہے کیونکہ سورہ یٰس مکے میں نازل ہوئی اور بنی سلمہ کا قصہ مدینے کا ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیت مذکورہ مدنی ہے اور عمدہ جواب یہ ہے کہ بنی سلمہ کے قصہ کی نسبت یہ آیت ذکر کی گئی۔ اور وہ قصہ بھی اس کا مصداق ہو۔ صحابہؓ نے آنحضرتؐ یا جبرائیلؑ سے اسے ذکر کیا ہو

پھر راوی نے اس ذکر کرنے کو نزول سے تعبیر کیا۔ جو لوگ ایسی آیات کے متعلق یہ کہا کرتے ہیں، کہ یہ دو بار نازل ہوئیں۔ غالباً ان کا مطلب یہی ہو گا غرض کہ مساجد کی طرف آنے میں انسان جو قدم اٹھاتا ہے وہ منجملہ ان آثار کے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ (بندے کی نیکیوں میں) لکھتا ہے۔

عمر بن خطاب کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ابن آدم کے کسی کام کو بے لکھے چھوڑتا۔ تو اس کے اس کھوج کو نہ لکھتا جو ہواؤں کے چلنے سے مٹ گیا ہو۔ مسروق کا قول ہے کہ آدمی کے ہر ایک قدم کے ساتھ نیکی یا بدی لکھی جاتی ہے۔ خلاصہ کلام اللہ تعالیٰ کے قول وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (جس میں امام مبین سے سے لوح محفوظ مراد ہے اور وہی ام الکتاب ہے اور وہ ذکر ہے جس میں سب چیزیں لکھی گئی ہیں)، سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ بندوں کے اعمال ان کے صدور سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا عالم، حافظ اور اُن کی تعداد سے پورا واقف ہے۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ (اور جتنے حیوانات زمین میں چلتے پھرتے، ہیں اور جتنے پرندے اپنے دو پروں پہ اُڑے اڑے پھرتے ہیں یہ سب تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں۔ لوح محفوظ میں (سب لکھے ہوئے موجود ہیں)، ہم نے (لکھنے) سے کوئی چیز فروگذاشت نہیں کی۔ پھر (قیامت کے دن سب کے سب) اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر کیے جائیں گے)، اس آیت میں جو لفظ کتاب میں مذکور ہے اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ بعض نے کہا لوح محفوظ۔ پہلے قول پر لفظ من شیءٍ سے جو عام ہے خاص وہ امور مراد ہیں جو ضروری دکار آمد ہیں مطلب یہ ہو گا کہ ہم

Marfat.com

نے قرآن میں وہ چیزیں جن کا ذکر و بیان مسلمانوں کے لئے ضروری و مفید مناسب ذکر کر دی ہیں چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَنَزَّلْنَا اِلَیْكَ الْكِتَابَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (اور اے پیغمبر) ہم نے تم پر (یہ) کتاب نازل کی ہے (جس میں) ہر چیز کا بیان (شافی ہے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بالعموم تمام چیزیں مراد ہوں۔ اور مطلب یہ ہو کہ قرآن میں سب چیزیں بالاجمال اور بعض بالتفصیل مذکور ہیں جیسا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بالوں کو پیوند کرنے والی اور پیوند کرانے والی دونو پر لعنت فرمائی ہے۔ تو میں ایسے آدمی پر جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ملعون ٹھیرایا ہے کیونکہ لعنت نہ کروں اس پر ایک عورت نے کہا میں نے تمام قرآن پڑھا ہے مگر اس میں واصلہ اور مستوصلہ کی لعنت کہیں نظر نہیں آئی۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا اگر تو (غور سے) پڑھتی تو یہ مسئلہ تمہیں ضرور ملجاتا دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (اور مسلمانو جو چیز پیغمبر تم کو دیدیا کریں وہ تو لے لیا کرو اور جس سے منع کریں (اس سے) دست کش رہو) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے واصلہ اور مستوصلہ پر لعنت فرمائی ہے۔ امام شافعیؒ کا مقولہ ہے کہ کسی مسلمان کو کسی قسم کا کوئی واقعہ پیش آئے۔ قرآن کریم میں ہر ایک کے متعلق فیصلہ و دلیل موجود ہے۔ اور جو لوگ کتاب سے لوح محفوظ ارادہ کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں تمام چیزیں لکھ رکھی ہیں۔ ایک روایت میں ابن عباسؓ سے ایسا ہی مروی ہے اور یہی ظاہر اور سیاقِ آیت بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (اور جتنے حیوانات زمین میں (چلتے پھرتے) ہیں اور جتنے پرند اپنے دو پروں پر اڑتے پھرتے ہیں یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں) اس

Marfat.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ چرند، پرند بھی، خلق، رزق، کھانے پینے، اور تقدیر سابق میں ہماری ہی طرح ہیں۔ اور وہ بھی بیکار نہیں بنائے گئے۔ بلکہ وہ حکم کے تابع اور منقاد ہیں۔ اُن کے خلق، اجل، رزق اور مآل کار کو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے۔ پھر اُن کی وہ حالت جو اُن کے فنا کے بعد ہو گی ذکر کرتے ہوئے فرمایا ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ان کے مبداء و منتہیٰ دونو کو ذکر کیا۔ اور اُس کے درمیان یہ فرمایا۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۔ یعنی تمام چیزیں اپنی ہستی سے پہلے لکھی گئیں اور مقدر و محفوظ ہو چکی ہیں۔ اس اس لحاظ سے کتاب سے قرآن مجید اور من شیئ سے امرونہی ارادہ کرنا مناسب نہیں۔ بلکہ کتاب سے لوح محفوظ مراد لینا مناسب ہے لیکن جو شخص پہلے قول کی تائید میں ہو وہ اس کا جواب اس طرح دے سکتا ہے، کہ کتاب سے قرآن کریم ارادہ کرنے میں کوئی بُعد نہیں۔ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اس ذکر و بیان پر حاوی ہے کہ تمام چیزیں پہلے سے لکھی گئی ہیں۔ پس تمام چیزیں جو ہو چکی ہیں یا آئندہ قیامت تک موجود ہونگی قرآن میں اجمالاً یا تفصیلاً مذکور ہیں ایک اور وجہ سے بھی پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے کہ آیت مذکورہ اس آیت وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور کافر کہتے ہیں کہ اس مدعی رسالت کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان (یعنی معجزہ جیسا ہم کہتے ہیں) کیوں نہیں اتارا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تم ان کے جواب میں) کہو کہ اللہ نشان (یعنی فرمائشی معجزے کے اُتارنے پر بھی) قادر ہے۔ مگر ان میں کے اکثر (خدا کی مصلحتوں کو) نہیں جانتے) کے بعد آئی ہے سو اللہ تعالیٰ نے (کفار کے سوال کے مطابق) ان کو اُس ایسے بڑے اور عظیم الشان معجزے پر آگاہ فرمایا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی روشن

Marfat.com

دلیل ہے یعنی وہ کتاب مجید جو ہر ایک چیز کے بیان پر حاوی ہے اور کوئی چیز اُس میں نظر انداز نہیں کی گئی، پھر انہیں یہ بتلایا، کہ تم بھی ایک مخلوق ہو منجملہ میری اُن مخلوقات کے جو آسمان وزمین میں ہیں اس سے اللہ خالق کی ہستی، کمال قدرت علم، وسعت ملک اور مخلوقات کی کثرت اور وفور معلوم ہوتے ہیں۔ اُس کی وہ بے انتہا مخلوق ہے جس کو اس کے سوا کوئی شمار وحصر نہیں کر سکتا۔ نیز اس سے معلوم ہوا، کہ اُس کے سوا کوئی معبود اور اس نے بدوں کوئی رب نہیں، وہی رب العالمین ہے۔ ان چیزوں کا پیدا کرنا خلق اور قدر کے طریق سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے صفات کمال کی دلیل ہے اور ایسی کتاب کا نازل فرمانا جو سب چیزوں کے بیان کو حاوی ہے امر اور کلام کے طور پر وحدانیت وصفات کمال کی دلیل ہے۔ دونوں طور یعنے خلق وامر سے توحید وصفات کمال پر استدلال ثابت ہوا۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ

× × × × × × × × × × × × × × × × × × ×

اور نیز یہ آیت بھی اس کی شاہد ومؤید ہے وَقَالُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ط (اور بعض لوگ تمہاری نسبت) کہتے ہیں کہ اس شخص (پر اس کے پروردگار) کی طرف سے، معجزے کیوں نہیں اُترے (اے پیغمبر ان لوگوں سے، کہو کہ معجزے تو خدا ہی کے پاس (یعنی اُسی کی اختیار میں ہیں اور میں تو صاف طور پر ڈر سنانے والا ہوں۔ اور بس (اے پیغمبر کیا ان لوگوں کے لئے (یہ معجزہ) کافی نہیں، کہ ہم نے تم پر قرآن اتارا جو ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے جو لوگ ایمان لانے والے ہیں ان کے لیے تو اس میں (خدا کی بڑی) مہربانی اور (دھیان) کے

Marfat.com

علاوہ) (نصیحت ہے) اور جو لوگ قول ثانی کے مؤید ہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا تو اللہ سبحانہ نے اُن کو بتلایا کہ معجزہ و نشان ظاہر نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ نشان کو ظاہر کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے بلکہ اظہار نشان ہمارے اختیار میں ہے لیکن ظاہر نہ کرنے میں ایک پوشیدہ حکمت ہے۔ اور نیز اُن کی حالت پر رحم اور ان پر احسان کرنا منظور ہے کیونکہ اگر وہ ان کی استدعا کے مطابق ظاہر کیا جاتا۔ اور پھر وہ ایمان نہ لاتے تو فوراً عذاب میں گرفتار کئے جاتے اس کے بعد اپنی بیشمار مخلوق کا ذکر فرمایا جو اس کے کمال قدرت پر دال ہے۔ سو جو ذات پاک اس قدر بے انداز مخلوقات پیدا کرنے پر باوجودیکہ ان کے اجناس۔ انواع۔ صفات اور ہئیتیں ایک دوسرے سے جدا و مختلف ہیں قادر ہے وہ معجزہ و نشان دکھلانے سے کیسے عاجز ہو سکتی ہے پھر اپنے کمال قدرت و علم کو بیان فرمایا کہ اس نے اِس سب مخلوق کا شمار کیا ہوا ہے اور ان کو اپنے پاس لکھ رکھا ہے۔ اور اُن کے رزق۔ عمریں اور تمام حالات اُس کتاب میں ثبت فرمائے ہیں جس سے کوئی چیز چھوٹنے نہیں پائی۔ پھر ان کو فنا کر دے گا۔ اور قیامت میں سب کو زندہ کر اٹھائیگا۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے منکر ہیں وہ بہرے گونگے۔ جہالت کے اندھیروں میں پڑے ہیں۔ سوچ اور تدبر سے کام نہیں لیتے جس سے خدا تعالیٰ کی ربوبیت۔ توحید اور تصدیق انبیاء کا راستہ ملے۔ اس کے بعد یہ بتلایا کہ اگر معجزات ان کے حسب خواہش ظاہر بھی ہو جاتے۔ تاہم جب تک اللہ ہدایت نہ کرے۔ وہ بیچارے خود مادی نہیں یہ سب معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جسے چاہے بہکا دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر چلائے۔ اور قول ثانی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم :

دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ حٰمٓ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ اِنَّا

جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ؕ (ہم (اس) کتاب (یعنی قرآن) کی قسم ہے جس کے مطالب صاف اور واضح ہیں کہ ہم نے اس کو (صاف اور سلیس) عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے۔ تاکہ تم (اہل عرب اس کو باآسانی) سمجھو (اور تمہارے ذریعے سے دوسرے لوگ) اور یہ قرآن ہمارے ہاں اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں (لکھا ہوا موجود ہے) اور بڑے پایۂ کی (اور) حکمت (دانائی) کی کتاب قرار دی گئی ہے)۔

ابن عباسؓ نے کہا ہے ام الکتاب سے لوح محفوظ مراد ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ قرآن کریم پہلے اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ ام الکتاب کا معنی اصل کتاب ہے۔ اور ہر چیز کے اصل کو اُم کہتے ہیں۔ اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا ہے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بلکہ یہ قرآن، اور ہمارے ہاں لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے۔

صحابہ کرامؓ تابعین اور جمیع اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ قیامت تک جو چیزیں پیدا ہوں گی۔ وہ سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرتا یا جو بات فرماتا ہے وہ پہلے سے لوح محفوظ میں لکھ دی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اور اس کا کلام لوح محفوظ میں مکتوب ہیں۔ مثلاً تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ ابولہب کے وجود سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے۔ کلمہ لَدَیْنَا بلحاظ ترکیب نحوی لفظ الکتاب سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ ابن عباس کا یہی مختار ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علی حکیم کے متعلق ہو

Marfat.com

یعنی یہ کتاب ایسی نہیں جیسے منکرین ومکذبین کا خیال ہے بلکہ ہمارے ہاں بلند پایہ ذی عزت اور پر از حکمت ہے۔

ایک اور مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اُولٰٓئِکَ یَنَالُھُمْ نَصِیْبُھُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ (تو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ (جھوٹ) بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے یہی لوگ ہیں جن کو (تقدیر کے) لکھے ہوئے میں سے ان کا حصہ اُن کو پہنچے گا۔

سعید بن جبیر مجاہد اور عطیہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ نصیب سے وہ شقاوت مراد ہے جو پہلے سے لوح محفوظ میں اُن کے لیے لکھی گئی ہے۔ عطیہ نے استشہاد کے طور پر یہ آیت پڑھی فَرِیْقًا ھَدٰی فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْھِمُ الضَّلٰلَۃُ (اسی نے) ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق ہے کہ گمراہی اُن (کے سر) پر سوار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کے لیے جو شقاوت مقدر ہو چکی تھی۔ وہ اُن کو حاصل ہوئی بروایت عطاء ابن عباس کا یہی قول ہے یعنی کچھ اُن کے لیے پہلے سے اللہ کے علم یعنی لوح محفوظ میں مقرر ہو چکا۔ غرض اس قول کے مطابق کتاب سے کتاب اول اور نصیب سے وہ شقاوت اور اُس کے اسباب مراد ہیں جو پہلے سے ان کے لیے لکھے گئے۔

ابن زید، قرطبی اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ ان کے لیے جو رزق اور عمل لکھے گئے ہیں۔ اُن کو وہ پالیتے ہیں اور جب روزی ختم ہو جاتی ہے تو ہمارے فرشتے آکر اُن کے ارواح قبض کر لیتے ہیں۔ بعض علماء نے لفظ حتیٰ کہ لحاظ سے جو غایت کے لیے موضوع ہے۔ اس قول کو راجح ٹھیرایا ہے۔ کہ مرنے تک وہ اپنے رزق اور عمل پورے کر لیتے ہیں۔ مگر پہلے قول کی تائید کرنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں حتیٰ غایت کے لیے نہیں بلکہ یہ حتیٰ ابتدائیہ ہے جو جملوں پر داخل

Marfat.com

ہوتا ہے، چنانچہ اس مصرع میں ہے ؎

فَیَا عَجَبًا حَتّٰی کُلَیْبٌ تَسُبُّنِیْ

اور صحیح یہ ہے کہ یہاں نصیب سے شقاوت اور اعمال جو اُس کے اسباب ہیں اور نیز عمر جو عمل کرنے کی مدت ہے اور روزی جو اُن کے کمانے کا ذریعہ ہے سب مراد ہیں آیت ان سب کو شامل ہے لیکن بعض نے کسی کو ذکر کیا اور بعض نے کسی کو صحیح قول کے مطابق اور نیز اس بنار پر کہ کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے یہ مطلب ہوگا۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہاں کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ نصیبہم من الکتاب کا یہ مطلب کہ اُن کو وہ سزا ملیگی۔ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے جیسے فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی (تو دیکھو ہم نے تم کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ہے) اور یَسْلُکْہُ عَذَابًا صَعَدًا (تو وہ اُس کو عذاب سخت میں لے جا داخل کرے گا) جو لوگ اس بات کے قائل ہیں وہ اِس معنی کو اس لحاظ سے ظاہر کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ ان کے عذاب کو بیان کیا اور اس کے بعد یہ بتایا ہے۔ اُن کو ان کا نصیب مل جائے گا۔ لیکن صحیح وہی بات ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ کہ نصیب سے وہ نصیب مراد ہے جو ان کے مخلوق ہونے سے پہلے اُن کے لئے لکھا گیا ہے۔ اس قول کے لئے ایک اور عمدہ وجہ یہ ہے کہ مومنین کا نصیب اللہ کی طرف سے رحمت اور سعادت ہے۔ اور ان کفار کا نصیب عذاب اور شقاوت ہر ایک فریق کا نصیب وہی جو اس نے اپنے لیے پسند اور اختیار کیا۔ جیسے کہ مومنین کا حصہ ہدایت اور رحمت تھا۔ تو کفار کا حصہ گمراہی اور ناکامی ہوا۔ اس نعمت سے ان یہی حصہ ملا کہ ان کے حق میں عذاب و حسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنَّکُمْ تُکَذِّبُوْنَ (اور تم نے اپنا راتب باندھ لیا ہے

Marfat.com

کہ اس کو اجھٹلاتے ہی ہو گے۔ اسی کے لگ بھاگ ہے۔ یعنی روزی سے جو تمہاری زندگی کا باعث ہے بہرہ اٹھاتے ہو کہ اس کا انکار کرتے ہو۔ حسن نے کہا ہے کہ قرآن سے تم بھی حصہ لیتے ہو کہ اسکی تکذیب کرتے ہو انکا مقولہ ہے کہ وہ بندہ خسارہ میں رہا جس نے قرآن سے یہی حصہ لیا کہ اسکی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ (اور یہ لوگ جو کچھ بھی کر چکے ہیں وہ اُن کے اعمال ناموں میں لکھا ہوا موجود ہے) عطاء و مقاتل نے کہا ہے جو کچھ انسان کرتے ہیں وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ حماد بن زید نے داؤد بن ابی ہند سے اس نے شعبی سے روایت کیا ہے وکل شئی فعلوہ فی الزبر کا یہ معنی ہے انسان کے تمام اعمال عمل کرنے سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمیوں کے اعمال صحائف اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ ابو اسحاق نے ان دونوں قولوں کو جمع کر دیا اور کہا ہے کہ آدمیوں کے اعمال صادر ہونے سے پہلے بھی لکھے گئے ہیں اور صدور کے بعد بھی اس غرض سے لکھے جاتے ہیں کہ انکو جزا و سزا ملے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ وباللہ التوفیق۔

صحیحین میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہا ہے کہ یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ لفظ لمم کی تفسیر ابی ہریرہ کی اس روایت سے کی جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے حق میں زنا کا ایک حصہ لکھدیا ہے جسے وہ ضرور پالیتا ہے (غیر محرم عورت کو) دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔ اس سے بات کرنا زبان کا زنا ہے اور دیگر برے کام کی خواہش کرنا نفس کا زنا ہے اور شرمگاہ سے اس کی تصدیق یا تکذیب ظاہر ہوتی ہے۔ نیز ابو ہریرہ سے صحیح میں آیا ہے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے حق میں زنا کا ایک حصہ لکھدیا ہے جسے وہ ضرور پالیتا ہے دیکھنا آنکھوں کا زنا اور سننا کانوں کا زنا اور بات چیت کرنا زبان کا زنا اور پکڑنا ہاتھ کا زنا اور چلنا پاؤں کا زنا اور خواہش کرنا دل کا زنا ہے۔ اور شرمگاہ ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

Marfat.com

صحیح بخاری وغیرہ میں عمران بن حصین سے مروی ہے۔ کہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ میں نے اونٹنی کو دروازے پر بٹھا کر اس کا گھٹنا باندھ دیا۔ اس وقت قبیلہ بنی تمیم کے چند آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن سے فرمایا اے بنی تمیم خوشخبری ہو۔ انہوں نے کہا خوشخبری تو آپ پہلے بھی سُنا چکے ہیں ہم کو (کچھ روپیہ پیسہ) دیجئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ملک یمن کے چند آدمی آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ اے اہل یمن تم بشارت کو قبول کرو۔ بنو تمیم نے اُسے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں آپ کی بشارت قبول ہو۔ نیز یہ کہا کہ ہم تقدیر کا مسئلہ پوچھنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے ہیں آپ نے فرمایا اللہ سبحانہٗ کی ایک ذات تھی اس کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے، اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے پہلے سب کچھ لوح محفوظ میں اور آسمان وزمین کو پیدا فرمایا۔ اتنے میں کسی نے مجھے پکارا کہ ابن حصین تیری اونٹنی بھاگ گئی ہے۔ میں اس کے پیچھے نکلا دیکھا۔ تو وہ دور چلی گئی ہے افسوس کہ میں اس وقت اونٹنی کی تلاش نہ کرتا اور آپ سے یہ پورا مسئلہ سن لیتا، سو اللہ سبحانہٗ جو کچھ خود فرمایا کرتا جو کچھ اس کے حکم سے ظہور میں آتا ہے وہ سب ان کے پہلے سے لکھ دیا ہے اور نیز اپنے اسماء وصفات کے مقتضی و آثار بھی لکھ دیئے ہیں۔ جیسا کہ صحیحین میں ابو الزناد کی حدیث وارد ہے اسے وہ عرج سے وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتا ہے۔ کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پیدائش خلق کو مقدر فرمایا۔ تو اپنی کتاب دلوح محفوظ میں جو عرش پر اس کے پاس موجود ہے یہ لکھ دیا کہ میری رحمت غضب پر غالب ہے (یعنی مقتضائے رحمت اور اس کے آثار زیادہ ظہور میں آئینگے۔

Marfat.com

بارھواں باب

قضا و قدر کے مراتب میں سے تیسرے مرتبے یعنی مرتبہ مشیت کے بیان میں

اس مرتبہ کے ثبوت پر آدمؑ سے لیکر خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا اجماع ہے۔ اور جملہ آسمانی کتابیں مخلوقات کی خود اپنی فطرت عقلی دلیلیں اور روزمرہ کے مشاہدے اس پر دلالت کرتے ہیں۔ سلسلہ ہستی میں اللہ وحدہٗ کی مشیت کے سوا کوئی چیز کسی چیز کی موجب اور مقتضی نہیں وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے وہ ہو جاتی ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتی۔ توحید کا یہ وہ ستون ہے کہ اس کے سوا توحید قائم نہیں ہو سکتی تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا بعض لوگ اگرچہ ایک طرح سے مشیت الٰہی کے قائل ہیں، لیکن اس عقیدے کے برخلاف ہیں۔ ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ سلسلہ کائنات میں ایسی چیزیں ہو سکتی ہیں جو مشیت الٰہی سے خارج ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہے مگر وہ پیدا نہ ہو۔ ان کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے مخالف بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت مشیت کے بالکلیہ منکر ہیں۔ اور اس کی ذات پاک کے لیے کوئی مشیت و اختیار جس سے اس نے خلق کو پیدا کیا ہے ثابت نہیں کرتے۔ چنانچہ دشمنان انبیاء یعنی بعض فلاسفہ اور انکے پیروان کا یہی زعم ہے۔ قرآن کریم اور حدیث میں بہت سے ایسے ادلہ موجود ہیں جو

Marfat.com

ان دونو گروہ کی تکذیب کرتے ہیں تمثیلاً چند آیات ذیل میں تحریر ہیں وَلَوْ شَآءَ
اللّٰہُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰکِنِ
اخْتَلَفُوْا فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْھُمْ مَّنْ کَفَرَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا
وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ (اور اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان پیغمبروں) کے بعد ہوئے
اپنے پاس کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے ایک دوسرے سے نہ لڑتے لیکن (تاہم)
لوگوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے
اور بعض وہ تھے جو کافر ہوئے اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) کَذٰلِکَ یَفْعَلُ اللّٰہُ
مَا یَشَآءُ (اور اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ
وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ
مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ (اسی طرح ہم نے شریر آدمیوں اور
جنوں کو (پیغمبروں کا صبر آزمانے کے لئے) ہر ایک نبی کا دشمن بنا دیا تھا کہ دھوکہ
دینے کی غرض سے ایک کے کان میں ایک چکنی چپڑی باتیں پھونکتا رہتا تھا اور
اے پیغمبر) اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے تو ان کو پڑے
افترا پردازیاں کرنے دو) وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا
(اور اے پیغمبر، اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے
سب ایمان لے آتے) وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (اور
اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک امت کا کر دیتا) وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ
لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی (اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان (سب) کو راہ راست
پر متفق کر دیتا) وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰھَا (اور اگر ہم چاہتے تو دنیا
ہی میں، ہر شخص کو ایسی) سوجھ عنایت کرتے کہ وہ (سیدھے رستے پر آجاتا
وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانْتَصَرَ مِنْھُمْ (اور اگر خدا چاہتا تو (لڑنے کی نوبت نہ آتی

Marfat.com

اور یوں ہی، اُن سے بدلہ لے لیتا) وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ (اور اے پیغمبر! اگر ہم چاہیں تو جو (قرآن) ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اسکو دنیا کے پردے سے اٹھالے جائیں) فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے) اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِیْرًا (لوگو! اگر وہ چاہے تم کو (دنیا کے پردے سے) اٹھا کر دوسروں کو لابسائے اور اللہ ایسا کرنے پر قادر ہے) لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ (انشاء اللہ تم (مسلمان) مسجد حرام میں بے خوف وخطر با اطمینان (تمام) داخل ہوگے) اور نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ (کہ خدا کو منظور ہوگا تو وہی عذاب کو بھی تم پر نازل کرے گا) امام الحنفاء ابو الانبیاء (ابراہیم) نے اپنی قوم سے فرمایا وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (اور جن (بتوں) کو تم اُن کا شریک مانتے ہو میں تو اُن سے کچھ ڈرتا ورتا نہیں (کہ مجھ کو کچھ نقصان پہنچا دینگے مگر ہاں اپنا پروردگار ہی مجھ کو کچھ نقصان پہونچانا چاہے، تو اُس کی مرضی) ذبیح اللہ نے ابراہیم سے کہا سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (انشاء اللہ آپ مجھ کو بھی صابر پائینگے) خطیب الانبیاء شعیب نے کہا وَمَا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا (اور ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہارے دین میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ خدا جو ہمارا پروردگار ہے (وہ) چاہے (تو کچھ ہمارا زور نہیں ہمارا پروردگار علم (واگہی) کی رو سے تمام چیزوں پر حاوی ہے، ہمارا بھروسہ اللہ ہی پر ہے) اور یوسف صدیق کریم ابن کریم نے کہا اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ (شہر مصر میں آ داخل ہو (اور) خدا نے چاہا تو تم سب (امن وچین) سے رہو گے) موسیٰ کے خسر نے کہا وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور مجھ کو تم پر زیادہ (محنت) مشقت ڈالنی منظور نہیں (اور تم مجھ کو

انشاء اللہ (خوش معاملہ، بھلا آدمی پاؤ گے) موسیٰؑ نے خضرؑ سے کہا سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا (کہ انشاء اللہ آپ مجھ کو ضابطہ آدمی پائینگے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا) موسیٰؑ کی قوم نے اُن سے کہا وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَمُھْتَدُوْنَ (خدا نے چاہا تم ہم ضرور (اس کا) ٹھیک پتہ لگائیں گے) اور اللہ تعالیٰ نے سید اور اکرم ولد آدم کو فرمایا ہے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (اور کسی چیز کی نسبت دیر، نہ کہا کرو کہ میں جس (کام) کو کل کروں گا مگر (ہاں یوں کہا کرو کہ (خدا چاہے تو (اس کام کو کل کروں گا) اور نیز فرمایا ہے۔ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ اے پیغمبر تو ان سے) کہو کہ میرا اپنا نقصان اور نفع بھی میرے اختیار میں نہیں مگر جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے) اور اہل جنت کے حالات میں فرمایا ہے خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ (اور جب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں برابر اُسی میں رہینگے مگر جس کو خدا چاہے (سزا دیکر بدیر جنت میں داخل کرے) اور اہل دوزخ کی نسبت بھی ایسا ہی فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو روشن اور معلوم ہو جائے کہ یہ سب معاملہ اُس کی مشیت پر موقوف ہے اگر وہ چاہے تو اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے ایک اور مقام میں فرمایا ہے رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ وَاِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ (تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف ہے چاہے (رحم کا مستحق سمجھ کر) تم پر رحم کرے اور چاہے (عذاب کا مستحق سمجھ کر) تم کو عذاب دے اور نیز فرمایا ہے فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ پھر دل کے کھوٹ پر) جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے، اور فرمایا ہے۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰکِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ (اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے (اُن کی) روزی فراخ کر دے

Marfat.com

تو وہ ضرور ملک میں سرکشی کرنے لگیں، مگر وہ بقدرِ مناسب (ہر ایک کی جتنی روزی) چاہتا ہے اتارتا ہے، اور فرمایا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (اے پیغمبر تمہارا پروردگار جسکی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے) اور فرمایا ہے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ (خدا جس کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے اور فرمایا مَنْ يَشَإِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَاءُ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (خدا جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے اُسے راہ راست پر لگا دے) اور فرمایا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اور جب کبھی ہم نے کوئی پیغمبر بھیجا تو (اس کو) اسی قوم کی زبان میں بات چیت کرتا ہوا بھیجا، تاکہ وہ ان کو (اچھی طرح سمجھا سکے اس پر بھی خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے اور فرمایا ہے وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ (اور اللہ نافرمان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، اور فرمایا ہے وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا (مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس کے ذریعے سے دین کا رستہ دکھا دیتے ہیں۔ اور فرمایا ہے قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اے پیغمبر یہ) جواب دو کہ مشرق اور مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے دین کا سیدھا رستہ دکھاتا ہے)، اور فرمایا ہے قُلْ لَّوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَا اَدْرٰىكُمْ بِهٖ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو اگر خدا چاہتا تو میں یہ قرآن) تم کو پڑھ کر سناتا ہی نہیں اور نہ خدا تم کو اس سے آگاہ کرتا اور فرمایا ہے نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا (ہم ہی

نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان کے بدلے ان ہی جیسے (آدمی اور) لا بسائیں اور فرمایا ہے وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ اور بے مشیت الہی تو یہ لوگ، سوچنے سمجھنے والے ہی نہیں دوسری آیت میں ہے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (اور تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، ان دونوں آیتوں میں یہ بتلایا کہ بندوں کے ارادے اور افعال سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (اے پیغمبر (تم) تو یہ) دعا مانگو کہ اے خدا (سارے) ملک کے مالک تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے) اور فرمایا ہے وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر (یعنی بہشت) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے، اور فرمایا ہے وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ (اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے) ان کو توبہ کی توفیق دے اور وہ توبہ کریں اور خدا ان کی توبہ قبول کرے) اور اللہ تعالیٰ کا قول يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ (اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے، وقولہ تعالیٰ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ (ولیکن اللہ جس کو چاہتا ہے مقدس بناتا ہے) وقولہ تعالےٰ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ (اور اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، وقولہ تعالیٰ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ہم جس پر چاہتے ہیں اپنا فضل کرتے ہیں، وقولہ تعالیٰ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ہم جس کو چاہتے ہیں۔ اس کے مرتبے بلند کر دیتے ہیں، وقولہ تعالیٰ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ

Marfat.com

یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (یہ پیغمبری) اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے وقولہ تعالیٰ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے) وقولہ تعالیٰ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ (تو جس کو ہم نے چاہا بچا دیا) وقولہ تعالیٰ فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ پھر خدا جس طرح چاہتا ہے (کبھی) بادل کو (سارے) آسمان میں پھیلاتا ہے وقولہ تعالیٰ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ (بیشک میرے پروردگار کو جو (کچھ کرنا) منظور ہوتا ہے وہ اس کی تدبیر خوب جانتا ہے) وقولہ تعالیٰ یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ (جس کو چاہتا ہے (دانائی) سمجھ دیتا ہے) وقولہ تعالیٰ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ (اور اگر اللہ چاہے تو (یوں بھی) ان کے سننے اور دیکھنے کی قوتیں (ان سے) سلب کرلے) وقولہ تعالیٰ اِنْ یَّشَاْ یُسْکِنِ الرِّیْحَ (خدا چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے) وقولہ تعالیٰ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا (ہم چاہیں تو (کوئی آفت بھیج کر پکنے سے پہلے) اس کو چورا چورا کردیں) وقولہ تعالیٰ وَلَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا (ہم چاہیں تو اس کو (ایسا) کھاری کردیں (کہ زبان پر بھی نہ رکھا جائے) وقولہ تعالیٰ فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ (تو وہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کردے گا) وقولہ تعالیٰ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِکُمْ مَّا یَشَآءُ (اگر چاہے تم (سب) کو دنیا سے اٹھالے جائے) اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنائے وقولہ تعالیٰ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَکُمْ (اور اگر خدا چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈال دیتا) وقولہ تعالیٰ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ جس کو چاہتا ہے انتخاب کر کے اپنی طرف کھینچ بلاتا ہے) اور موسیٰ کے قول کو بیان فرمایا ہے اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ (یہ سب تیرے کرشمے ہیں۔ ان کرشموں سے تو جس کو تو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے)

مذکورہ بالا سب آیتیں اور ان کے علاوہ وہ آیتیں جن سے مشیت الٰہی

Marfat.com

کا ثبوت ہوتا ہے ان دونو گمراہ فریق (یعنی ایک وہ جو مشیت الٰہی کے بالکلیہ منکر ہیں اور دوسرے وہ جو اس بات کے منکر ہیں کہ بندوں کے افعال، حرکات ہدایت وضلالت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کچھ دخل نہیں) کی تردید کرتی ہیں۔

اللہ سبحانہ نے کسی مقام میں بتلایا ہے کہ سلسلہ ہستی کی ہر ایک چیز اس کی مشیت سے ہے کہیں فرمایا ہے جو چیز اُس کی مشیت میں نہ ہو وہ ظہور میں نہیں آتی۔ کہیں فرمایا ہے اگر اس کی مشیت میں ہوتا تو اس واقعہ کا خلاف وقوع میں آتا، کہیں یہ جتلایا ہے کہ اگر اس کی مشیت میں ہوتا تو تقدیر مکتوب ومقدر کا خلاف ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو کوئی اس کی نافرمانی نہ کرتا۔ اور نیز اگر وہ چاہتا تو سب مخلوق کو راہ راست پر لاتا اور وہ سب ایک دین پر ہوتے۔

پس ان آیات سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صفحہ ہستی کی ہر ایک چیز کا ظہور اُس کی مشیت سے ہے اور جو چیز پردہ عدم میں ہے اس سے اُس کی مشیت متعلق نہیں ہوئی۔ ربوبیت کی حقیقت اور اس کے رب العالمین ہونے کا معنی اور اُس کے قیوم مدبر امور عباد ہونے کا مفہوم یہی ہے۔ خلق۔ رزق۔ عطا۔ منع قبض۔ بسط۔ موت۔ حیات۔ اضلال۔ ہدایت۔ سعادت اور شقاوت سب کچھ اُسی کے اذن کے بعد اور اس کی مشیت اور پیدا کرنے سے ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی مالک ہے اور نہ مدبر اور نہ پروردگار۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار جیسے لوگ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ان میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے)، اور نیز فرمایا ہے وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ (اور عورتوں کے پیٹ میں ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں (ایک) وقت مقرر تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ اور فرمایا ہے فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ (پھر جس قطع سے چاہا

تیرا (یعنی تیرے اعضا کا، پیوند ملا دیا)، اور فرمایا ہے لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ یَہَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَاثًا وَّیَہَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ الذُّکُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُہُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَاءُ عَقِیْمًا (آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے دختری، بیٹیاں عنایت کرتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے نرے بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں ملا کر ان کو دونوں قسم کی اولاد عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ایسا بے نام و نشان کر دیتا ہے کہ اس کے اولاد ہی نہیں ہوتی، اور فرمایا ہے یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ (اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا راہ دکھاتا ہے)

حذیفہ بن اسید کی حدیث جو بروایت مسلم جنین کے باب میں آئی ہے اس میں پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق حکم دیتا اور فرشتہ اسے لکھ لیتا ہے اور صحیح بخاری میں ابو موسیٰ سے مرفوعاً مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (حاجتمند کی)، سفارش کرو (اس میں)، تم کو ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے گا اپنے نبی کی زبان سے فیصلہ کرائے گا۔ اور صحیح بخاری میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کی حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت ان کے گھر تشریف لائے تو ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کیا تم (اس وقت)، نماز نہیں پڑھ رہے تھے حضرت علیؓ نے کہا ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے سو وہ جب ہم کو اٹھانا چاہیگا اٹھا دے گا نیز صحیح بخاری میں صحابہ اور آنحضرت صلعم کے جنگل کے بیچ نماز صبح کے وقت سو جانے کے قصے میں آیا ہے، کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے جب چاہا تمہارے ارواح کو قبض کر لیا اور جب چاہا انہیں لوٹا دیا اور مسند میں حدیبیہ سے لوٹنے

Marfat.com

اور نماز صبح کے وقت سوجانے کے قصے میں بروایت ابن مسعودؓ آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو تم لوگ اس نماز سے غافل ہو کر نہ سوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ پچھلے لوگوں کے لیے قضائے صلوٰۃ کا طریقہ ظاہر فرمائے۔ سو جو شخص نماز سے سوجائے یا اُسے بھول جائے تو اس کے لیے یہی حکم ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمیں بیدار کر دیتا۔ لیکن اس نے پچھلے لوگوں کو طریقہ قضائے صلوٰۃ بتلانا چاہا۔

اور مسند امام احمد میں طفیل بن سنجرہ سے جو حضرت عائشہؓ کے مادری بھائی تھے اس طرح مروی ہے کہ اس نے یہ خواب دیکھا کہ وہ یہود کی ایک جماعت کے پاس گزرا۔ اور ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں۔ طفیل نے کہا اگر تمہارا یہ خیال نہ ہوتا۔ کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے تو تم لوگ بیشک ایک نبی کے پیرو تھے۔ انہوں نے کہا اگر تم لوگ (امت محمدیہ) یہ نہ کہتے ماشاء اللہ وشاء محمد یعنی جو اللہ اور محمد نے چاہا تو تم بھی ایک نبی کی اُمت تھے۔ اِس کے بعد نصاریٰ کے ایک گروہ کے پاس گزرا اور اُن سے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں طفیل نے کہا اگر تم اس بات کے قائل نہ ہوتے کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے تو تم لوگ بیشک ایک نبی کے تابعدار تھے وہ بولے کہ اگر تم محمدی لوگ یہ نہ کہتے۔ ماشاء اللہ وشاء محمد تو تم بھی ایک نبی کی اُمت تھے۔ جب صبح ہوئی تو طفیل نے یہ خواب کئی آدمیوں کو بتلایا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کسی کو یہ خواب بتلایا ہے۔ طفیل نے کہا جی ہاں پھر جب لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے خطبہ پڑھا جس میں آپ نے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور اس کے بعد فرمایا۔ کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ اس نے کئی آدمیوں کو بتلا بھی دیا ہے

Marfat.com

بیشک تم لوگ ایک ایسا کلمہ کہا کرتے ہو (جو کہنا جائز نہیں) میں حیا کے سبب اس سے تم کو منع نہیں کرتا تھا بیہقی کی روایت میں اتنا زیادہ ہے سو آئندہ وہ کلمہ نہ کہنا بلکہ یوں کہا کرو ماشاء اللہ وحدہ لا شریک لہ۔

اور جعفر نے عون سے اس نے اجلح سے اس نے یزید بن اصم سے اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہا کہ ایک شخص کسی معاملہ کے متعلق بات چیت کرنے کے لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے اثنائے کلام میں یہ کلمہ کہا ماشاء اللہ وشئت یعنی جو کچھ اللہ اور آپ چاہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے مجھے اللہ کے برابر ٹھہرایا بلکہ یوں کہہ ماشاء اللہ وحدہ۔

اور سعید نے منصور سے اس نے عبداللہ بن یسار سے اس نے حذیفہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یوں مت کہا کرو۔ ماشاء اللہ وشاء فلان یعنی جو کچھ اللہ اور فلاں شخص نے چاہا۔ بلکہ یوں کہا کرو۔ ماشاء اللہ ثم شاء فلان یعنی جو کچھ اللہ نے چاہا اس کے بعد جو کچھ فلاں شخص کی مشیت ہوئی۔

بروایت ربیع شافعی سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے) اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بتا دیا کہ مشیت حقیقۃً اس کی صفت ہے مخلوق کی دراصل کوئی مشیت نہیں اور جو کسی قدر ہے وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کہا جاتا ماشاء اللہ ثم شئت اور اس طرح ماشاء اللہ شئت کہنا درست نہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ یوں کہنا مَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

Marfat.com

یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے جائز و درست ہے اُس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر رسول اللہ کی اطاعت کو فرض کیا ہے سو جب رسول اللہ کی اطاعت کریں گے تو رسول اللہ کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت ہو جائیگی ۱۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے داس طرح ، مروی ہے کہ سب بندوں کے دِل خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جیسے کہ ایک دل ہو اللہ تعالیٰ اُن کو جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات کہے یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ یعنی اے دِلوں کے پھیرنے والے ہمارے دِلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔

نواس بن سمعان کی حدیث میں ہے۔ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہر ایک دِل اللہ رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے اُسے سیدھا رکھے اور اگر چاہے ٹیڑھا کر دے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ یعنی ایک دِلوں کے پھیرنے والے ہمارے دِلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ اور میزان خدا کے ہاتھ میں ہے کسی قوم کو ترقی بخشتا اور کسی کو تنزل میں ڈالتا ہے قیامت تک یہی دستور رہیگا۔

صحیحین میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث داس طرح ، آئی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور اس وقت آپ منبر پر کھڑے ہو کر یہ فرما رہے تھے کہ گزشتہ اُمتوں کی نسبت دنیا میں تمہارا رہنا اس قدر ہے جس قدر تمام دن کی نسبت نماز عصر سے غروب آفتاب تک وقت ہوتا ہے اس حدیث کو پورا ذکر کر کے اس کے آخر میں کہا ہے" یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہتا ہوں عنایت کرتا ہوں۔

Marfat.com

صحیح بخاری میں مرفوعاً آیا ہے کہ کافر کی حالت درخت صنوبر کی حالت کی طرح ہے جو ٹھوس (مضبوط) اور سیدھا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ناگاہ اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔

عبدالرزاق نے معمر سے اُس نے ہمام سے روایت کیا ہے کہ یہ منجملہ اُن حدیثوں کے ہے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کی ہیں۔ کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم کو یوں نہیں کہنا چاہیے اے ناکامی دوراں کیونکہ زمانہ تو میں ہی ہوں رات اور دن کو بھیجتا ہوں پھر جب چاہوں گا تو ان کو قبض کر لوں گا۔ امام شافعی کہتے ہیں واللہ اعلم اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لوگوں کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ موت بڑھاپے۔ ہلاکت مال وغیرہ مصائب کے آنے پر زمانے کی مذمت کرتے اور اُسے گالیاں دیتے تھے۔ پس کہتے کہ ہم کو زمانہ ہی نے ہلاک کیا یعنی روز و شب نے اور فلاں قوم کو زمانے کی مار پڑی اور زمانے نے اُن کو تباہ کر دیا۔ سو رات دن کو فاعل اشیاء سمجھ کر زمانے کی مذمت کرتے کہ یہی اُن کو ہلاک اور اُن کے ساتھ بداطواری کرتا ہے اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس خیال سے کہ زمانہ تم کو ہلاک کرتا اور وہ تم پر یہ آفتیں لاتا ہے اُسے گالیاں مت دو۔ جب تم اِن ناپسندیدہ چیزوں کے فاعل کو دشنام دہی کرتے ہو تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق میں دشنام دہی کرتے ہو کیونکہ ان اشیاء کا فاعل وہی ہے اور انس کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ اپنے زمانے بھر بھلائی کی طلب اور بادِ رحمت الٰہی کا تعرض کرو۔ اللہ عزوجل کی رحمت کے ایسے ہیں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے انہیں بھیج دیتا ہے۔ اور اللہ سے سوال کرو کہ تمہارے عیوب چھپا دے اور تمہیں خطرات سے امن بخشے اور صحیحین میں عبادہ

Marfat.com

بن صامت کی حدیث (اس طرح) ہے کہا کہ ہم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تم لوگ اس شرط پر مجھ سے بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیراؤ گے اور زنا اور چوری نہ کرو گے۔ پھر جس نے ان شرائط کو پورا کیا۔ اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو شخص ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ اور دنیا میں اس کی سزا پا چکا۔ تو اس کے گناہ کا کفارہ ہو گیا۔ اور جس گنہگار (کو دنیا میں سزا نہ ملی) اللہ نے اُس کے گناہ فاش نہ کئے۔ تو اُس کو معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر چاہیگا تو اُسے عذاب دے گا اور اگر چاہیگا تو معاف فرمادے گا۔

اور صحیحین میں جنت و نار کے باہم مناظرے کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا۔ تو میری رحمت کا ذریعہ ہے جس پر چاہتا ہوں تیرے ذریعے رحمت کرتا ہوں اور دوزخ سے فرمائے گا تو عذاب دینے کا وسیلہ ہے جسے چاہتا ہوں تیرے ساتھ عذاب کرتا ہوں۔

نیز صحیحین میں ابو ہریرہ کی حدیث (اس طرح) ہے کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اس طرح دُعا نہ کرے اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخشدے اور اگر چاہے تو مجھ پر رحمت فرمائے اور اگر چاہے تو مجھے روزی دے۔ بلکہ مضبوطی کے ساتھ اپنا سوال پیش کرے اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اُسے کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔

اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مرفوعًا آیا ہے کہ یوں تو سب مومن اچھے ہیں مگر مومن قوی مومن ضعیف سے بہتر اور اللہ کا زیادہ پیارا ہے۔ نفع مند چیز کی حرص کر۔ اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ ہو اور اگر تجھے کوئی (خلافِ طبع) چیز پیش آئے تو یوں نہ کہنا کہ اگر میں ایسا ایسا کرتا بلکہ یہ کہنا کہ اللہ کی تقدیر میں

Marfat.com

یہی منشا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کلمہ لَوْ کہنا شیطانی فعل کا ذریعہ ہے۔

اور ابو ذرؓ کی حدیث میں ہے اے میرے بندو تم سب کے سب ہدایت سے دُور ہو مگر جسے میں ہدایت کروں الیٰ آخر الحدیث۔ اسی حدیث کے آخیر میں ہے یہ بات اس لیے ہے کہ میں جواد ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں میرا عطا کرنا صرف ایک حکم سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو صرف کلمۂ کُنْ (ہو جا) کہتا ہوں) وہ چیز اسی آن میں ہو جاتی ہے۔

اور انس بن مالک کی حدیث میں (اس طرح) ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو کوئی نعمت بی بی یا اولاد عطا فرمائے اور وہ یہ کلمہ کہے مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اللہ کے فضل بغیر ہمیں کوئی قوت نہیں) تو موت (مقدر) کے سوا اس میں کوئی آفت نہ دیکھے گا۔ اور اس صحیح حدیث کا مضمون اس آیت سے نکلتا ہے وَلَوْلَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور جب تو اپنے باغ میں آیا تو تو نے (یوں) کیوں نہ کہا یہ (سب) خدا کے چاہے سے ہوا ہے (ورنہ مجھ میں تو) بے مدد خدا کے کچھ بھی طاقت نہیں، اور حدیث شفاعت میں ہے جب میں اپنے پروردگار کا دیدار پاؤں گا۔ تو اُس کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر جس قدر وہ چاہے گا مجھے سجدے میں رہنے دیگا اور سب سے پیچھے بہشت میں داخل ہونے والے کی حدیث میں ہے پھر جس قدر اللہ چاہے گا، وہ خاموش رہے گا۔ اور اسی حدیث میں ہے اللہ فرمائے گا میں تجھ سے مسخری نہیں کرتا۔ بلکہ میں جو کچھ کرنا چاہوں وہ کر سکتا ہوں یہ دونو حدیثیں صحیحین میں ہیں۔

اور نیز صحیحین میں ابو ہریرہؓ کی حدیث (اس طرح) ہے کہ ہر ایک نبی کی

ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے سو میرا ارادہ ہے کہ اللہ نے چاہا تو وہ دعا میں قیامت کو کروں گا کہ میری اُمت کی بابت میری شفاعت منظور ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اصحاب شجرہ میں سے جنہوں نے اُس کے نیچے بیعت کی تھی انشاء اللہ کوئی شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ نیز آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ میرا حوض اس قدر وسیع ہوگا۔ کہ جس قدر ایلیہ سے فلاں جگہ تک فاصلہ ہے اور مدینے کی نسبت آپ نے فرمایا ہے کہ انشاء اللہ اس میں طاعون اور دجال آنا نہ پائیگا۔ اور زیارت قبور کے موقع پر آپ نے فرمایا ہے کہ انشاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اور طائف کے محاصرے کے وقت آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ ہم کل واپس ہوں گے۔ اور جب آپ مکے میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ کل ہمارا مقام خیف بنی کنانہ میں ہوگا۔ اور جنگ بدر کے دن آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ کل فلاں شخص اس جگہ گریگا۔ اور فلاں شخص اس جگہ۔ اور کسی سفر میں آپ نے فرمایا تھا کہ تم لوگ رات دن چلتے رہو گے اس کے بعد دوسرے روز انشاء اللہ ایک پانی پر پہنچو گے اور آپ نے جس اعرابی کی عیادت فرمائی تھی اسے فرمایا تھا انشاء اللہ کچھ ہرج نہیں دیہ بخار انشاء اللہ گناہوں سے پاک کرنیوالا ہے۔

اور آپ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے انہوں نے کہا کہ میں آج رات ستر عورتوں سے صحبت کروں جن میں سے ہر ایک عورت ایک سوار جنیگی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا فرشتے نے ان سے کہا اے سلیمان انشاء اللہ کہو۔ مگر سلیمانؑ نے یہ کلمہ نہ کہا۔ اور ستر عورتوں سے جماع کیا۔ جن میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اُس نے بھی ایک ادھورا بچہ جنا۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں محمد کی جان

Marfat.com

ہے اگر سلیمانؑ انشاء اللہ کہتے تو ان کے ستر بیٹے سب کے سب سوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔

اور آپ نے فرمایا ہے جو شخص قسم کھائے اور اس میں انشاء اللہ کہے تو اُسے اختیار ہے چاہے وہ کام کرے چاہے نہ کرے (کسی صورت میں) اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں قریش سے ضرور لڑونگا۔ پھر تیسری مرتبہ انشاء اللہ کہا۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص جنت کے لیے کوشش کرنے والا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جنت کے لیے کوشاں ہیں، آپ نے فرمایا انشاء اللہ کہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام فرمایا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (اور اگر انشاء اللہ کہنا کبھی بھول جایا کرو تو جب یاد آجائے انشاء اللہ کہنے سے) اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کرو) حسن نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب تو انشاء اللہ کہنا بھول جائے اور یہی وہ استثناء ہے جس کو ابن عباس متراخیاً[1] جائز رکھتے اور اس آیت کا یہی مطلب قرار دیتے تھے۔ نہ وہ استثنا جو اقرار میں، طلاق۔ عتاق میں ہو۔ یہ بات ابن عباس کی کمال قرآن فہمی اور فقاہت کا نمونہ ہے۔ اس مسئلہ پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اگر قسم کرنے والے نے اپنی قسم میں متصلاً استثناء کیا یعنی اسطرح کہا، کہ میں فلاں کام کرونگا۔ یا نہ کروں گا انشاء اللہ پھر اگر اس قسم کا خلاف کیا تو وہ گناہگار نہ ہوگا۔ کیونکہ اہل اسلام کا یہ اصول ہے کہ کوئی چیز اللہ کی مشیت بغیر وقوع میں نہ آتی۔ سو جب قسم کرنیوالے نے اپنے فعل یا ترک کو مشیت الٰہی سے متعلق کیا تو (اس کے خلاف میں) اس لیے گناہگار نہیں ہوتا۔ کہ اس کے فعل یا ترک کی نسبت نہیں ہوئی اور اسی واسطے اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں آتا۔ اگر ہم ان تمام احادیث و آثار کو ذکر کریں جن میں لفظ مشیت اور اللہ تعالیٰ

---

[1] جو پہلا کلام سے جدا اور کچھ دیر بعد ہو۔ ۱۲ مترجم

Marfat.com

کے افعال کا مشیت سے معلق ہونا مذکور ہے۔ تو کتاب میں بہت طول ہوجائے گا (اس لیے مذکورہ بالا احادیث پر اکتفا کرتے ہیں)۔ رہا ارادہ سو اس کا ورود نصوص قرآن وحدیث میں معلوم ہے لقولہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ + فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا (پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں)، وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے۔ اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا)، إِنَّمَآ أَمْرُهُ إِذَآ أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ (اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اُس سے اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے)، وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (اے پیغمبر، جس کو اللہ بے دینی کی، بلا میں مبتلا رکھنا چاہے تو اس کے لئے خدا پر تمہارا کچھ بھی زور نہیں چل سکتا)، نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا (وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيٓ إِنْ أَرَدْتُّ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (اور میں تمہاری کتنی ہی خیر خواہی کرنی چاہوں اگر خدا ہی کو تمہارا راہ راست سے بہکانا منظور ہے تو میری نصیحت (کچھ بھی) تمہارے کام نہیں آسکتی۔ وہی تمہارا پروردگار ہے اور اُسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے)، فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يُّضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا (تو جس کو خدا چاہتا ہے کہ اُسے راہ راست دکھائے اس کے سینے کو (قبول اسلام) کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کہ اُسے گمراہ کرے اس کے سینے کو تنگ اور بھچا ہوا کر دیتا ہے)، وَإِذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ (اور

Marfat.com

جب خدا کسی قوم پر (اُن کے عملوں کی پاداش میں) کوئی مصیبت ڈالنی چاہے تو وہ (اور کسی کے ٹالے) ٹل نہیں سکتی، وَاللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ وَیُرِیۡدُ الَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الشَّہَوٰتِ اَنۡ تَمِیۡلُوۡا مَیۡلًا عَظِیۡمًا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر کی نظر رکھے اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ تم (راہ راست سے بھٹک کر) بہت دُور ہٹ جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے (بوجھ) ہلکا کرے کیونکہ انسان (طبیعت کا) کمزور پیدا کیا گیا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ اگر وہ اپنے بندوں کے دِلوں کو پاک وصاف کرنے کا ارادہ نہ فرماتا تو وہ بھی ان کو پاک وصاف نہ کر سکتے۔ چنانچہ دوسرے مقام میں فرمایا ہے اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یُّطَہِّرَ قُلُوۡبَہُمۡ لَہُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ وَّلَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ۔ (یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی اُن کے دِلوں کو (معصیت کی گندگی سے) پاک کرنا نہیں چاہتا ان لوگوں کی دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے)، اور نیز فرمایا ہے۔ وَاَنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یُّرِیۡدُ (اور خدا جس کو چاہے (اس کے ذریعے سے) ہدایت دے)، وقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ (اور بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے) اور فرمایا ہے۔ مَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیَجۡعَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰکِنۡ یُّرِیۡدُ لِیُطَہِّرَکُمۡ (اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا بلکہ تم کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہے) وقولہ تعالیٰ فَمَنۡ یَّمۡلِکُ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّہۡلِکَ الۡمَسِیۡحَ ابۡنَ مَرۡیَمَ وَاُمَّہٗ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ بتلاؤ تو سہی اگر اللہ مریم کے بیٹے مسیح کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ

Marfat.com

زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہا تو ایسا کون ہے جس کا خدا کے آگے کچھ بھی زور چلتا ہو، وقولہ تعالیٰ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ (اے پیغمبر کے، گھر والو خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے دہر طرح کی، گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے) وقولہ تعالیٰ قُلۡ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَعۡصِمُكُمۡ اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ سُوۡٓءًا اَوۡ اَرَادَ بِكُمۡ رَحۡمَةً (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر خدا تمہارے ساتھ برائی کرنی چاہیئے تو کون (ایسا سورما) ہے جو تم کو اُس (کی پکڑ) سے بچا سکے یا تم پر اپنا فضل کرنا چاہے (تو کون اس کو روک سکتا ہے) اور سورہ یٰس میں آیا ہے ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡـًٔا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ (کیا اس کے سوا دوسروں کو معبود مان لوں اگر (خدائے) رحمٰن مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ یہ مجھ کو (اُس مصیبت سے) چھڑا سکیں) وقولہ تعالیٰ قُلۡ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِیۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ (اب تم ان لوگوں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اگر خدا مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے کیا یہ معبود اس کی پہنچی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا خدا مجھ پر اپنا فضل کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کے فضل کو روک سکتے ہیں؟) وقولہ تعالیٰ یُرِیۡدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجۡعَلَ لَهُمۡ حَظًّا فِی الۡاٰخِرَةِ (خدا چاہتا ہے کہ ثواب آخرت میں سے اُن کو کچھ حصہ نہ دے) وقولہ تعالیٰ مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِیۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ جو شخص دنیا کا طالب ہو تو ہم جسے چاہتے ہیں (اور) جتنا چاہتے ہیں اسی

Marfat.com

دنیا) میں سر دست اس کو دے دیتے ہیں) اور احادیث نبویہ جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے اثبات میں وارد ہیں اُن کا حصر دشوار ہے (اِس لیے تمثیلاً چند حدیثیں ذیل میں لکھی جاتی ہیں چنانچہ آنحضرتؐ کا قول ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے جس کے ساتھ اللہ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے دنیا میں اُسے مصیبت پہنچاتا ہے جب اللہ تعالیٰ بادشاہ کے ساتھ بہتری کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے نیک وزیر مقرر کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی اُمت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کے نبی کو اس سے پہلے فوت کر دیتا ہے اور جب کسی اُمت کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو نبی کی زندگی میں اس کو عذاب میں گرفتار کر کے اُس کی ہلاکت سے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے گناہوں کا عذاب اُسے دنیا میں دے دیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن گدھے کی ہیئت میں آئے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو کہ فلاں آدمی فلاں ملک میں مرے گا تو اُس آدمی کے لیے اس ملک کی طرف کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی خاندان کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے تو ان میں نرمی کی خصلت ڈال دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو ان میں جتنے لوگ (نیک و بد) ہوں۔ عذاب دنیا سب پر آتا ہے پھر قیامت کو اپنی اپنی نیت کے مطابق مبعوث کئے جائینگے۔ اس مضمون کی تمام احادیث کو ہم بالاستیعاب ذکر نہیں کر سکتے۔

فصل۔ یہاں ایک ایسا مضمون ہے جس پر آگاہ کرنا اور اس سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے اور اس کے معلوم کرنے سے بہت سے وہ اشکال دُور ہو جاتے ہیں۔ جو ان لوگوں کو پیش آتے ہیں جو اس سے واقف نہیں۔ وہ مضمون

Marfat.com

یہ ہے کہ خلق اور امر اللہ سبحانہٗ کے صفات میں سے ہے سو امر دو قسم ہے اول کونی قدری۔ دوم دینی شرعی۔ پس یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس کی مشیت خلق اور کونی سے متعلق ہے اور اسی طرح وہ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے سے متعلق ہے جو اُسے پسند یا ناپسند ہیں یہ سب کی سب اس کی مشیت میں داخل ہیں چنانچہ ابلیس کو باوجود اُس کے مبغوض ہونے کے پیدا کیا اور شیاطین، کفار اور ایسی چیزوں اور اُن افعال کو مخلوق کیا جن سے وہ ناخوش ہے غرض اس کی مشیت سب چیزوں کو شامل ہے۔ باقی رہی محبت اور رضا سو یہ امر دینی اور اس شریعت سے متعلق ہے۔ جس کو اپنے انبیاء کے ذریعے جاری فرمایا ہے پس ماموراتِ شرع میں سے جو چیز موجود ہو اُس سے محبت و مشیت دونو متعلق ہیں اور وہ پروردگار کی محبوب اور اُس کی مشیت سے واقع ہے جیسے ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور مومنین کی طاعات اور اُن میں سے جو چیز وجود میں نہ آئے اس سے اُس کی محبت اور امر دینی متعلق ہے اور مشیت اس سے متعلق نہیں ہوئی۔ اور کفر، فسق اور معاصی میں سے جو چیز ظہور میں آئے اُس سے مشیت تو متعلق ہے۔ لیکن محبت رضا اور امر دینی اس سے متعلق نہیں۔ اور ان میں سے جو چیز ظہور میں نہیں آئی۔ اُس سے مشیت و محبت دونو متعلق نہیں ہوئیں غرض لفظ مشیت کو عالمِ کون سے اور لفظِ محبت کو امور دین و شرع سے تعلق ہے۔ ارادہ بھی دو قسم ہے ایک ارادہ کونیہ جو مشیت کا مرادف ہے۔ دوم ارادہ دینیہ جو محبت کا ہم معنی ہے۔ جب یہ تحقیق معلوم ہو چکی تو اب اللہ تعالیٰ کا قول وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ (اور اپنے بندوں کے لیے ناشکری کو پسند نہیں کرتا) اور لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (اللہ فساد کو نہیں چاہتا) اور وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اور تمہارے ساتھ سختی کرنی نہیں چاہتا) القدر اور مشیت کے ان نصوص سے متعارض نہ ہونگے۔ جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی مشیئت اور اس کی قضاء

قدر سے واقع ہیں. کیونکہ محبت اور مشیت ایک نہیں اور اسی طرح امر اور خلق دو چیزیں ہیں اور اس کی نظیر لفظ امر ہے کہ وہ دو قسم کی طرف منقسم ہے امر تکوینی و امر تشریعی۔ اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگ اسی قسم دوم کی نسبت نافرمانی و مخالفت کرتے ہیں. قسم اول کی نسبت نافرمانی اور مخالفت کا امکان نہیں. پس اللہ تعالیٰ کا قول وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا (اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے تو ہم اس کے خوشحال لوگوں کو کوئی سا بھی حکم دیتے ہیں پھر وہ اس بستی میں نافرمانیاں کرتے چلتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ اللّٰهَ لَا یَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ (اللہ تو بیجا کام کی اجازت دینا نہیں) کے مناقض نہیں اور نہ یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ اصل میں عبارت اس طرح ہے امرنا مترفیہا بالطاعۃ فعصونا وفسقوا فیہا یعنی ہم اس کے خوشحال لوگوں کو طاعت کا حکم کرتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانیاں کرتے ہیں بلکہ اَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا میں امر تکوینی و تقدیری مراد ہے نہ امر تشریعی اس مدعا پر کئی وجوہ شاہد ہیں۔ اول یہ کہ اس قسم کی ترکیب میں قاعدہ یہ ہے کہ حرف کا مابعد مامور بہ ہوا کرتا ہے چنانچہ محاورے میں کہتے ہیں اَمَرْتُهٗ فَقَامَ (یعنی میں نے اسے قیام کا) امر کیا سو وہ اٹھ کھڑا ہوا وامرتہ فاکل میں نے اسے دکھانے کا) امر کیا سو اس نے کھانا کھایا جیسے کہ صیغۂ امر کی نسبت بھی یہی قاعدہ ہے لقولہ تعالیٰ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا (اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے جھکو تو شیطان کے سوا سب کے سب جھک پڑے اور مادہ دع و کی نسبت بھی یہی دستور ہے چنانچہ بولتے ہیں دعوتہ فاقبل (میں نے اسے پکارا سو وہ آگیا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ (جب کہ خدا تم کو بلائیگا۔ تو تم اس کے حکم

Marfat.com

کی تعمیل کرو گے (یعنی) اس کی تعریف کرتے ہوئے (قبروں سے نکل نکل کر چلے آؤ گے)، دوم یہ کہ امر بالطاعۃ کوئی مالداروں سے خاص نہیں۔ پس آیت کو اِس معنی پر محمول کرنا درست نہیں بلکہ اگر طاعت کو عبارت میں مقدر مانا جائے تو مترفین کا ذکر بے فائدہ ٹھیرتا ہے کیونکہ تمام اُمّت مامور بالطاعۃ ہے پس مترفین کو امر بالطاعۃ کرنا سب کے ہلاک کرنے کی علت نہیں ہو سکتا۔ سوم یہ کہ اِس قسم کا کلام اور ترکیب اِس بات کی مقتضی ہے کہ حرف ف کا ماقبل علت یا سبب اور اس کا مابعد معلول یا مسبب ہو دیکھو فسق حکم ہلاکت کی علت اور حکم ہلاکت ان کی تباہی کا موجب ہے پس امر قاعدہ کے مطابق امر فسق کا سبب اور اُس کا موجب ہوگا۔ لہذا یہ امر تکوینی ہوا نہ امر تشریعی۔ چہارم یہ کہ اللہ سبحانہ نے ان نافرمانی اور انبیاء کی مخالفت کرنیکے بعد ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا تھا سو ان کی نافرمانی و مخالفت پہلے ہوئی اور اللہ سبحانہ کا ارادہ ہلاکت اس کے بعد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اس طرح پکڑا کہ ان کے لیے ایسے کام مقرر کر دیئے۔ جو ان کی ہلاکت کا موجب

یہاں اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ اُن کی ہلاکت کا سبب تو ان کی پہلی نافرمانی پھر اللہ تعالیٰ کے قول اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا کا کیا فائدہ ہے فسق تو پہلے کر چکے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کی ہلاکت کا سبب اگرچہ ان کی م سابقہ تھی لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی معصیت پر وہ ہلاک نہ کیے جاتے اس پر ان کا ہلاک کرنا ضروری نہ ہوتا۔ عادۃ اللہ اس طرح جاری ہے کہ مخلوق سے معاصی سرزد ہونے پر اللہ تعالیٰ جھٹ ان کی ہلاکت کا قطعی فیصلہ نہیں فرماتا بلکہ جب وہ ہلاک کرنا چاہتا ہے تو کوئی ایسا سبب پیدا کرتا ہے جس سے ان کی ہلاکت ضروری ہو جاتی ہے دیکھو قوم ثمود کو ان کے کفر سابق پر ہلاک نہ

Marfat.com

کیا بلکہ (معجزہ کے طور) اُن کے سامنے پتھر سے اونٹنی نکالی جس کی انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس وقت سب کے سب ہلاک ہوئے۔ اور قوم فرعون کو موسیٰؑ کی نبوت کے انکار سابق پر ہلاک نہ کیا۔ بلکہ جب ان کو پے درپے معجزات دکھلائے اور اُن کی سرکشی و عناد نے خوب زور پکڑا تو سب کے سب ہلاک کئے گئے۔ قوم لوط علیہ السلام کا بھی یہی حال گذرا۔ جب ان کی ہلاکت کا ارادہ ہوا تو لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کو مہمان کی صورت میں بھیجا جن سے کمبختوں نے بدکاری کا ارادہ کیا اور لوطؑ کی ہجیر منتی کی اور ان کو دھمکایا (اور اس کرتوت پر ہلاک ہوئے) اور تمام امتوں کی یہی حالت ہوئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا ارادہ کیا۔ تو ان سے ایسی سرکشی اور ظلم سرزد ہوئے جس کے بعد اُن کو معذب کیا۔ عوام اور خواص تمام بندوں کے ساتھ اسی طرح عادۃ اللہ جاری ہے۔ بندہ اس کی نافرمانی کرتا اور وہ اپنے حلم سے اُس کو جلدی سے نہیں پکڑتا۔ بلکہ جب اس کو پکڑنا چاہتا ہے۔ تو اس کے لیے پہلے قسم کے اعمال سے کوئی ایسا عمل مقرر کرتا ہے۔ جس پر چھوٹنے نہیں پاتا۔ دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ صرف اس آخری جرم پر ہلاک کیا گیا ہے اور درحقیقت یہ بات نہیں بلکہ اس جرم پر اس کی ہلاکت کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے اور پہلے جرائم پر جو اس کی ہلاکت کا سبب تھے۔ احکم الحاکمین نے حکم ہلاکت نافذ نہیں فرمایا تھا۔ پھر جب ان کے بعد اس نے ایسی ناشائستہ حرکت کی جو غضب الٰہی کی زیادتی کا موجب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی ہلاکت کا حکم جاری و نافذ فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (پھر جب ان لوگوں نے اپنی نافرمانیوں سے، ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا) اللہ سبحانہ نے رسولؐ کی نافرمانی کی وجہ سے پہلے ہی ان پر غضبناک تھا لیکن ابھی تک اس کا غضب اس وجہ سے زیادہ نہیں ہوا تھا کہ شاید وہ ایمان

Marfat.com

لائیں تو وہ غضب دُور ہو جائے پھر جب ان کے ایمان کی امید نہ رہی تو وہ غضب مضبوط و مستحکم ہوا۔ جس سے اُن پر عذاب نازل ہوا۔ یہ بات قرآن کریم اور تقدیر الٰہی کے اسرار میں سے ہے۔ اس میں غور کرنا بندے کے حق میں نہایت مفید ہے۔ کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کون سے گناہ پر اس کا معذب ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے بعد معافی نہ ہو گی۔

واللہ المستعان ٭

اور ہم انشاء اللہ عنقریب قضائے کونی اور قضائے شرعی میں فرق بتلانے کے لیے اِس مضمون پر ایک علیحدہ باب منعقد کر کے اسے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ کیونکہ لوگوں کو اس کا سمجھنا از بس ضروری ہے۔ اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفت مشیت سے موصوف ہے اور اس کی مشیت ہی ہر موجود کی ہستی کا سبب ہے جیسا کہ اس کی عدم مشیت اس کے عدم کا باعث ہے پس اِس باب میں دو موجبہ قضیہ صادق ہیں (۱) جو چیز اللہ کی مشیت میں ہو اُس کا وجود ضروری ہے (۲) جو چیز اس کی مشیت میں نہ ہو اس کا عدم اور امتناع ضروری ہے۔ اور یہ کلیہ تمام مقدرات یعنی ذوات افعال۔ حرکات و سکنات وغیرہ کو شامل ہے۔ اللہ کی ذات اِس بات سے پاک ہے کہ اُس کی مملکت میں وہ چیز ہو جو اُس کی مشیت سے خارج ہو یا کوئی چیز اُس کی مشیت میں ہو اور وہ ہستی میں نہ آئے ہاں سلسلہ ہستی میں بعض چیزیں ایسی ضرور ہیں۔ جو اُس کی محبوب و پسندیدہ نہیں اور بعض اُس کی پسندیدہ چیزیں مشیت نہ ہونے کی وجہ سے ظہور میں نہیں آتیں۔ اگر اس کی مشیت ہوتی۔ تو وہ ضرور موجود ہو جاتیں۔

Marfat.com

تیرھواں باب

قضا و قدر کے مراتب میں سے چوتھے مرتبے یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے اعمال ایجاد و تکوین و پیدا کرنیکے بیان میں

جمیع انبیاء علیہم السلام اور جملہ آسمانی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ بندوں کے اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ فطرت۔ ادلہ۔ عقلیہ اور قیاس بھی اس کے شاہد ہیں۔ مجوس امت یعنی فرقہ قدریہ اس کے برخلاف یہ کہتے ہیں کہ اشرف کائنات یعنی ملائکہ انبیاء۔ مرسلین اور عبادِ مومنین کی طاعات اللہ تعالیٰ کی مشیت و تکوین (پیدا کرنے) سے خارج ہیں۔ بلکہ وہ خود ان کے خالق و موجد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انہیں کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس کی قدرت میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ تمام حیوانات کے افعال اختیاریہ میں بھی یہی کہتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک اللہ سبحانہٗ کسی گمراہ کو ہدایت کرنے یا کسی ہدایت یافتہ کو بہکا دینے اور مسلمان کو مسلمان کرنے۔ کافر کو کافر ٹھہرانے اور نمازی کو نمازی بنانے پر قادر نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ بندوں کے اختیار میں ہے اور وہی اس کے جاعل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جعل کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ قرآن کریم بلکہ تمام آسمانی کتابیں۔ حدیث رسول ﷺ۔ ادلہ توحید اور براہین عقلیہ نہایت زور سے انکے قول کا ابطال و تردید کرتے ہیں اور ہر ملک کے اہل علم و ایمان ان کی اس بیہودہ گوئی پر بول اٹھے۔ اور گروہ اسلام جماعت رسول نے ان کے رد میں اس قدر کتابیں

Marfat.com

تصنیف فرمائی ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔ اور سلف صالحین اور آئمہ اہل سنت ہمیشہ انکی گوشمالی کرتے رہے۔ اور ان بزرگوں کے سامنے وہ نہایت ذلیل و خوار رہتے کیونکہ سلف صالحین ان کے باطل قول کو حق صریح اور ان کی بدعت کو سنت صحیح سے رد فرماتے تھے۔ عقلی دلیلیں سنت کا مقابلہ کہاں کر سکتیں۔ سلف کے سامنے وہ ایسے ذلیل تھے جیسے ذمّی مسلمانوں کے سامنے سلف صالحین کے بعد قدریہ کے برخلاف ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا۔ جس نے ان کی بدعت وقول باطل کی تردید ویسی ہی اپنی ہی تراشیدہ بدعت اور قول باطل سے ہی شروع کی۔ اور کہا کہ بندہ اپنے افعال میں محض مجبور اور بالکل بے بس ہے۔ ان کے وجود میں ہرگز اسے کوئی دخل نہیں اور (یہ قول ان کا بالکل غلط ہے کیونکہ) افعال عباد ان کے ارادے واختیار سے واقع ہوتے ہیں اور اس فرقے کے جن لوگوں نے اس خیال میں زیادہ ترقی کی انہوں نے کہہ دیا کہ بندے کے تمام افعال خود اللہ تعالٰی کے افعال ہیں بندے کیطرف صرف مجازاً منسوب ہوتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ بندے کو ان کاموں پر ملامت وعذاب کریگا اور اسے ہمیشہ دوزخ میں رکھے گا۔ جن میں بندے کا کوئی دخل نہ تھا اور نہ وہ اس کے کام تھے بلکہ وہ تو محض اللہ سبحانہٗ کے افعال تھے۔ اس بات کے قائل فرقہ جبریہ کہلاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ اگرچہ فرقہ قدریہ کے عقیدہ سے زیادہ خراب نہیں۔ مگر باطل ہونے میں اس سے کم نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کتب سماویہ۔ ادلہ عقلیہ۔ فطرت اور مشاہدہ یہ سب انکے اقوال کی تکذیب اور تردید کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ حق اور سیدھی راہ سے دور ہیں۔ جب قاضی وغیرہ نے معلوم کیا کہ یہ قول باطل اور شرائع۔ عدل اور جبلت سے مناقض ہے تو یوں کہدیا کہ آدمی کی قدرت اگرچہ افعال کے وجود میں موثر نہیں لیکن اس کے صفات میں سے ایک صفت میں موثر ہے۔ اس صفت کا نام کسب ہے۔ اور امر ونہی۔ ثواب وعقاب اسی سے متعلق ہیں کیونکہ بندے

Marfat.com

کی وہ حرکت جو طاعتِ الٰہی میں ہے۔ اور وہ جو اُس کی معصیت میں ہے۔ دونوں حرکت ہونے میں یکساں ہیں صرف طاعت اور معصیت ہونے میں ایک دوسری سے ممتاز ہے پس نفسِ حرکت اور اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اسکے ایجاد سے واقع ہے۔ اس کا طاعت و معصیت ہونا بندے کی قدرت اور اُسکی تاثیر سے واقع ہے یہ بات اگرچہ قریب الی الصواب ہے لیکن اسکے قائل نے اس کو کماحقہ نہیں بیان کیا۔ بندے کی حرکت کا طاعت یا معصیت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ امرِ الٰہی کے موافق یا مخالف ہے۔ پس موافق اور مخالف ہونا یا تو بندے کا فعل ہے تو اس وقت اُس کی قدرت و اختیار سے متعلق ہوگا یا اُس کا فعل نہیں۔ اگر بندے کا فعل نہیں تو اُس کے لئے کوئی اختیار فعل اور کسب نہ ہوگا۔ غرض قاضی اور ہم خیال لوگوں نے جو صفت کسب ثابت کی ہے۔ اُسے کوئی معقول بات نہیں نکلتی۔ اسی واسطے مشہور ہے کہ علم کلام کی تین باتیں محالات میں سے ہیں (۱) کسب اشعری (۲) احوالِ ابی ہاشم (۳) طفرۂ نظام۔ اس فرقہ کی ایک اور جماعت نے جب اس قول کی خرابی معلوم کی تو کہنے لگے کہ افعالِ عباد کے وجود میں مستقل طور پر پروردگار کی قدرت موثر ہے۔ اور ایک اثر پر دو موثروں کا مجتمع ہونا کوئی محال نہیں۔ اور اُنکے نزدیک ایک مفعول کا دو فاعلوں یا ایک مقدور کا دو قدرت رکھنے والوں سے متعلق ہونا کوئی بعید نہیں جیسے کہ ایک معلوم سے دو عالموں یا ایک مراد سے دو ارادہ کرنیوالوں یا ایک محبوب چیز سے دو محبت کرنیوالوں یا ایک ناپسند چیز سے دو ناپسند رکھنے والوں کا تعلق ہونا کوئی ممنوع نہیں۔ ان کا یہ قول ہے کہ ہم ایسے دو مستقل قدرت رکھنے والوں کو جن میں ہر ایک بالاستقلال فعل کرسکتا ہے یہ دیکھتے ہیں کہ ایک مفعول اُن کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ جس میں فعل اور تاثیر کرنے میں وہ دونو شریک ہوتے ہیں۔ اور مخالفین کو کہتے ہیں کہ ہمارے اس بیان کے بطلان کے لئے سوائے اس دلیل کے کہ مستقل طور پر ایک کی طرف نسبت کرنا دوسرے

Marfat.com

کی طرف اور نیز دونوں کی طرف نسبت کرنے سے مانع ہے تمہارے پاس اور کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ دلیل ناکافی اور مجمل ہے۔ اس کی تفصیل چاہیئے۔ پس اس کلام سے یہ ثابت ہوا کہ ایک مفعول کا دو ایسے فاعلوں کے درمیان واقع ہونا جن میں سے ہر ایک مستقل نہ ہو جائز و درست ہے جیسے دو شخص ملکر کوئی ایسا کام کریں جن میں سے ہر ایک اکیلا اُسے نہیں کر سکتا۔ اور نیز ایک مفعول کا ایسے دو فاعلوں کے درمیان واقع ہونا جائز ہوا جو ملکر اُس میں فعل کریں اور اُن میں سے ہر ایک اعلیٰ درجہ بہ نسبت مستقل طور پر اس میں فعل کرے۔ یہ بات ظاہر ہے۔ اور نیز ایک مفعول کا ایسے دو فاعلوں کے بیچ واقع ہونا درست ہوا جو ملکر اس میں فعل کریں اور ان میں سے ہر ایک علیحدہ بھی اُسے کر سکے جیسے دو شخص ملکر ایک ایسی چیز اٹھائیں جسے وہ دو تو اکیلے بھی اٹھا سکتے ہیں۔ اور یہ تمام صورتیں صرف ممکن نہیں بلکہ (نفس الامر میں) واقع ہیں باقی رہا ایک قسم کہ ایک مفعول ایسے دو فاعلوں کے درمیان واقع ہو۔ جن میں سے ہر ایک نے مستقل طور پر اُس میں فعل کیا ہو۔ سو یہ محال ہے کیونکہ ہر ایک کے مستقل طور پر فعل کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ دُوسرا اُس میں کچھ فعل نہ کرے۔ پس دونوں کے مستقل ہونے سے دونو کا غیر مستقل ہونا لازم آتا ہے۔ اور اکثر لوگ ایک مقدور کے دو قدرت رکھنے والوں سے متعلق ہونیکے مقر ہیں۔ گو کیفیت وقوع میں باہم اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ بندے کے افعال مستقل طور پر تاثیر کرنے کے لحاظ سے تو اللہ سبحانہ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں اور بندے کی قدرت کی طرف بھی منسوب ہیں۔ لیکن اس کی قدرت غیر مستقل بالتاثیر ہے اور جب بندے کی قدرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت ملجائیگی تو وہ اس وجہ سے مستقل طور پر مؤثر ہو جائیگی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اُس کی اعانت فرما کر اس کو مؤثر بنا دیا ہے۔ مگر ان کا قول غلطی سے خالی نہیں کیونکہ اُن کے زعم کے مطابق جب بندے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مدد سے مستقل التاثیر ہو جائیگی تو ایک اثر پر ایسے دو مؤثروں کا مجتمع ہونا لازم آئے گا جن میں سے ایک کی قدرت اور تاثیر دوسرے کی قدرت و تاثیر پر موقوف ہے واللہ اعلم شاید ان کا مطلب یہ ہو کہ بندے کے افعال پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقل بالتاثیر ہے ایک اور جماعت

Marfat.com

کہتی ہے کہ بندے کے افعال مستقل طور پر تاثیر کرنے کے اعتبار سے اس کی قدرت کی طرف منسوب ہیں۔ اس بات کے کئی اہل علم قائل ہیں مگر یہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ ایجاد افعال میں بندے کی قدرت کو مستقل بالتاثیر قرار دیا ہے۔ اور یہ باطل ہے کیونکہ بندے کی قدرت زیادہ سے زیادہ سبب بلکہ جزو سبب ہو سکتی ہے اور کوئی سبب اپنے نسیب کے حصول میں مستقل بالتاثیر اور اس کا موجب نہیں ہوتا۔ اور سلسلہ ہستی میں مشیت الہٰی کے سوا کوئی چیز حصول ممکنات کی موجب نہیں۔ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو قدرت وارادہ بخشا ہے اور اسی قدرت وارادہ کی وجہ سے کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا اس کے اختیار میں کر دیا اور اسے اپنی ارادت کے فعل و ترک میں خود رائے بنا دیا ہے۔ پس وہ اپنی اُس قدرت وارادے سے جن کے سبب فعل و ترک کا اُسے اختیار دیا گیا کسی کام کو کرنا اور کسی کو چھوڑنا ہے۔ ایک اور جماعت کا یہ قول ہے کہ بندے کے مقدورات عین مقدورات الہٰی ہیں بشرطیکہ بندہ اُنہیں اس وقت کرے جب اللہ تعالیٰ انہیں نہ کرے نہ یہ کہ اس وقت کرے جب اللہ تعالیٰ ان کا فاعل ہو۔ یہ اس لیے کہ ایک چیز کے دو خالق نہیں ہو سکتے اور ایک طرح پر یہ بعینہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو ایک چیز کے دو فاعل سے سرزد ہونے کے قائل ہیں۔ اور بہت سے قدریہ جن میں شحام وغیرہ ہیں اسی بات کے قائل ہیں۔ ایک اور جماعت کا قول ہے کہ ایک فعل مختلف نسبتوں کے ساتھ دو فاعلوں سے واقع ہو سکتا ہے۔ اس طرح کہ ایک موجد اور دوسرا کاسب ہو۔ نجار ضرار بن عمرو اور محمد بن عیسےٰ بن حفص کا یہی مذہب ہے شاعرہ اور ان کے مذہب میں دو طرح سے فرق ہے (۱) اس مذہب والے اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ

Marfat.com

اگرچہ اپنے افعال کا محدث و مخترع نہیں. لیکن ان کا فاعل حقیقۃً ہے اور اشعری کہتے ہیں کہ بندے کے افعال اگرچہ اُس کی طرف منسوب ہوتے ہیں. لیکن وہ ان کا فاعل نہیں ان کا فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی فاعل نہیں (۳) اِس مذہب والے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ افعالِ عباد کا محدث اور بندے اُن کے فاعل ہیں. اور ایک فرقہ کہتا ہے کہ افعال عباد درحقیقت اللہ تعالیٰ کے افعال اور مجازاً بندوں کے اعمال ہیں. اشاعرہ کا ایک یہی قول ہے اور ان کے دوسرے فریق نے جن میں سے قلانسی اور ابواسحاق ہیں. اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ افعالِ عباد حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں. اور انسان کی بھی حقیقی افعال ہیں. مگر انسان اُن کا محدث نہیں بلکہ ان کاسب ہے ایک دوسرے فریق یعنی جہنم اور اس کے اتباع کا یہ قول ہے. کہ درحقیقت قادر اور فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے ماسوا اُس کے حقیقۃً نہ تو کوئی فاعل ہے اور نہ کاسب ہے بلکہ وہ اپنے تمام افعال، حرکت اور سکون میں مجبور اور یہ جو بولتے ہیں کہ فلاں شخص کھڑا ہو. بیٹھا یا فلاں شخص نے کھایا پیا یہ سب مجازاً کہتے ہیں جیسے کہ فلاں شخص مرا. بڑا ہوا. گر پڑا. آفتاب نکلا یا ڈوب گیا یہ تمام مجازی نسبتیں ہیں. اور یہ غلاۃ جبریہ کا قول ہے اُن کے مقابل قدریہ کہ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود موجد اور اپنی قدرت وارادے سے اُن کو پیدا کرتے ہیں جس طرح کہ انسان مقدورات باری تعالیٰ پر قدرت رکھنے کی صفت کے ساتھ موصوف نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے افعال اُس کی قدرت میں داخل ہیں. اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کے مقدورات پر قدرت رکھنے کی صفت سے موصوف نہیں اور نہ اُن کے مقدورات اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں. جمہور قدریہ کا بھی قول ہے اور تمام قدریہ اس بات پر متفق ہیں

Marfat.com

کہ اللہ سبحانہ افعالِ عباد کا فاعل نہیں لیکن ان میں یہ اختلاف ہے اللہ تعالیٰ اُن کا محدِث۔ خالق اور پیدا کرنے والا اور ان پر قادر ہے یا نہیں۔ جمہور قدریہ تو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے منکر ہیں۔ لیکن ان میں جو لوگ مذہب اہل سنت سے قریب ہیں وہ اتنا مانتے ہیں کہ افعالِ عباد اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اور وہ ان پر قادر ہے اور بندے اللہ تعالیٰ کی ان پر قدرت دینے سے اُن کو پیدا کرتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعالِ عباد قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے کرنے پر قادر ہے۔ یہ تو اُن کے نزدیک محالات میں سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اُن پر قادر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بندوں کو اُن کے پیدا کرنے پر قدرت دیتا ہے پھر وہ اپنی قدرت اور اللہ تعالیٰ کے قدرت اور قوت دینے سے ان کو وجود میں لاتے ہیں ان کا خیال اہلسنت کے عقیدہ کے قریب ہے یہ جتنے مذاہب مذکور ہوئے ہیں سب میں کچھ نہ کچھ غلطی اور کوئی نہ کوئی بات صحیح بھی موجود ہے۔ لیکن بعض زیادہ غلطی پر اور بعض اقرب الی الصواب ہیں۔ اور ہر ایک مذہب کے ادلہ ویراہیں اپنے مخالف فریق کی غلطی کی تردید کے لیے قائم ہو سکتے ہیں۔ اور اس کے صحیح قول کے ابطال پر ان کی دلالت نہیں۔ پس جبریہ کی ہر ایک صحیح دلیل اللہ تعؐ کی قدرت اور مشیت کے ثبوت پر اور نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اِس عام حکم سے ممکنات کا کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں۔ اور یہی حق ہے۔ لیکن ان کے پاس کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جو بندے کے قادر صاحب ارادہ۔ اور فاعل لقدرت و مشیت ہونے اور نیز اس بات کو نفی کرے کہ بندے کے افعال اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اور وہ اسی کے افعال ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے۔ اور

Marfat.com

اسی طرح قدریہ کی ہر ایک صحیح دلیل صرف اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ افعالِ عباد ان کے فعل ہیں اور ان کے ساتھ قائم اور ان کی قدرت، مشیت و ارادے سے واقع ہیں اور وہ ان میں مختار ہیں نہ مجبور و مضطر اور ان کے پاس کوئی ایسی صحیح دلیل موجود نہیں جو اللہ سبحانہ کے افعالِ عباد پر قادر ہونے اور بندوں کو ان کا فاعل بنانے کے منافی ہو۔ غرض جبریہ کہ تمام دلیلیں ان لوگوں کے برخلاف صحیح و درست ہیں جو اللہ سبحانہ کی تمام اشیاء یعنی ذوات اور افعال پر قادر ہونے کے منکر ہیں اور ہر ایک موجود پر اس کی مشیت و خلق کے حاوی ہونے کا انکار کرتے اور اس بات کے قائل ہیں کہ سلسلہ ہستی میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس کی مشیت و خلق سے باہر ہیں اور قدریہ کی دلیلیں ان لوگوں کے مخالف صحیح و درست میں جو بندے کے فعل، قدرت، مشیت و اختیار کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ بندہ کسی چیز کا فاعل نہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو ان کاموں پہ عذاب کرے گا۔ جو نہ اس کا فعل ہیں اور نہ اسے ان پر کسی قسم کی قدرت ہے بلکہ وہ ان میں مضطر اور مجبور محض ہے اور اہلسنت تابعدارِ رسول صلعم خاص مسلمانوں کی جماعت سب عقائد میں نہ تو جبریہ اور نہ ہی قدریہ کے ساتھ ہیں بلکہ جو عقیدہ جبریہ کا صحیح ہے اس میں ان کے ساتھ اور جو قدریہ کا ٹھیک ہے اس میں اُن کے ہمراہ ہیں، غرض ہر ایک گروہ کے عقائد میں جو بات صحیح ہے اس میں تو اس کے موافق اور جو غلط ہے اُس سے بیزار ہیں، سو ہر مذہب میں جو جو صحیح عقائد ہیں اہلِ سنت کا مذہب ان سب کو جامع ہے اسی وجہ سے اہلسنت ہر گروہ کے صحیح عقیدے کا قائل اس کے مددگار اور اسی صحیح عقیدہ کی جو اہلِ سنت اس عقیدہ کے دوستدار ہیں اور ہر فریق کے باطل عقائد کے مخالف اور ان کے مٹانے میں کوشاں

Marfat.com

ہیں اور انہیں عقائد باطلہ کی وجہ سے ان لوگوں سے دشمنی وعداوت رکھتے ہیں. پس اہل سنت گویا ان سب کے درمیان منصف وحاکم ہیں. کسی ایک فریق کی طرف ان کا پورا میلان نہیں اور نہ ہی کسی فریق کی حق بات کو رد کرتے اور نہ بدعت کا بدعت سے مقابلہ کرتے اور نہ ہی باطل کو باطل سے مٹاتے ہیں. اور کسی مخالف فریق کی دشمنی کی وجہ سے خواہ اس سے اس حد تک مخالف ہو کہ اسے کافر کہتے ہوں عدل وانصاف کو نظر انداز نہیں کرتے. بلکہ ان کی حق بات کے قائل اور ان کے اقوال میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول کو یہی حکم دیا ہے. کہ وہ تمام لوگوں میں عدل و انصاف کریں. چنانچہ فرمایا ہے فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ (تو (اے پیغمبر) تم تو (لوگوں کو) اسی (راصل دین) کی طرف بلاتے رہو اور (ان یہود و نصاری) کی خواہشوں پر نہ چلو اور (ان سے صاف) کہہ دو کہ کتاب (کی قسم میں) سے جو کچھ خدا نے اتارا ہے میرا تو سب پر ایمان ہے اور مجھ کو (خدا کے ہاں سے) حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان (تمہارے اختلافات کا فیصلہ) انصاف (کے ساتھ) کروں) سو اللہ سبحانہ نے آنحضرت صلعم کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی طرف لوگوں کو دعوت کریں اور بذات خود اس کے حکم کے موافق مستقیم رہیں اور کسی فرقے کی خواہش (نفسانی) پر نہ چلیں اور جو امور حق ہوں ان سب پر ایمان لائیں. اور جملہ اہل ادیان اور مختلف اقوال لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے. کہ تمام اہل ہوا اور بدعتی فرقے اس آیت پر عمل کرنے سے نہایت بے نصیب اور بے بہرہ ہیں. اور اللہ ورسول کی جماعت

Marfat.com

یعنی متبعین سُنّت کا اس پر پُورا عمل درآمد اور وہی اس کا مصداق ہیں۔ اہل سُنّت کو اِس مسئلہ اور اس کے علاوہ جمیع مسائل میں تمام فرقوں کی نسبت سعادت حق شناسی زیادہ حاصل ہے یہ تمام موجودات یعنی ذوات وافعال پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت عامہ کو ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اِس نقص سے پاک ہے کہ اُس کے ملک میں وہ چیز ہو جو اُس کی قدرت سے باہر اور اُس کی مشیت سے خارج ہو۔ یہ تقدیر سابق کو مانتے ہیں اور نیز اس کے متعلق، اِن باتوں کے قائل ہیں کہ بندوں کے اعمال قضاء قدر سابق کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان سب کو پہلے مقدر فرما چکا ہے۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو بندوں کی کوئی مشیت نہیں۔ اور وہ سب کام اُس کی مشیت کے بعد کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک ان دونو جملوں میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں۔ اور ان کے نزدیک تقدیر کے کئی مراتب ہیں یعنی قدرت الٰہی علم، مشیت، خلق وغیرہ پس کوئی ذرہ یا اس سے بھی چھوٹی چیز اُس کی مشیت، علم، اور قدرت بغیر حرکت نہیں کر سکتی۔ پس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کو درحقیقت یہی لوگ ملتے ہیں۔ باقی لوگ گو اس کے قائل ہیں مگر پوری طرح کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ تمام کائنات علوی اور سلفی اور جمیع حیوانات جو کام کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قوت دینے سے ہوتا ہے اور انسان کو جو فعل ترک کے لحاظ سے مختلف حالتیں پیش آتی ہیں وہ سب اللہ کے قدرت دینے سے ہیں نہ اس کے اپنے اختیار سے۔ اہل سنت اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ جسے اللہ ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنیوالا نہیں۔ اور جسے وہ بہکا دے اُسے کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور وہی مُسلِم کو مُسلِم، کافر اور نمازی کو نمازی بنانا اور

Marfat.com

ساکن کو ساکن) اور متحرک کو متحرک کرنا۔ اور وہی بندے کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے۔ وہ چلانے والا اور بندہ چلنے والا۔ وہ حرکت دینے والا اور بندہ حرکت کرنیوالا۔ وہ کھڑا کرنیوالا اور بندہ کھڑا ہونیوالا۔ وہ ہدایت دینے والا اور بندہ ہدایت پانیوالا۔ وہ کھانا کھلانے والا اور بندہ کھانا کھانے والا ہے وہ زندگی اور موت دینیوالا اور بندہ زندہ رہتا اور مرتا ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے بندے کی قدرت۔ ارادہ۔ اختیار اور اس کا فعل ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ بندہ حقیقۃً فاعل ہے نہ صرف مجازًا اور وہ اس بات پر متفق ہیں کہ فعل اور مفعول ایک چیز نہیں بلکہ ان میں فرق ہے۔ چنانچہ بغوی وغیرہ نے ان سے نقل کیا ہے بندوں کے تمام حرکات واعتقادات ان کے حقیقی افعال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ان کو یہ نسبت ہے کہ حقیقۃً اُس کے مخلوق ومفعول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا عالم۔ ان پر قادر اور ان کو پیدا کرنیوالا ہے۔ اور یہ اُس کی مشیت وارادے سے ہوتے ہیں۔ اور بندے ان کے فاعل۔ کاسب اور وہ اپنے تمام حرکات وسکنات سے موصوف ہیں۔ سو بندے مسلمان نماز پڑھنے والے۔ قائم۔ قاعد ان کے علاوہ اور صفات سے موصوف ہیں۔ اور اللہ سبحانہ ان کو ان کاموں پر قدرت دینے والا اور ان کو پیدا کرنے والا اور بندوں سے ان کو چاہنے والا ہے بندوں کی مشیت وفعل اس کی مشیت کے بعد ہے وہ اس کی مشیت بغیر نہ تو کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کوئی کام ان سے ہوسکتا ہے۔ جب اس مذہب اور دیگر مذاہب کو باہم مقابلہ کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہی مذہب راست اور صراط مستقیم ہے اور دوسرے تمام مذاہب اس کے دائیں بائیں خطوط ہیں۔ بعض اس سے قریب۔ بعض بعید۔ بین بین ہیں۔ اور جب سورۂ فاتحہ میں کماحقہ غور کیا جائے۔ تو اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوّل سے آخر تک اہلسنت کے مذہب وعقائد پر صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کی محمودیت اور اس کی ربوبیت الٰہی باتوں کی مقتضی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو جمیع اشیاء پر قدرت نہ ہو جیسے جبریہ کا زعم ہے (نعوذ باللہ) جو آسمان و زمین میں رہنے والوں یعنی ملائکہ، جن، انس، چرند، پرند وغیرہ کے مقدورات پر قادر نہیں۔ بلکہ یہ ایسے کام کرتے ہیں جو اس کی قدرت و مشیت سے باہر ہیں اور جن کاموں سے اس کی مشیت متعلق ہو۔ اُن کو بہتیرے نہیں کرتے غرض جو کام اس کی مشیت میں ہے وہ نہیں ہوتے۔ اور جن سے اُس کی مشیت متعلق نہیں وہ ظہور میں آتے ہیں تمام محامد و تعریفوں کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے بلکہ اس کی کمال محمودیت و ربوبیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر اور کوئی چیز ایک ذرہ بھر بھی اُس کی مشیت سے باہر نہ ہو۔ اس کے بعد دونو جملہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کو دیکھو کہ اُن دونوں فریق کے قول کو جو صراط مستقیم سے منحرف ہیں باطل کرتے ہیں، کیونکہ پہلے جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا فاعل اور عبادت حقیقۃً اس کے ساتھ قائم ہے پس بندہ حقیقۃً عابد ہے۔ اور دوسرے جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت اللہ عزوجل کی اعانت و مدد بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ مدد نہ فرمائے اور اس پر قدرت نہ دے اور اس کی مشیت میں نہ ہو تو بندہ اس پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اور وہ وجود میں نہیں آسکتی۔ غرض فعل تو بندے کا ہے۔ اور اُس پر قدرت دینا اور اعانت کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے پھر جملہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (ہم کو دین کا سیدھا رستہ دکھا) پر غور کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اس اللہ پاک سے ہدایت طلب کرے جو ہدایت دینے پر قادر ہے اور وہی اُسی کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو اپنے بندے کو ہدایت فرمائے چاہے تو اُس سے محروم رکھے۔ ہدایت پانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ حق کو پہچانے اور اس پر عمل کرے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نہ جتلائے اور اس پر عمل کی توفیق نہ بخشے تو وہ کبھی ہدایت یاب نہیں ہو سکتا۔ اور

Marfat.com

صرف اللہ سبحانہ وہ ہدایت دیتا ہے جس سے آدمی راہ راست پر آجاتا ہے ہدایت (جو صفات الہٰی سے ہے اس) کا معنی یہ ہے کہ بندے کے دل میں راہِ راست کی ایسی محبت ڈال دیتا ہے کہ وہ اس کو اختیار کر لیتا ہے اور اس پر کاربند ہو جاتا ہے۔ اور یہ ہدایت کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کے اختیار میں نہیں۔

آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ اے پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) میں جناب رسالت کو اسی ہدایت کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ ہدایت تمہارے اختیار میں نہیں، بلکہ یہ اللہ کا کام ہے۔

آیت وَاِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (اور اے پیغمبر اس میں شک نہیں کہ تم (لوگوں کو) سیدھا ہی رستہ دکھاتے ہو) میں اپنے رسول کو ہادی قرار دیا ہے۔ سو اس آیت میں ہدایت سے دعوت تعلیم اور ارشاد مراد ہے اور قوم ثمود کو بھی یہی ہدایت ملی تھی۔ جس پر انہوں نے گمراہی کو اختیار کیا اور اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے پیچھے گمراہ قرار دے تا وقتیکہ ان کو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں) سو وہ ہدایت جو بمعنی اظہار و بیان حق ہے اور جس سے اُن پر حجت قائم ہو اُن کو عطا ہوئی اور وہ ہدایت جو راہ راست پانے کی موجب ہے اور جسے حاصل ہو جائے وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ اس سے اُن کو محروم رکھا۔ راہ راست کو بتانا، اور اسے ظاہر کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کمال انصاف اور ہدایت حقیقی سے ان کو محروم رکھنا اُس کی عین حکمت ہے۔ قیام حجت کے لیے اُن پر راہ راست کو ظاہر کر دیا۔ اور ہدایت حقیقی سے اس لیے محروم رکھا کہ

Marfat.com

وہ اس کے اہل اور اس کے لائق نہ تھے۔ اور اس باب کے بعد دوسرے باب میں ہدایت، ضلال اور ان دونو کے مراتب و اقسام کو ہم ان شاء اللہ عنقریب مفصلاً بیان کریں گے۔ یہاں تو قضا و قدر کے مراتب میں سے چوتھے مرتبہ (یعنی افعال مکلفین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ جس طرح کہ اس کے علم و کتابت میں ہیں اسی طرح اس کی قدرت و مشیت کے تحت میں ہیں) کے اثبات کی چند دلیلیں ذکر کرنی مقصود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ط (اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا خبر گیراں ہے) یہ ایک عام حکم ہے سلسلہ عالم کی تمام چیزیں خواہ ذوات ہوں یا ان کے افعال، حرکات اور سکنات ہوں سب اس میں داخل ہیں کوئی ذرہ سی چیز بھی اس سے خارج نہیں۔ اور اللہ کی ذات اور اسکے صفات سے اس حکم کو مخصوص کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ اپنی ذات سمیت خالق اور ماسوا اس کے سب مخلوق ہیں، غرض لفظ کل شیءٍ سے سب مخلوق مراد ہے اور اللہ کی ذات مع صفات تو خالق ہے پس وہ پہلے ہی کل شیء میں داخل نہیں تاکہ اسکو خارج کرکے اس حکم کو مخصوص کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے صفات اسکے مسمی میں داخل ہیں کیونکہ لفظ اللہ اس معبود برحق کا علم ہے جو تمام صفات کمال سے موصوف اور جمیع عیوب و نقائص سے منزہ و پاک ہے۔ عالم کی چیزیں دو طرح کی ہیں کہ ایک اعیان یعنی ذوات۔ دوم ان کے افعال۔ اللہ تعالیٰ اعیان کا اور نیز ان افعال کا جو ان سے صادر ہوتے ہیں سب کا خالق ہے۔ جیسا کہ وہ ان سب کا بالتفصیل عالم ہے۔ غرض کوئی چیز اس کے علم۔ قدرت۔ خلق اور مشیت سے باہر نہیں قدریہ یہاں شبہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کا محدث و پیدا

Marfat.com

کنندہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا مُقدِّر کرنے والا ہے۔ اور خلق بمعنی تقدیر مستعمل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (تو خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو سب بنانیوالوں میں بہتر بنانیوالا ہے) اور ایک شاعر کا قول ہے وَلَأَنْتَ تَفْرِي مَا خَلَقْتَ وَبَعْضُ الْقَوْمِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِي (یعنی تو جس کام کا اندازہ کرتا اور اُسے ٹھیراتا ہے تو اپنے مضبوط ارادے اور بلند ہمت سے اسے پورا کرتا اور سرانجام کو پہنچا دیتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کسی کام ٹھان کر رہجاتے ہیں اور اُن کو ان کے پورا کرنے کی طاقت و حوصلہ نہیں ہوتا۔ غرض اللہ تعالیٰ افعالِ عباد کا مقدر ہے اور بندے اُن کے مُوجِد و پیدا کرنے والے ہیں۔

اہلِ سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ تمہارے متقدمین لوگ تو اس بات کے منکر تھے کہ اللہ سبحانہٗ افعالِ عباد کا مُقدّر ہے۔ بس اُن کی طرف سے تو یہ کہنا صحیح نہیں۔ رہے وہ لوگ جو تم میں سے تقدیرِ افعالِ عباد کو مانتے ہیں تو اُن کے نزدیک تقدیر بمعنی علم ہے نہ تقدیر بمعنے متعارف یعنی اندازہ کرنا کیونکہ ان کے زعم میں اللہ تعالیٰ افعالِ عباد کے مُقدّر اور اندازہ کرنے پر قادر نہیں بلکہ بندہ خود اُن کا پیدا کنندہ ہے۔ غرض ان کے نزدیک تقدیر بمعنے علم ہے۔ اور لفظ خلق بمعنے علم کسی قوم کے لغت میں مستعمل نہیں۔ اگر خلق بمعنی علم ہو تو جو شخص کسی کا عالم اور اس کی ذات و صفات سے واقف ہو تو اُسے اُس کا خالق کہا جائے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اگر تقدیر کا ایسا معنی مراد لیتے ہو جس سے اللہ تعالیٰ کا مُوجدِ افعال ہونا ثابت ہو تو یہ تمہارے مذہب کے خلاف ہے اور اگر تقدیر بمعنے علم و خبر مراد ہے تو یہ لغت کے مخالف ہے۔

Marfat.com

قدریہ کا دوسرا شبہ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ۔ یہاں کل شیٔ جو صیغہ عموم ہے اس سے خاص اشیاء مراد ہیں۔ اور خود اہل سنت بھی اس سے تمام اشیاء مراد نہیں لے سکتے۔ کیونکہ قرآن کریم کو جو ایک نہایت عظیم الشان اور جلیل القدر چیز ہے اس عموم سے نکالتے اور کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا مخلوق نہیں تو جس طرح اہلسنت سے خاص چیزیں مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی اس سے خاص اشیاء ارادہ کرتے اور کہتے ہیں کہ افعال عباد اس عموم سے اس لیے خارج ہیں کہ ادلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ افعالِ عباد خود بندوں کے اپنے کام ہیں۔

اہلِ سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ قرآن کریم اللہ سبحانہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام اس کے صفات میں سے ہے۔ اور اس کی ذات مع صفات خالق ہے۔ پس اس کے صفات سرے سے مخلوق میں داخل نہیں کیونکہ خالق اور مخلوق دو مغایر چیزیں ہیں۔ تو ہم نے اس آیت میں کسی طرح کی کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ اللہ کی ذات مع صفات خالق ہے اور اس کے ماسوا جتنی چیزیں ہیں سب مخلوق ہیں۔ باقی وہ دلیلیں جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ افعالِ عباد خود بندوں کے فعل ہیں۔ اور ان کے ساتھ قائم ہیں یہ سب صحیح ہیں ان کو ہم مانتے ہیں اور ان کے مضمون کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے فاعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کے افعال کا خالق اور وہ اس کے مفعول و مخلوق ہیں۔ فعل اور مفعول دو الگ چیزیں ہیں اور ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں اور بندہ ان کے کرنے میں مضطر و مجبور ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بندوں کے فعل ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن پر قادر نہیں۔ اور نہ بندے کو ان کا فاعل بناتا ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اُن کے

Marfat.com

ایسے مستقل بالتاثیر دو فاعل وخالق پیدا کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک علیحدہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سب اقوال باطل ہیں ہم ان کے قائل نہیں،

قدریہ کا تیسرا شبہ۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ میں لفظ کل شیئ سے وہ چیزیں مراد ہیں جن پر سوائے اللہ کے کسی دوسرے کو قدرت نہ ہو۔ افعال عباد جن پر بندے قادر ہیں اس میں داخل نہیں افعال عباد جب بندوں کی طرف منسوب ہیں تو وہ اللہ کی طرف کس طرح منسوب ہو سکتے ہیں۔ اور وہ کیونکر ان کا خالق ہو سکتا ہے۔ ورنہ ایک فعل کا دو فاعلوں سے سرزد ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہے۔

اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ افعال عباد بندوں کی طرف اس لحاظ سے منسوب ہیں کہ وہ ان کے فاعل وکاسب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے منسوب ہیں کہ وہ ان کا خالق ہے اور اس کے ارادے ومشیت سے ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت۔ قدرت اور خلق ان سے متعلق نہ ہو تو وہ کبھی وقوع میں نہ آئیں بندوں کی کیا ہستی ہے کہ وہ ایسا کام کر سکیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہ ہو اور وہ اس کو پیدا نہ کرے۔

فصل۔ افعال عباد پر اللہ سبحانہ کے قادر ہونے کی دلیلوں میں سے ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس دلیل کے متعلق بھی قدریہ کا ویسا ہی سوال وجواب ہے جیسا کہ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ کے متعلق گذر چکا۔ اس دلیل کی تقریر میں ہم اتنا زیادہ بیان کرتے ہیں کہ افعال عباد ممکنات میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور قدرت سے بندوں کو ان کے افعال کا فاعل بناتا ہے اور اگر وہ چاہے تو باوجود سلامت آلات

Marfat.com

واسباب کی ان سے کوئی فعل وقوع میں نہ آئے اور اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کی افعال کے درمیان حائل ہو جائے۔ کما قال تعہ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (اور اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے اپنے پاس سے کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے ایک دوسرے سے نہ لڑتے لیکن (تاہم) لوگوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جو کافر ہوئے۔ اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ (آپس میں نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) وقال تعالیٰ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ (اور (اے پیغمبر) اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگ ایسی حرکت نہ کرتے) وقال تعہ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (اور اے پیغمبر) تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے اغرض آدمی کا دل۔ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں سب کچھ اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو ان سے کوئی فعل صادر نہ ہو۔ پھر ایسے مالک کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ افعال عباد پر قادر نہیں کیسی بُری بات ہے۔ ان ظالموں و منکروں قدرتِ الٰہی کے خیالات فاسدہ سے اُس کی ذات پاک و بالا تر ہے۔ ہاں اُس کی نسبت ہمارا یہ بھی خیال نہیں ہے کہ وہ بندوں کو ایسے کاموں پر عذاب دے گا جو اُن سے سرزد نہیں ہوئے اور نہ وہ اُن کی قدرت میں تھے۔ بلکہ وہ خود اس کے اپنے افعال تھے۔ اور بندے ان میں مجبور و مضطر تھے۔ اور یہ عذاب اس قسم کا ہو گا جیسے لنجے کو آسمان کی طرف نہ اُڑنے اور مقطوع الید کو ترک کتابت اور گونگے کو نہ بولنے پر سزا دی جائے" اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کی ذات ان دونو باطل مذہبوں کے خرافات سے پاک ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالق اعمال عباد ہونے کی ادلہ میں سے ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ (اور اللہ ہی نے تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں سے (از قسم غار وغیرہ) تمہارے لیے چھپ بیٹھنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے (کپڑے کے) کرتے بنائے جو تم کو گرمی (سردی) سے بچائیں اور (کچھ لوہے کے) کرتے (بنائے یعنی زرہیں) جو تم کو تمہاری (ایک دوسرے کی) زد سے بچائیں) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ سرابیل یعنی زرہوں اور کپڑوں کو اسی نے بنایا ہے۔ صرف لوہے یا روئی کو جب تک کہ اُن میں انسانی صنعت نہ ہو زرہ یا کپڑے نہیں کہتے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا بنانے والا میں ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ ان کے اصل مادے۔ صورت وہیئت سب کا خالق وہی ہے انسانی صنعت ایک واسطہ ہے) اور آیت وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ (اور اللہ ہی نے تمہارے گھروں کو ٹھکانا بنایا اور چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے لئے (ایک خاص قسم کے) گھر (یعنی خیمے وغیرہ) بنائے کہ تم اپنے کوچ کے وقت اور اپنے ٹھیرنے کے وقت اُن کو ہلکا (پھلکا) پاتے ہو بھی اس کے مشابہ ہے۔ اس میں اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ ہر قسم کے گھر میں مکانات۔ خیمے وغیرہ سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ صنعت انسانی سے تیار ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صنعت انسانی کا خالق

Marfat.com

وہی ہے اور اسی طرح آیت وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ (اور ان لوگوں کے سمجھنے کے، لیے (ہماری قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ ہم ان (آدمیوں) کی نسل کو بھری ہوئی کشتیوں میں اٹھائے پھرتے ہیں) اسی مدعا پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ وہ کشتی جو آدمی کے ہاتھوں سے تیار ہوتی ہے اس کا خالق وہی ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ لفظ مثلہ سے یہاں اونٹ مراد ہے۔ مگر یہ قول ان کا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ کشتی اور اونٹ میں کسی قسم کی مماثلت موجود نہیں، اور آیت أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (کیا تم ایسی وبے حقیقت) چیزوں کو پوجتے ہو جن کو تم (آپ) تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو سب کو، اللہ ہی نے پیدا کیا ہے)، جو ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے یہ الفاظ کہے تھے۔ اسی مضمون کو ثابت کرتی ہے اس آیت میں کلمہ مَا اگر مصدریہ ہو جیسا بعض اہل علم کہتے ہیں تو اس مدعا پر اس کی دلالت توظاہر ہے لیکن مَا کو مصدریہ قرار دینا درست نہیں کیونکہ عبارت اصنام کا انکار کرنے اور اللہ تعالیٰ کے خالق اعمال ہونے کی خبر دینے میں کچھ مناسب نہیں۔ پس بہتر یہ ہے کلمہ مَا یہاں موصولہ قرار دیا جائے اور اسطرح مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور نیز اُن بتوں کا خالق ہے جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے سو وہ بت اللہ کی مخلوق ہیں نہ اُس کے شریک و معبود۔ غرض اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ اُن کے مصنوعی معبودوں کا وہی خالق ہے اگرچہ ان کے بنانے والے بندے ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے۔ کہ اللہ ان بتوں کے مادہ کا خالق ہے کیونکہ

Marfat.com

لفظ تَعْمَلُوْنَ جو اس کے بعد ہے اس کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلوب یہ ہے۔ کہ اللہ اس چیز کا خالق ہے جس کو تم بناتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ بُتوں کا مادہ انسانی صنعت میں داخل نہیں پس ان کی صورت و ہئیت مراد ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے کئی ایسے بندے بنائے ہیں جو آئمہ خیر ہیں۔ لوگوں کو بھلائی اور ہدایت کی طرف بُلاتے ہیں۔ اور کئی ایسے شخص ٹھیرائے ہیں جو لوگوں کو دوزخ کی طرف پُکارتے ہیں پس یہ امامت اور دعوت اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور فعل اُن کا ہے۔ چنانچہ آل فرعون کی نسبت فرمایا ہے وَجَعَلْنَا هُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ (اور ہم نے اُن کو سردار (تو) کیا تھا مگر ایسے بُرے سردار) کہ جب تک دُنیا میں رہے لوگوں کو، دوزخ کی طرف بلاتے رہے)، اور آئمہ ہدایت کی نسبت فرمایا ہے وَجَعَلْنَا هُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا (اور ان کو لوگوں کا) پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے (اُن کو) ہدایت کرتے تھے، پس بتلادیا ہے کہ دوزخ اور ہدایت کی طرف بلانا دونو دعوتیں اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اگرچہ فعل وکسب آئمہ نار و آئمہ ہدیٰ کا ہے۔ اور ابراہیمؑ کی اِس دُعا سے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔ اور (اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا (بندہ) فرماں بردار بنا) سے بھی یہی مُدعا ثابت ہوتا ہے ابراہیمؑ کی کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مسلمان کو مسلمان بناتا ہے۔ قدریہ ہے کہ یہ عقیدہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو مسلمان بناتا ہے نہ یہ کہ درحقیقت اللہ اُس کو مسلمان کرتا یا پیشوائے ہدایت یا ضلالت بناتا ہے بلکہ آدمی خود اپنے آپ کو ایسا بناتے ہیں اور یہ افعال خدا کی طرف مجازاً نسبت کئے جاتے ہیں یعنی یہاں

Marfat.com

جعل بمعنے خلق نہیں بلکہ جعل بمعنی تسمیّہ ہے یعنی ہم نے ان کا نام مسلمان رکھا۔ یا اُن کو آئمہ کے نام سے نامزد کیا۔

فصل۔ منجملہ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ بندے کو بدکاری اور پرہیزگاری وہی الہام کرتا ہے۔ اور الہام کہتے ہیں القاء فی القلب یعنی (کسی چیز کے) دل میں ڈالنے کو نہ محض تعلیم اور بیان کرنے کو جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو بیان کرے اور دوسرے کو اُس کی تعلیم کر دے تو عُرف اور لغت میں اُسے مُلہم نہیں کہتے۔ بلکہ یہاں الہام کا وہی مطلب ٹھیک ہے جو ابن زید نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جی میں بدکاری یا پرہیزگاری کو پیدا کر دیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ قبیلہ مزینہ یا جہینہ کا ایک شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے یہ دریافت کیا یا رسول اللہ یہ اعمال جن کو آدمی کر رہے ہیں اور ان میں جانکاہی سے کام لیتے ہیں کیا پہلے سے تقدیر سابق میں ان کے حق میں مقدور ہو چکے ہیں یا از سرِ نو انبیاء کی ہدایت کے مطابق پیدا کرتے ہیں آپ نے فرمایا پہلے سے مقدور ہو چکے ہیں۔ اس نے عرض کیا تو پھر عمل کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا جس کو اللہ نے جس مقام کے لیے بنایا ہے اُس سے ویسے ہی کام کراتا ہے اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا اور انسان کی اور اُس ذات کی قسم، جس نے اس کو ایسا درست بنایا پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتیں) اس کو سمجھا دیں۔

قضا و قدر سابق کے بیان کرنے کے بعد آپ کے اس آیت کے پڑھنے

Marfat.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الہام سے تقدیر سابق کے مطابق کام کرانا مراد ہے نہ کہ محض بتانا اور آگاہ کرنا مقصود ہے کیونکہ محض بیان اور تعریف کرنے سے اُن اعمال کا جو تقدیر سابق میں مقدور ہو چکے ہیں وقوع میں آنا ضروری نہیں۔ سلف صالحین میں سے جن لوگوں نے الہام کی تفسیر تعلیم اور تعریف سے کی ہے ان کا مطلب محض تعلیم اور صرف آگاہ کرنا نہیں بلکہ ایسی تعلیم جس سے اعمال کا وقوع ضروری ہو۔ صرف تعلیم اور آگاہ کرنے کو لغت میں الہام نہیں کہتے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (اور لوگو، تم اپنی بات چپکے سے کہو یا پکار کر کہو خدا تو تمہارے دلی خیالات تک سے واقف ہے بھلا ہو سکتا ہے کہ خدا جو پیدا کرے وہی اپنی مخلوقات کے حال سے ناواقف ہو حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے)، بھی اسی مدعا پر دلالت کرتا ہے۔ ذات الصدور میں جملہ اعتقادات، ارادت حب۔ بغض وغیرہ افعال وصفات قلب جو اُس کے اندر یا اس کے ساتھ قائم سب داخل ہیں۔ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مَنْ خَلَقَ ترکیب میں بنا بر فاعلیت مرفوع ہے یا بنا بر مفعولیت منصوب۔ اگر مرفوع قرار دیا جائے تو خدا تعالیٰ کے خالق ہونے سے اُس کے عالم بذات الصدور ہونے پر یہ استدلال ہوگا اور یہ استدلال نہایت واضح صاف اور درست ہے کیونکہ خالقیت خالق کے حیات۔ قدرت۔ علم اور مشیت کو متلزم ہے اور اگر منصوب پڑھا جائے تو یہ معنی ہوں گے۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا۔ اور لفظ مَن کو تغلیباً ذکر کیا ہے تاکہ اُس کا علم ذوی العقول اور اُن کی صفات کو شامل ہو۔ دونوں صورتوں

Marfat.com

ہیں آیت اس بات پر دلالت کرتی کہ اللہ تعالیٰ جس طرح ما فی الصدور کا عالم ہے اسی طرح ان کا خالق بھی ہے۔ نیز اللہ سبحانہ نے خلق ما فی الصدور کو اپنے علم کی دلیل ٹھیرایا ہے یعنی ما فی الصدور اس ذات پر کیسے مخفی ہو سکتے ہیں جو ان کی خالق ہے۔ پس اگر ما فی الصدور اللہ تعالیٰ کے مخلوق نہ ہوں تو علم پر استدلال صحیح نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے خالق ہونا اُس کے عالم ہونے کی بڑی بھاری دلیل ہے۔ پس اگر خالق نہ ہو تو عالم بھی نہ ہوگا۔ اور یہ سراسر کفر اور ایسے امر کا انکار ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ سب نے اپنی اپنی امت کو اس کی ایسی ہی تعلیم کی ہے جیسے توحید الٰہی سکھلاتے تھے۔

فصل اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کی ایک یہ دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو بیان فرمایا ہے انہوں نے کہا رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي (اے میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پڑھتا رہوں اور نہ صرف مجھ کو بلکہ میری اولاد کو بھی ایک اور مقام میں ہے فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ (تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں، منجملہ ان ادلہ کے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً (اور جو لوگ اُن کے پیرو ہوئے اُن کے دلوں میں ترس اور رحم ڈال دیا) اور منجملہ ادلہ کے زکریا علیہ السلام کی یہ دعا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا اور اے میرے پروردگار اُس کو مقبول (خاص و عام بھی) کر، ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اور مقام میں فرمایا ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (پس انہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے

Marfat.com

کی وجہ سے ہم نے اُن کو پھٹکار دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا، اور نیز فرمایا ہے وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا اور ان کے دلوں پر ہم نے دغفلت اور ہٹ دھرمی کے) پردے ڈال دئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں۔

اَكِنَّة (پردول) اور وَقْر (ٹینٹ) سے یہاں یہ مراد ہے کہ اُن کو احکام الہٰی سے نہایت درجہ کا بغض۔ نفرت اور اعراض تھا۔ ان کی وجہ سے وہ کچھ سُننے اور سمجھتے نہ تھے۔ اور محقق بات یہ ہے کہ اس بغض اور نفرت کا منشا اکنہ اور دقر تھے، پس جن لوگوں نے اکنہ اور وقر کی تفسیر بغض۔ نفرت اور اعراض سے کی ہے انہوں نے اُن کے مُوجب و مقتضی کو بیان کیا ہے۔ بہر حال یہ نفرت بغض۔ اور اعراض افعال عباد میں سے ہے اور اس کا جاعل و خالق ایزد متعال ہے جیسے کہ رافت۔ رحمت اور بیت اللہ کی طرف میلانِ قلوب سب بندوں کے فعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا جاعل و خالق ہے۔ غرض ذوات اور اُن کے صفات۔ افعال۔ ارادات و اعتقادات سب کا وہی خالق ہے اور یہ سب اُسی کے مخلوق ہیں۔ گو بندہ اپنے اختیار و ارادہ سے افعال کرتا ہے مگر خالق افعال اللہ تعالیٰ ہے۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ یہ تمام آیتیں آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (نہ تو بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وسیلہ اور نہ حام دان میں سے) کوئی چیز خدا نے نہیں ٹھیرائی) کے معارض ہیں کیونکہ بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کو مقرر کرنا بندوں کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ کام اُس نے نہیں کیا۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بحمد اللہ آیاتِ کتاب اللہ میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں۔ اس آیت میں جعل شرعی۔ امری

Marfat.com

مراد ہے نہ کوئی قدری جس طرح کہ امر، اذن، قضا، کتابت اور تحریم و حبس کا بیان انشاء اللہ عنقریب آئے گا، دو طرح پر ہیں۔ اسی طرح جعل بھی دو قسم ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے جعل شرعی کو نفی فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مشروع و جائز نہیں کیا۔ بلکہ کفار نے اس پر جھوٹ باندھا اور بے سمجھی سے اس کو دین بنالیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ (ایسے معاملات میں منظور خدا یہ رہا ہے، کہ اس وسوسے کو جو شیطان نے ڈالا ہے اُن لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ کردانے جنکے دلوں میں (بدعقیدگی کا) مرض ہے اور انکے دل سخت ہیں) بھی اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ یہ فتنہ جو شیطان اُنکے دلوں میں ڈالتا ہے اللہ کا مخلوق و پیدا کیا ہوا ہے۔ رسول خدا کی اس دعا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيبًا (اے اللہ مجھے اپنا شکر گذار ذکر کرنے والا، ڈرنے والا، مطیع تیرے سامنے عاجزی کرنے والا، تیری طرف متوجہ اور رجوع ہونیوالا کردے) سے یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ یہ دُعا اُس حدیث میں آئی ہے جس کو امام احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے، آپ نے پروردگار سے یہ سوال کیا کہ اُن کو ان صفات سے موصوف کردے حالانکہ یہ سب بندے کے اختیاری فعل ہیں اور اُس کے اختیار و ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اسی حدیث میں یہ جملہ بھی آیا ہے وَسَدِّدْ لِسَانِي اور میری زبان کو درست کردے یعنی اس سے ایسی بات نکلے جو ٹھیک اور درست ہو۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں جیسے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي لَكَ مُخْلِصًا (اے اللہ مجھے اپنا مخلص

لے یعنی اللہ تعالیٰ نے ۱۲،

Marfat.com

بنا دے، اور آپ کے یہ الفاظ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اُعَظِّمُ شُکْرَكَ وَاُکْثِرُ ذِکْرَكَ وَاَتَّبِعُ نَصِیْحَتَكَ وَاَحْفَظُ وَصِیَّتَكَ (اے اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ تیرے شکر کی عظمت تیرے ذکر کی کثرت۔ تیرے حکم کی پیروی اور تیری وصیت کی حفاظت کروں) بھی اسی کی مانند ہیں۔ اور مومنین کی یہ دُعا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کی پکھالیں، انڈیل دے اور معرکہ جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ، جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی۔ اسی مطلب کو ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ صبر اور ثبات قدم دونوں اختیاری فعل ہیں۔ لیکن تصبیر اور تثبیت (صبر اور ثبات قدم کو پیدا کرنا، اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اسی کا اس سے سوال کیا گیا ہے۔ صبر اور ثبات بندوں کے فعل ہیں اور حقیقۃً اُن کے ساتھ قائم ہیں۔ یہ دعا رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ (اے میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ جیسے جیسے احسانات تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کئے ہیں ان احسانات کا شکر ادا کروں اور زندگی ایسے نیک عمل کرتا رہوں جن کو تو پسند فرمائے، جو قرآن کریم میں آئی ہے اسی مدعا پر دال ہے۔ ابن عباسؓ اور دیگر کئی مفسروں نے اَوْزِعْنِیْ کا ترجمہ اَلْھِمْنِیْ (مجھے الہام کر) کیا ہے۔ ابواسحاق نے کہا ہے لغت کے رو سے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اور چیزوں سے بچا کر اپنی نعمت کے شکر میں لگائے اسی واسطے موزع کی تفسیر مُوْلَع (حریص) سے کی جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ خدا موزع بالسوال تھے یعنی مولع بالسوال صحاح میں وزع بمعنی کف (روکنا) اور ایزاع بمعنی اغراء برانگیختہ کرنا، اور استنزاع بمعنی طلب الہام و نیز ایزاع بمعنی الہام لکھا ہے۔ غرض لفظ اَوْزِعْنِیْ کے معنی مجھے الہام

کرا اور مجھے دشکرِ نعمت کا حریص بنا اور مجھے اس کے ماسوا سے روک دے۔ لغت کی رو سے سب درست ہیں اور قدریہ کے نزدیک یہ کام اللہ کی قدرت سے باہر ہے بلکہ یہ سب کچھ بندے کی قدرت میں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالقِ افعالِ عباد ہونے کی دلیلوں میں ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (اور جانے رہو کہ تم میں رسولِ خدا موجود ہیں (اور بہتیری باتیں (اس قسم کی ہوتی) ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو (الٹی) تم ہی پر مشکل پڑ جائے مگر (دیکھو) خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی لوگ ہیں جو نیک چلن ہیں۔

اللہ سبحانہ کے اپنے مومن بندوں کی آنکھوں میں ایمان کے محبوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ان کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ہو سکتا ایک آدمی جو دوسرے آدمی کی نظر میں کسی چیز کو محبوب کر دیتا ہے سو وہ اس کی زیب و زینت اوصاف اور دیگر ایسی چیزوں کو ذکر کرتا ہے جو اس کی محبت کا باعث ہوتی ہیں یہاں اللہ سبحانہ نے یہ بتلایا ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کے دلوں میں وہ چیزیں پیدا کر دی ہیں ایک ایمان کی محبت دوسرا اس کا حسن جو اس کی محبت کا باعث ہے۔ اور نیز ان کے دلوں میں ایمان کی مخالف چیزوں یعنی کفر۔ فسوق اور عصیان کی کراہت ڈال دی ہے۔ اور یہ اس کا محض فضل و احسان ہے کہ ان کو ان کے

Marfat.com

نفوس کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ اس کام یعنی ایمان کی محبت ڈالنے اور کفر سے نفرت پیدا کرنے کا وہ خود متولی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ اس بات سے خوب واقف ہے کہ کون شخص اس کے فضل کے لائق اور کون اس سے محروم رکھنے کے قابل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (اے پیغمبر) وہی (قادر مطلق) ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی۔ اور مسلمانوں نے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اگر دُے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر (وہ تو) اللہ ہی تھا جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی۔ بیشک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے۔ فَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جبکہ ایک وقت تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کی اور تم اس کے فضل سے بھائی (بھائی) ہو گئے) بھی اسی قبیل سے ہے۔ تالیف قلوب کا یہ معنی ہے کہ دلوں کو اس طرح کر دینا کہ ایک کو دوسرے کی الفت و محبت ہو جائے اور اُس کی طرف مائل ہونے لگے۔ اُلفت، محبت اور میلان قلوب کے افعال اختیار یہ سے ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ اُن کے دلوں میں یہ اسی نے پیدا کی ہیں۔ اور نیز یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ

Marfat.com

عَنۡكُمۡ (مسلمانو! اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں۔ اُن کو یاد کرو کہ جب کچھ لوگوں نے تم پر دست درازی کرنے کا قصد کیا تو خدا نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا) سے یہی مطلب ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے اہلِ اسلام کے مخالفین کے فعل (یعنی مسلمانوں سے لڑائی کا قصد کرنے) اور اپنے کام یعنی ان کو اس ارادے سے روک دینے دونو کو بیان فرمایا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے روک دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے ہاتھ بیکار کردیئے اور اُن پر بلائے موت مسلط کی۔ اور ایسے عذاب میں مبتلا کیا جو ان کے اپنے ارادے سے مانع ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قدرت۔ ارادہ۔ حواس۔ اعضاسب کچھ صحیح وسلامت اور ان کے زندہ وموجود ہوتے ان کو اُن کے ارادے سے روک دیا تھا۔

قدریہ کے نزدیک اللہ سبحانہ سے اس کام کا ہونا محالات سے ہے بلکہ انسان خود جس کام سے چاہتا ہے، اپنے آپ کو روکتا ہے۔ اور قرآن کریم میں ان کے قول کی تردید و ابطال جابجا صراحتً موجود ہے آیت وَهُوَ الَّذِىۡ كَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ عَنۡهُمۡ بِبَطۡنِ مَكَّةَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ اَظۡفَرَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ (اور (مسلمانو) وہ (خدا) ہی (تو) تھا جس نے عین (شہر) مکہ میں تم کو کافروں پر فتح دیئے پیچھے اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا تھا اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔ اور نیز آیت وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (اور جتنی نعمتیں تم کو حاصل ہیں (سب)، خدا ہی کی طرف سے ہیں)، اسی کی مثبت ہے۔

ایمان اور اللہ تعالیٰ کی طاعت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اور یہ دونو اللہ کی تعلیم۔ ارشاد۔ الہام۔ توفیق۔ مشیت اور خلق سے حاصل ہوتی ہیں کوئی

Marfat.com

شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایمان اور طاعت اللہ تعالیٰ کے امر فرمانے اور بیان، احکام سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ اس نعمت میں مومن و کافر سب یکساں ہوں اس لیے کہ یہ نعمت جس طرح اہل ایمان و طاعت اور نیکوکاروں پر ہے اسی طرح اہل کفر و بدکاروں پر بھی ہے امر و بیان تو سب کے لیے یکساں ہے۔

قدریہ کا یہی قول ہے۔ اکثر قدریہ اس کی تصریح کرتے ہیں اور ان کے نزدیک افعال عباد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت خلق یا توفیق میں سے کوئی نعمت بندے کو خدا کی طرف سے نہیں ملتی۔ قدریہ کا یہ قول جمیع انبیاء علیہ السلام کی یا اور تمام آسمانی کتابوں کی ہدایت کے خلاف ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ جزا و بدلہ عطا فرمانے میں بندے پر اللہ تعالیٰ کی کوئی منت و احسان نہیں بلکہ وہ اس کا حق ہے جس کا وہ مستحق ہو چکا۔ اور اس بات پر فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (کیونکہ ان کے لیے (آخرت میں) اجر ہے بے انتہا کو دلیل لاتے ہیں گویا اس عطا میں ان پر کوئی احسان و منت نہیں کیونکہ یہ ان کے اعمال کا اجر و بدلہ ہے۔ نیز یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ منت و احسان بعض انعام کو مکدر کر دیتے ہیں یہ ان کی کیسی بے حد جہالت ہے کہ منتِ خالق کو منتِ مخلوق پر قیاس کیا۔ اللہ کے کاموں کو افعالِ عباد سے تشبیہ دی اور اس کے صفات کا انکار کیا، حالانکہ درحقیقت اللہ کے سوا اور کوئی منت کا سزاوار نہیں۔ وہی اپنے فضل سے منت فرماتا اور آسمان و زمین کی تمام مخلوق اس کی ممنون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (اے پیغمبر یہ لوگ (تم پر) اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے

ہیں تم ان سے کہو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا رستہ دکھایا بشرطیکہ تم دعوے اسلام میں سچے ہو، اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ (اور ہم تم پر ایک بار اور بھی احسان کر چکے ہیں۔ اور نیز فرمایا ہے وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی بہت سے احسانات کیے، ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ (اس کے) ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے ان پر احسان کریں اور ان ہی کو سردار بنائیں اور ان ہی کو سلطنت کا وارث ٹھیرائیں۔

اور جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے یہ فرمایا کیا تم لوگ مجھ سے پہلے گمراہ نہ تھے پھر میرے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تم کو ہدایت نصیب فرمائی اور تم لوگ تنگدست اور مفلس تھے پھر میری بدولت اللہ تعالیٰ نے تم کو مالا مال کر دیا تو انصار نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کی ہم پر بے انتہا مِنّت ہے اسی طرح دیگر علیہم السلام نے اپنی اپنی امت سے یہ کہا اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ (بے شک ہم تمہاری ہی طرح کے آدمی ہیں مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے سو اللہ سبحانہ کی منت اس کا محض فضل واحسان اور اس کی رحمت ہے اور اہل بہشت کو وہاں کی زندگانی کا لطف محض اُس کی منت سے حاصل ہوگا اس لیے جب وہ آپس میں بات چیت کریں گے تو یہ کہیں گے اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (ہم اس

Marfat.com

سے (پہلے اپنے گھر (انجام کار سے) بہت ہی) ڈرا کرتے تھے تو خدا نے ہم پر (بڑا ہی) فضل کیا اور ہم کو (دوزخ کی) لُو کے عذاب سے بچا لیا) چونکہ وہ خدائے پاک کے شان اور اس کے حق کے شناسا ہوں گے اس لیے وہ یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و منت سے ہمیں نجات بخشی اور جناب رسالت مآب جو تمام مخلوق سے شانِ خدائی کو اچھا جاننے والے اس کے نہایت پیارے مقرب اور اس کے مطیع تھے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی (محض) اپنے عمل کی بدولت جنت میں داخل ہونے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ آپ بھی اپنے عمل کے طفیل جنت کے مستحق نہیں ہیں آپ نے فرمایا میں بھی اللہ کے فضل و رحمت ہی سے جنت میں جاؤں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے اگر اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات کو عذاب میں ڈال دے تو یہ اُس کا ظلم نہیں۔ اور اگر سب پر رحم فرمائے تو (مکافاتِ) اعمال کی نسبت رحمت سب کے حق میں بہتر ہے۔ پہلی حدیث صحاح میں اور دوسری مسند اور سنن میں مذکور ہے اور حاکم وغیرہ نے اس کو صحیح کہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں کہ وہ بذاتِ خود اپنے اعمال کی بدولت جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ اور قدریہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال کے طفیل جنت میں مزے اُڑائیں گے۔ اور خدا کی سنت کے اس لیے منکر ہیں کہ اس کی سنت سے جنت کی نعمتیں بے مزہ ہو جائینگی۔

سلف صالحین یعنی صحابہ۔ تابعین اور ان کے بعد آئمہ دین قدریہ کے اقوال و عقائد کی تردید اسی لیے کر رہے ہیں کہ اُن کی بدعت سب سے زیادہ بُری اور ان کا مذہب انبیاء اور مرسلین کی تعلیم کے بالکل مخالف ہے۔ اگر بندے تمام احکامِ الٰہی بجا لاویں بلکہ وہ مجسم عبادت و طاعت ہو

Marfat.com

جائیں۔ تب بھی ان کو اللہ کے فضل و منت کی ضرورت ہے اور عبادت کا بجالانا بھی اسی کی منت ہے۔ غرض بندہ جس قدر زیادہ مطیع ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کی منت اس پر زیادہ ہوگی۔ پس جو اس کی منت کا انکار کرے تو وہ اس کے احسان کا منکر ہے۔ باقی فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا جواب یہ ہے کہ تمام اہل کا اتفاق ہے کہ غیر ممنون کا معنی غَيْرُ مَقْطُوْعٍ ہے اسی سے موت کو رَیْبَ المنون کہتے ہیں کہ وہ عمر کو کاٹ دیتی ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے دلائل میں سے ایک

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (توہم نے ان میں عداوت اور کینے (کی آگ) کو روز قیامت تک بھڑکا دیا) اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (اور ہم نے ان کے آپس میں بھی، عداوتیں اور کینے ڈال دیئے کہ (وہ) قیامت تک نکلنے والے نہیں ظاہر ہے کہ اِغراء، اِلقا محض اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ اور تعادی اور تباغض بندوں کے فعل ہیں۔

فرقہ قدریہ اور جبریہ کے گمراہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ۔ اللہ سبحانہ کے افعال اور بندوں کے افعال میں انہوں نے فرق نہیں سمجھا۔ جبریہ نے تعادی اور تباغض کو جو بندوں کا فعل ہے اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دیا۔ اور قدریہ نے ان کے برعکس یوں کہا۔ کہ یہ محض بندوں کا فعل ہے اللہ تعالیٰ کے فعل خلق قدرت و مشیت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اہل سنت وجماعت کا یہ قول ہے کہ تعادی و تباغض بیشک بندوں کا فعل ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کے فعل اور اس کی قدرت و مشیت کا اثر ہے چنانچہ ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وہی خدا تو ہے جو تم لوگوں کو خشکی اور تری میں لئے لئے پھرتا ہے، پس چلانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور چلنا بندوں کا فعل ہے جو اس کے فعل کا اثر ہے۔ اسی طرح راہ نمائی اور گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے راہ پانا اور بے راہ ہونا اس کے فعل کے اثر اور ہمارے افعال ہیں جو ہمارے ساتھ قائم ہیں۔ پس وہ ہادی اور بندہ مہتدی ہے اور وہی گمراہ کرتا ہے اور بندہ گمراہ ہوتا ہے۔

ہدایت اور اضلال حقیقۃً اللہ کے فعل ہیں۔ اور ہدایت پانا اور گمراہ ہونا حقیقۃً بندے کے افعال ہیں۔ قدریہ و جبریہ دونو گروہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیمؑ کی دعا بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے اس طرح کہا رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (کہ اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ کر اور مجھ کو اور میری نسل کو اس (گمراہی) سے بچا کہ ہم بتوں کو پوجنے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اصنام کے متعلق دو چیزیں ہیں۔ اول انکی عبادت سے بچانا یہ اللہ کا کام ہے دوم اس سے بچنا یہ بندوں کا فعل ہے ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار سے یہی سوال کیا کہ وہ ان کو اور ان کی اولاد کو بت پرستی سے بچائے تاکہ وہ اس سے بچ سکیں کیونکہ اگر وہ نہ بچائے تو وہ خود بخود اس سے کبھی بچ نہیں سکتے یوسف صدیق علیہ السلام کی یہ دعا رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (کہ اے میرے پروردگار جس (حرکت ناشائستہ) کی طرف

Marfat.com

یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں قید (میں) رہنا مجھ کو اس سے کہیں زیادہ پسند ہے اور اگر ان کے چرتروں کو تو نے مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل اور نادانوں میں کا ایک نادان) ہو جاؤں گا تو یوسفؑ کے پروردگار نے ان کی سن لی اور ان عورتوں کے چرتروں کو دفع کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا ہی (سب کی) سننا اور سب کچھ) جانتا ہے) بھی اسی کی مثبت ہے۔ عورتوں کے مکر دور کرنے سے یہ مطلب ہے کہ ان کے دلوں کے جذباتِ محبت۔ ان کے زبانی مکر و فریب اور ان کی چال بازیاں سب دور کر دے یہ تمام افعال اختیاری ہیں اور اللہ سبحانہ ان کو ہٹانے اور دور کرنے والا ہے۔ پس پھیرنا اور ہٹانا اللہ کا کام ہے اور ہٹ جانا ان عورتوں کا فعل اور اس کے فعل کا اثر ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانا وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے تم کو ثابت (قدم بنائے) رکھا تو تم بھی کسی قدر تو ان کی طرف کو ضرور جھکنے ہی لگے تھے) بھی اسی قبیل سے ہے۔ پس تثبیت یعنی ثابت رکھنا اللہ کا کام ہے اور ثابت رہنا فعل رسول علیہ السلام۔ غرض اللہ سبحانہ ثابت رکھنے والا۔ اور بندہ ثابت رہنے والا ہے اور آیت وَيُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (جو لوگ ایمان لائے اُن کو پکی بات (یعنی کلمۂ توحید) کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی (ایمان پر ثابت (قدم) رکھتا ہے اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھے گا (یعنی سوال و جواب کے وقت ان کو کسی طرح کی لغزش نہ ہوگی) اور اللہ نا فرمان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے) اسی مضمون کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مومنوں کو (دین حق پر) ثابت رکھنا اور ظالموں کو گمراہ کرنا

Marfat.com

اسی کا کام ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ثابت رہنا اور گمراہ ہونا بندوں کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ۔ (پس ان ہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو پھٹکار دیا اور ان کے دلوں کو سخت کردیا کہ توراۃ کے) لفظوں کو ان کی جگہ (یعنی اصلی معنی) سے پھیرتے ہیں)۔ بھی اسی مطلب کا مثبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے۔ کہ اسی نے ان کے دلوں کو سخت کیا جس سے وہ سخت ہو گئے سخت ہونا دلوں کا وصف اور فعل ہے اور یہ اللہ کے فعل یعنی سخت کرنے کا اثر ہے۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے دل سخت کردیئے اس کی کیا وجہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی عہد شکنی۔ احکام الٰہی کی عدم پیروی۔ نافرمانیوں اور گناہوں پر ان کو یہ سزا دی۔ پس اس آیت نے دونو گروہ یعنی قدریہ اور جبریہ کے قول کو باطل کردیا۔

فصل - اور اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا فَأَخْرَجْنَاهُم مِّن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ (غرض ہم نے فرعون کے لوگوں کو باغوں (سے) اور چشموں (سے) اور خزانوں (سے) اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا) یہ لوگ اپنے اختیار سے نکلے تھے مگر اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اسی نے ان کو وہاں سے نکالا۔ پس نکالنا حقیقۃً اللہ کا کام ہے اور نکلنا ان کا فعل اگر وہ نہ نکالتا تو کبھی نہ نکلتے۔ معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو اخراج (نکالنا) مذکور ہے یہ اس کے برخلاف ہے جو مندرجہ ذیل آیات میں ذکر ہوا ہے۔ (۱) وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا۔ (اور

Marfat.com

اللہ ہی نے تم کو (ایک طرح پر) زمین سے اگایا۔ پھر (دوبارہ) لوٹا کر اسی مٹی میں تم کو ملاوے گا۔ اور (قیامت میں تم کو) اسی مٹی سے پھر انکال کھڑا کرے گا۔ هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ (وہ (خدا ہی) تھا جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا (اور یہ ان کی تقدیر کا) پہلا حشر (تھا) جس کے لئے نکالے گئے) وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّهَاتِكُمْ (اور (لوگو!) اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا) کیونکہ ان آیات میں جو اخراج مذکور ہے اس میں بندوں کے فعل۔ ارادہ و اختیار کا کوئی دخل نہیں۔ یہ ان کے اختیار سے باہر ہے۔ اور كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے " درست کام پر) میں اخراج کی نسبت دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) یہ کہ آپ کی قدرت و مشیت سے ہو اس صورت میں پہلے قسم سے ہوگا (۲) یہ کہ اللہ کے امر سے ہو۔ اس صورت میں اخراج کی مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ یہ ایک تیسری قسم ہوگی۔ پس کتاب اللہ میں لفظ اخراج تین معنوں میں مستعمل ہے (۱) یہ کہ نکلنے والے کے ارادے و اختیار سے ہو (۲) یہ کہ جبراً و قہراً نکالا جائے۔ (۳) یہ کہ حکم شرع کی تعمیل کی غرض سے نکلے۔

فصل۔ بعض لوگوں نے آیت فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور (اے پیغمبر) جب تم نے تیر چلائے تو تم نے تیر نہیں چلائے بلکہ اللہ نے تیر چلائے) کو اس باب سے سمجھ کر قدریہ کے برخلاف اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کی دلیل ٹھیرایا ہے۔ لیکن وہ اس آیت کا مطلب نہیں سمجھے۔ یہ آیت اس باب سے نہیں ہے کیونکہ یہ غزوہ بدر کا ذکر ہے جس میں اللہ سبحانہ نے ملائکہ بھیجے۔ انہوں نے مسلمانوں کے دشمنوں

Marfat.com

کو تہ تیغ کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ تم نے اکیلے کفار کو مقتول نہیں کیا بلکہ اللہ کی مہربانی سے اس کے فرشتے تمہارے ساتھ شامل تھے۔ اور وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدور میں تو یہی تھا کہ آپ نے کنکریاں پھینک دیں۔ اور ان کو دشمن کی طرف ڈال دیا۔ اور اتنی دوری پر دشمنوں تک ان کو پہنچانا اور سب کے مونہوں پر مارنا اللہ سبحانہ کا کام ہے۔ غرض پھینکنا جو آپ کا کام تھا وہ آپ کی طرف منسوب کیا اور پہنچانا جو اللہ سبحانہ کا کام ہے اس کو آپ سے نفی فرمایا ہے۔

فصل ۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ...... وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے) ہر رونا اور ہنسنا دونوں اختیاری فعل ہیں (جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رلانا اور ہنسانا اللہ کا کام ہے) پس اللہ سبحانہ حقیقۃً رلانے اور ہنسانے والا ہے اور بندہ رونے اور ہنسنے والا۔ اس کے سوا اس آیت کا کوئی دوسرا معنی قرار دینا یا اس کی کوئی اور تاویل کرنا بلا وجہ کلام کو ظاہر مطلب سے پھیرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس ظاہر مطلب اور ان تاویلات میں جن کو لوگ ذکر کرتے ہیں۔ کوئی منافات نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ زمین کا ہنسانا اس سے نباتات اگانا اور آسمان کا رلانا بارش برسانا ہے اسی طرح بندے کا رلانا اور ہنسانا یہ ہے کہ اس میں رونے اور ہنسنے کے اسباب پیدا کرنا سو یہ معنے لفظ کے حقیقی موضوع لہ معنی یعنی ضحک اور بکا کو پیدا کرتا ہے کوئی مخالف نہیں۔

فصل ۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا

Marfat.com

وہی (قادر مطلق) ہے (جو گرنے سے) ڈرانے اور (نیز بارش کی) امید دلانے کے لیے (بجلی کی) چمک تم لوگوں کو دکھاتا ہے) بجلی کا دیکھنا بندوں کا اختیاری فعل ہے جوان کے حواس کے ذریعہ وقوع میں آتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ دکھلاتا ہے) معلوم ہوا کہ دکھلانا اس کا کام ہے اور دیکھنا ہمارا فعل ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ ارادۂ برق سے بجلی کا پیدا کرنا مراد ہے۔ کیونکہ ایک تو پیدا کرنے کو لغت میں ارادۂ نہیں کہتے۔ دوسرے اس کے پیدا کرنے سے ہمارا دیکھنا لازم نہیں آتا۔ بلکہ ارادۂ کا یہی معنی ہے کہ وہ ہم کو دیکھنے والا بناتا اور ہم میں رویت کی صفت پیدا کرتا ہے اور یہ اسی کا کام ہے موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونو لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور (دیوار کے تلے سے) اپنا خزانہ نکال لیں) اسی قبیل سے ہے۔ جوانی کو پہنچنا ان کا اختیاری کام نہ تھا۔ اور خزانے کو نکالنا ان کا اختیاری فعل تھا۔ مگر اللہ سبحانہ نے دونو کی نسبت فرمایا ہے کہ دونو اس کے ارادے سے ہیں۔ اور جادوگروں کی نسبت اللہ سبحانہ کا یہ فرمان وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (حالانکہ بے حکم خدا وہ اپنی ان باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے) اسی مطلب کو ثابت کرتا ہے۔ لفظ اذن سے یہاں امر، حکم اور اذن شرعی مراد نہیں۔ بلکہ اذن سے قضاو قدر اور اس کی مشیت مراد ہے جس کو اذن کونی اور قدری کہتے ہیں نہ اذن شرعی و دینی ؛؛

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اُس

Marfat.com

کے سزاوار اور لائق بھی تھے) کلمہ تقویٰ سے وہ کلمہ مراد ہے جس کے کہنے سے عذاب الہٰی سے بچاؤ ہو۔ اس مطلب کے لئے سب سے اعلیٰ اور افضل کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔ اس کے بعد جتنے کلمات عذاب الہٰی سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں وہ سب کلمہ تقویٰ میں داخل ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اسی نے اپنے مومن بندوں کو یہ کلمہ لازم کیا ہے۔ وہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ سو اسی کے لازم کرنے سے انہوں نے اس کو لے لیا اور اپنے ذمہ اس کا التزام کر لیا ہے اس کا التزام بندوں کا فعل اختیاری ہے جو ان کے ارادے و اختیار کے تابع ہے غرض اللہ تعالیٰ لازم کرنے والا اور بندے التزام کرنے والے ہیں۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّ اِذَا مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا بیشک انسان بڑا ہی تھڑ دلا پیدا کیا گیا ہے کہ جب اس کو (کسی طرح کا) نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اس کو (کسی طرح کا) فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے) بھی اسی قبیل سے ہے۔ ہلوع کے معنے ہیں نہایت حریص جو تکلیف کے وقت بے صبری اور نعمت کے وقت ناشکری کرے۔ اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے انسان کو اسی صفت پر پیدا کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی یہ صفت یعنی ہلوع ہونا اللہ تعالیٰ کی مخلوق و پیدا کی ہوئی ہے جیسے کہ خود ذات انسان اسی کی مخلوق ہے۔ پس انسان کی ذات۔ صفات افعال اور اخلاق سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ انسان کی بعض چیزوں کا خالق تو اللہ سبحانہ ہے اور بعض کا کوئی اور بلکہ سب کا خالق وہی ہے۔ ہلع حقیقتہً انسان کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ حقیقتہً اس کا خالق ہے۔ اللہ سبحانہ ہلع سے موصوف نہیں اور

Marfat.com

انسان اس کا خالق نہیں ہے

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (اور بے حکم خدا کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ ایمان لے آئے اور خدا (شرک اور کفر کی) گندگی ان ہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو (دلائل وحدانیت میں) عقل کو کام میں نہیں لاتے) یہی اسی قبیل سے ہے یہاں اذن بمعنی قضا و قدر ہے نہ بمعنی حکم و امر شرع۔ سلف صالحین سے اس کی تفسیر اسی طرح منقول ہے۔ ابن مبارک نے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے کہ باذن اللہ کا معنی بقضاء اللہ ہے۔ محمد بن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔ اللہ جلشانہٗ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ مخلوقاتِ الٰہی میں سے کوئی شخص جب تک خدا کی طرف سے اسے ایمان لانے کا اذن نہ ہو آپ پر کبھی ایمان نہ لائے گا۔ تو کسی شخص کے راہ راست پر لانے کے لئے آپ اپنے تئیں تکلیف میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعید اُسے پہنچ چکا ہے۔ اور خدا کی طرف سے اُسے مہلت دی گئی ہے اور ہر ایک کی ہدایت اس کے خالق کے ہاتھ میں ہے۔ آیت ماقبل اور مابعد اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے اللہ سبحانہٗ نے فرمایا ہے وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں۔ سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئیں اور بے حکم خدا کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ ایمان لے آئے) یعنی صرف آپ کی دعوت حصول ایمان کے لئے کافی نہیں۔ جن لوگوں کو آپ دعوت ایمان کرتے ہیں جب تک ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان لانے کی اجازت نہ ہو وہ کبھی ایمان نہیں

Marfat.com

لائیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد فرمایا ہے قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے ذرا اس کی طرف تو نظر کرو۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے نشانیاں اور ڈراوے ان کو کچھ بھی سودمند نہیں)۔ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے۔ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم جو لوگ آپ کے دعوے کی صداقت یعنی توحید ماننے اور شرک و بت پرستی چھوڑنے پر آپ سے اظہار معجزات کے خواستگار ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اے لوگوان نشانات و آیاتِ قدرت میں غور کرو جو آسمان و زمین میں موجود ہیں۔ تو تم کو خود ہی میرے دعوے کی صداقت و حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ نظام علوی پہ ذرا نظر ڈالو۔ کہ سورج۔ چاند اور ستارے کس قاعدے سے حرکت کر رہے ہیں۔ جس سے رات دن پیدا ہوتے ہیں اور بادلوں کو دیکھو کہ ان سے بارش ہونے پر انسان اور دیگر تمام حیوانات کی روزی اگتی ہے۔ اور نظام سفلی کو ملاحظہ کرو۔ کہ زمین میں مختلف اقسام کے پہاڑ بناتے ہیں اور رنگا رنگ کی روئیدگیاں اور طرح طرح کی کھانے کی چیزیں اس سے پیدا کرتا ہے اور گوناگون عجائبات اس میں رکھے ہیں۔ اگر تم کو سمجھ بوجھ ہو اور ان چیزوں میں غور و فکر کرو۔ تو تم کو صاف معلوم ہو جائے۔ کہ ان تمام چیزوں کا خالق وہ اللہ پاک کہ اس کے ملک و سلطنت میں کوئی شریک نہیں اور نہ ان چیزوں کی حفاظت و تدبیر میں اس کا کوئی معین و مددگار ہے۔ اور ان لوگوں کو جن کے حق میں پہلے سے اللہ کی طرف سے شقاوت مقدر ہو چکی۔ اور لوح محفوظ میں وہ اہل دوزخ لکھے جا چکے ہیں۔ ان آیات کے دیکھنے سے ان کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور گو ان کو سب معجزے دکھلا دیئے جائیں وہ کبھی ماننے کے نہیں

Marfat.com

جب تک عذاب دوزخ نہ دیکھینگے۔

فصل۔ اللہ تعالےٰ کا قول وَکُلَّ اِنسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (اور ہم نے ہر آدمی کی برائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کرکے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے (یعنی ہر ایک کی تقدیر ہر ایک کے ساتھ ہے) اور قیامت کے دن ہم (اس کا) نامۂ اعمال) نکال کر اس کے سامنے پیش کر دیں گے) اسی قبیل سے ہے۔ ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہر ایک انسان کے حق میں جو کچھ مقدر ہو چکا ہے۔ کہ وہ (پیدا ہونے کے بعد) اسے کرے گا اور اس کے عمل کے مطابق سعادت یا شقاوت جن پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ہم نے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے وہ اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ابن عباسؓ کا قول ذکر کیا ہے کہ طائر سے مراد اس کا عمل اور جو کچھ روز ازل میں مقدر ہو چکا ہے۔ پس انسان جہاں ہو وہ اس کے ساتھ ہے۔ ابن جریج۔ قتادہ اور مجاہد نے بھی یہی کہا ہے کہ طائر سے مراد عمل ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ جو کچھ پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اور قتادہ نے اتنا زیادہ کیا کہ اس کے عمل کے مطابق شقاوت یا سعادت بھی اس میں داخل ہے۔ ابن جریر نے کہا ہے اگر کوئی شخص پوچھے کہ اگر یہ حال ہے تو اللہ تعالےٰ نے اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ کیوں فرمایا ہے اور فِیْ یَدَیْهِ یَا اَوْفِیْ رِجْلَیْهِ وغیرہ نہیں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ دستور ہے کہ قلادے۔ طوق وغیرہ خوبصورتی یا بدصورتی کی نشانیاں گلے میں ڈالی جاتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں بھی بہ نسبت اور اعضاء کے لفظ عنق (گردن کا) ذکر فرمایا ہے اور جس طرح کہ تمام اعضاء کے کام ہاتھ کی طرف نسبت کرتے اور کہتے ہیں ذٰلِکَ بِمَا کَسَبَتْ یَدَاکَ (یہ اس کے ہاتھ کی کمائی

Marfat.com

کے بدلے ہے) اسی طرح اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیۡ عُنُقِهٖ فرمایا ہے (یعنی صرف گردن کا ذکر فرمایا گو انسان کے عمل اس کے تمام وجود سے ملازم ہیں) فراء کا قول ہے کہ مفسرین کے نزدیک طائر بمعنے عمل ہے۔ ازہری نے کہا ہے اس تفسیر کی اصل یہ ہے، کہ جب اللہ سبحانہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ان کی اولاد میں سے فلاں شخص مطیع اور فلاں نافرمان ہوگا۔ تو اس نے اپنے علم کے مطابق جسے مطیع جانا اسے سعید اور جسے نافرمان معلوم کیا اسے شقی لکھا اور مقدر کیا پس ہر ایک کا انجام و مال اس کی پیدائش خلقت کے وقت معین ہو چکا۔ ابو اسحاق نے لفظ فی عنقہ کی یہ توجیہہ بیان کی ہے کہ جو چیز کسی کے لازم حال ہو اسے کہتے ہیں کہ فلاں چیز اس کے گلے میں ہے یعنی گلے کے ہار کی طرح اسے لازم ہے۔ ابو علی نے کہا ہے کہ یہ اس محاورہ کے مطابق ہے کہ کہتے ہیں۔ طَوَّقْتُكَ كَذَا یعنی میں نے وہ چیز تجھے لازم کر دی اور اسی سے یہ محاورہ بھی ماخوذ ہے قَلَّدَهُ السُّلْطَانُ كَذَا (یعنی بادشاہ نے اسے ولایت ایسی لازم کر دی، جیسے گلے کا ہار ہوتا ہے بعض نے لفظ عنق کی تخصیص کی وجہ سے یہ بیان کی ہے کہ انسان کا عمل دو ہی طرح کا ہوتا ہے اچھا یا برا۔ اچھے عمل زیور کی طرح زینت کا سبب اور برا عمل طوق کی طرح بدصورتی کا موجب ہے۔ چونکہ زیور اور طوق گردن میں ہوتے ہیں اس لئے لفظ عنق ذکر کیا گیا۔

قدریہ کہتے ہیں۔ لازم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان میں ایک ایسی علامت ٹھہرا دی۔ جس سے فرشتے معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں شخص سعید اور فلاں شقی ہے اور ان کو ہر ایک کی سعادت و شقاوت سے آگاہ کر دیا ہے۔ نہ یہ کہ انسان کو اس کے عمل لازم کیے گئے ہیں۔ اہل سنت ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہی دستور ہے کہ کلمات کے الٹے معنے تراشتے ہو۔ چنانچہ ختم۔ طبع اور قفل کے معانی

Marfat.com

میں بھی تم نے یہی چال اختیار کی ہے۔ یہ معنے جو تم نے گھڑا ہے لغت میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔ اور لفظ کے حقیقی معنے کے مخالف ہے نہ تو اعلم الامۃ یعنی ابن عباس سے یہ تفسیر منقول ہے۔ اور نہ سلف صالحین میں سے کسی ایک شخص نے یہ معنی بیان کئے ہیں یہ صرف تمہاری اپنی تفسیر ہے۔ قطع نظر اس سے آیت کو اس معنے پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک کی سعادت و شقاوت سے خبر دینا۔ اور اس کے لئے نشان ٹھہرانا اس کے اعمال لازمہ کے بعد ہے اور چونکہ اس کے اعمال اس کو لازم تھے اس لئے وہ اس کی سعادت و شقاوت کی علامت ٹھہرے ؛

ہم نے لفظ طائر کے متعلق اپنے مدعا کے ثبوت کے لئے آئمہ ہدایت اور سلف امت کے اقوال تمہارے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ تم سلف میں سے کسی ایک شخص کا قول دکھلا دو۔ جس نے تم سے پہلے یہ بات کہی ہو جو تم کہتے ہو۔ یوں تو ہر ایک بدعتی اور اہل ضلالت قرآن کے وہ معنے گھڑتے ہیں جو ان کی بدعت و ضلالت کے مثبت اور ان کے مذہب کے مؤید ہوں مگر قرآن پاک ایسی باتوں سے بری ہے۔ اور توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے ؛

فصل - اللہ تعالیٰ کا قول وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ (اور ان لوگوں کا بھی یہی دستور تھا) کہ جب کبھی کوئی پیغمبر ان کے پاس آتا اس کی ہنسی اڑاتے تو جس طرح اگلے لوگ اپنے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے رہے اسی طرح ہم (ان) کافروں کے دلوں میں ٹھلا بھی ڈال دیتے ہیں۔ تو یہ قرآن پر ایمان لانے والے نہیں) بھی اسی قبیل سے ہے یہ مضمون قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک اس آیت میں۔ دوسرا سورہ شعرا کی مندرجہ ذیل آیت میں وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ

Marfat.com

بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ
فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ؕ
اور اگر ہم قرآن کو کسی اوپر زبان والے پر (اسی کی زبان ہیں) اتارتے اور وہ اسے ان (اہل عرب) کو پڑھ کر سناتا تو یہ (لوگ کبھی بھی) اس پر ایمان نہ لاتے اسی طرح (اصرار و) انکار کو ہم نے گنا ہگاروں کے دلوں میں جما رکھا ہے کہ جب تک عذاب درد ناک نہ دیکھ لیں۔ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکذبین کے دلوں میں شرک کو اس طرح پرو دیا ہے جس طرح تاگے میں موتی پرو دئے جاتے ہیں۔ ابو اسحاقؒ کا قول ہے کہ مجرمین کے دلوں میں اس طرح گمراہی کو داخل کیا۔ جس طرح ان مجرموں کے ساتھ کیا جو ان سے پہلے انبیاء کے مکذب ہو گذرے ہیں۔ نَسْلُکُہٗ میں جو ضمیر غائب ہے اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ اور حسنؒ کا قول ہے کہ اس سے شرک مراد ہے۔ زجاج وغیرہ نے ضلال کہا ہے۔ ربیع نے استہزاء اور فراء نے تکذیب کہا ہے مگر ان سب اقوال کا مرجع و مآل ایک ہے۔ تکذیب استہزاء اور شرک یہ سب حقیقتہً مکذبین کے افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ سب چیزیں ان کے دلوں میں اس نے ڈالی ہیں۔

لیکن میرے خیال میں ان اقوال پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نَسْلُکُہٗ اور سَلَکْنٰہُ میں جو ضمیر غائب ہے اس سے وہی چیز مراد ہے جو لَا یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ کی ضمیر مجرور سے ہے تو ان اقوال کے مطابق جملہ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ کا معنی یہ ہوگا کہ وہ مجرمین شرک استہزاء اور تکذیب کے ساتھ ایمان نہ لائیں گے اور یہ درست نہیں۔ پس لامحالہ ان قائلین کو یہ کہنا پڑے گا کہ ان دونوں ضمیروں کا مرجع و تفسیر ایک چیز نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

کہ ان کی تعبیر و مرجع ایک ہی چیز ہے تو اب صحیح معنی یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور جو چیز ان کے دلوں میں داخل کی گئی ہے وہ ایک ہی چیز ہے یعنی قرآن مجید۔ اس پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید کے ان کے دلوں میں داخل کرنے کا کیا مطلب وہ تو اس کے منکر تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ جملہ حالیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ان کے دلوں میں اس حال میں داخل کیا کہ وہ اس کے انکار پر جمے تھے اور مومنین کے دلوں میں اس حال میں داخل کیا۔ کہ وہ اس کے مصدق تھے جن لوگوں نے کہا ہے۔ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں تکذیب و ضلال کو داخل کیا ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ انہوں نے آیت کے حاصل معنے بیان کر دیئے ہیں ورنہ مطلب ایک ہے کیونکہ جب قرآن حالت تکذیب و انکار میں ان کے دلوں میں داخل ہوا تو تکذیب و ضلال ان کے دلوں میں گھس گئے۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حالت انکار و تکذیب میں ان کے دلوں میں قرآن مجید داخل کرنے کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حقانیت ان کو سمجھا دی وہ دیدہ و دانستہ تکذیب پر قائم رہے۔ اس سے ان پر اللہ کی حجت قائم ہوئی۔ اور سمجھنے بوجھنے کے بعد تکذیب کرنا بغیر سمجھے تکذیب کرنے سے زیادہ برا ہے کیونکہ جو شخص حق کو پہچان کر نہ مانے وہ اس سے زیادہ برا ہے جو نادانی سے انکار کرے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّھُمْ اَزًّا (اے پیغمبر) کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی۔ کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے۔ کہ وہ اُن کو اکساتے رہتے ہیں) بھی اسی قبیل سے ہے یہاں ارسال سے ارسال کونی و تقدیری مراد ہے۔ جیسے ہواؤں کا بھیجنا۔ ارسال دینی و شرعی جسے ارسالِ تسلیط کہتے ہیں مراد نہیں۔ اس کے برخلاف مومنین کے

Marfat.com

حق میں فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (جو ہمارے سچے بندے ہیں ان پر (تو) تیرا کسی طرح کا قابو (چلنے کا) نہیں) شیطان کا تسلط و غلبہ جس کی مومنین سے نفی فرمائی ہے وہی ہے جو کفار پر اُسے حاصل ہے۔

ابو اسحاق کا قول ہے کہ یہاں ارسال بمعنی تسلیط ہے محاورے میں کہتے ہیں۔ اَرْسَلْتُ فُلَانًا عَلٰی فُلَانٍ یعنی میں نے فلاں شخص کو فلاں پر مسلط کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (جو ہمارے سچے) بندے ہیں ان پہ (تو) تیرا (کسی طرح کا) قابو (چلنے کا) نہیں ہاں گمراہوں میں سے جو کوئی تیرے پیچھے ہولے۔ (تو ہولے)

پس سمجھو کہ جو شخص شیطان کا پیرو ہو شیطان اس پر مسلط ہے۔ میں کہتا ہوں بے شک یہ آیت اِنَّمَا سُلْطَانُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۔ (اس کا قابو تو ان ہی لوگوں پہ چلتا ہے جو اس کے ساتھ ارتباط رکھتے اور جو شریک خدا ٹھہراتے ہیں) اس کی شاہد ہے :۔

از لغت میں بمعنی تحریک و برانگیختہ کرنے کے ہے اسی واسطے ہانڈی کے جوش مارنے کو ازیز کہتے ہیں۔ کہ اس کے جوش مارنے کے وقت اس میں جو پانی ہوتا ہے وہ حرکت کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خوف الٰہی سے رونے کے سبب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سینے مبارک سے اس طرح آواز آتی تھی جیسے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز ہوتی ہے۔ سلفؒ کی عبارتوں سے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ شیطان کفار کو ابھارتا اور برانگیختہ کرتا ہے ان سے ایک روایت میں ہے گناہوں کے لئے ان کو بے قرار کرتا ہے۔ اُنہی سے ایک دوسری روایت میں آیا ان کو بھڑکاتا ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ

Marfat.com

ازیز بھڑکانے اور حرکت کے معنی میں ہے محاورے میں بولتے ہیں اِنَّ قِدْرَکَ یعنی ہنڈیا کے نیچے آگ جلادے۔ وَاَزَّتْ اَلْقِدْرُ یعنی ہنڈیا جوش میں آئی۔ اخفش نے یہی معنی پسند کئے ہیں۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ ازیز دونو معنی یعنی تحریک و بھڑکانے میں مستعمل ہے:

قدریہ کہتے ہیں کہ شیاطین کو کفار پر بھیجنے کا یہ مطلب ہے کہ ان دونو گروہ کے درمیان تخلیہ کردیا جاتا ہے کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔ وہ باہم ملتے جلتے ہیں۔ ابو علی کا قول ہے۔ کہ ارسال بمعنی تخلیہ مستعمل ہے۔ آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے شیاطین اور کفار کے درمیان کردیا۔ ان کو ان سے رکاوٹ نہیں رکھی۔ اور نہ ان کو اُن سے بچا رکھا ہے۔ بخلاف ان مومنین کے جن کے حق میں فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ واحدی کہتے ہیں۔ قدریہ نے اس آیت کے متعلق یہی معنی اختیار کیا ہے مگر وہ غلطی پر ہیں۔ آیت میں یہ معنی مراد نہیں۔

ابو اسحاق کہتے ہیں مختار یہ ہے کہ شیاطین کفار کے کفر کے باعث اُن پر مقرر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ (اور جو شخص (خدائے) رحمٰن کی یاد سے اغماض کیا کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان تعینات کردیا کرتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ رہتا ہے) اور نیز فرمایا ہے وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اور ہم نے ان (کفار) کے ساتھ (بُرے) ہم نشین تعینات کردیئے تھے۔ تو انہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے تمام حالات ان کی نظر میں اچھے کر دکھائے) یہاں ارسال بمعنی تسلیط ہے میں کہتا ہوں ارسال کے لغوی معنے سے بھی تسلیط مفہوم ہوتی ہے۔ حدیث

Marfat.com

میں آیا ہے اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ یعنی جب تو اپنے کتے کو مسلط کر دے اور اگر کتے اور شکار کے درمیان تخلیہ کر دے اور ارسال نہ کرے تو وہ شکار کھانا درست نہیں اور اسی طرح ان آیات (۱) وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ۔ (اور قوم عاد کے ہلاک ہونے) میں بھی (قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر ایک منحوس آندھی چلائی) (۲) وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ (اور ان جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے) (۳) اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً وَّاحِدَةً (ہم نے ان پر ایک زور کی چیخ کا عذاب نازل کر دیا) میں بھی تسلیط اور تسخیر مراد ہے۔ ہاں مرسل اور مرسل الیہ کے درمیان تخلیہ کرنا اس معنے کے لوازم سے ہے جس کے بدوں یہ معنی تمام نہیں ہوتا۔ جب تو کوئی ایسی چیز چھوڑے جس کا خاصہ کوئی خاص فعل اور کام کرنا ہے اور اُسے روکے نہیں تو یہی تسلیط ہے۔ قدریہ نے اس مقام میں اپنے قول و مسلک کے خلاف متناقض بات کہی ہے۔ اگر وہ یہ جائز رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو شیاطین کے شر سے بچانا اور محفوظ رکھنا ہے تو لازم آتا ہے کہ مختار شخص کو اس کے فعل اختیاری سے باوجودیکہ وہ صحیح و سلامت اور اس کے کام کے لئے مستعد ہے روک دیا۔ اور اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا۔ کہ مختار کا فعل و ترک اللہ کی قدرت میں ہے۔ اور یہی اہل سنت کا قول اور ان کے مسلک کا خلاف ہے) اور اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو شیاطین سے بچانے پر قادر نہیں تو لازم آئیگا کہ بندوں کے کام۔ قدرت و مشیت سب شیطان کی قدرت میں ہوں اور (ان کے زعم کے مطابق) شیطان کے افعال اللہ کی قدرت سے باہر ہوں یہ بات نہایت خراب اور سراسر گمراہی ہے۔ اس آیت کے متعلق قدریہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ شیاطین کفار کو گناہوں کا امر اور حکم کرتے ہیں۔ اور اس قول کو ضحاک

سے نقل کیا ہے۔ مگر یہ قابل التفات نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی کام کرنے کو کہے تو اس کو آز نہیں کہتے بلکہ آمر کہتے ہیں۔ اور نہ یہ معنے لغت سے نکلتے ہیں۔ اگر ان کا یہ قول صحیح ہو تو شیطان تو مومنوں کو بھی دگنا ہوں کا) امر کرتا ہے بلکہ بہ نسبت کفار مومنوں کو گناہ کرنے کو زیادہ کہتا ہے کیونکہ کافر تو جلدی سے اس کی بات مان لیتے ہیں۔ پس اس کو انہیں زیادہ کہنے کی حاجت نہیں پڑتی اور مومنین نہیں مانتے تو ان کو بار بار کہتا ہے۔ پس آز اگر بمعنے امر ہو تو کفار کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔

فصل۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اے پیغمبر اپنی حفاظت کے لئے یوں دعا مانگا کرو کہ شیطان جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا (اور خود نظر نہیں آتا) اور جنات اور آدمی دونوں اس قسم کے وسوسے انداز ہوتے ہیں ان کی شر میں سے لوگوں کے پروردگار (لوگوں کے (حقیقی) بادشاہ لوگوں کے معبود (برحق) یعنی خدا کی پناہ مانگتا ہوں) اور رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ (اے میرے پروردگار میں شیطانی وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے پروردگار میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے پاس آئیں۔ اور فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (تو اے پیغمبر) جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود (کے وسوسوں سے) خدا کی پناہ مانگ لیا کرو) بھی اسی قبیل سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے شر سے اس طرح نہیں بچاتا کہ اس کو مار دیتا اور اس کے مکروفریب کے آلات فنا کر دیتا ہے بلکہ اس کے شر سے اس طرح بچاتا ہے کہ مستعیذ کو اس کی تکلیف و شر سے محفوظ رکھتا اور شیطان اور اس

Marfat.com

کے فعل اختیاری کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا فعل اللہ سبحانہ کی قدرت میں ہے اگر وہ چاہے تو شیطان کو بندے پر مسلط کر دے اور اگر چاہے تو شیطان اور بندے کے درمیان حائل ہوجائے اور قدریہ کے اصول کے مطابق یہ امر ناممکن ہے پس وہ حقیقت اعاذہ کے قائل نہیں۔ گو بندے کی طرف سے استعاذہ کو حقیقۃً ثابت کرتے اور اس آیت سے جبریہ کے قول کی تردید کرتے ہیں۔ جبریہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعاذہ تو حقیقۃً ثابت کرتے لیکن بندے کی طرف سے حقیقۃً استعاذہ کے قائل نہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ استعاذہ بھی حقیقۃً اللہ کا فعل ہے جیسے اعاذہ اسی کا فعل ہے۔ دونو فریق صراطِ مستقیم سے دور ہیں گو بعض بات ہر ایک کی صحیح بھی ہے ؎

فصل ۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰہِ (اور خدا کی توفیق کے بدوں تم صبر کر ہی نہیں سکتے) اور ہود علیہ السلام کا قول وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ (میرا کامیاب ہونا تو بس خدا ہی کی تائید سے ہوسکتا ہے) بھی اسی قبیل سے ہیں ظاہر ہے کہ صبر اور توفیق بندے کے اختیاری فعل ہیں اور اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ یہ میرے اختیار میں ہیں حقیقۃً بندے کی قدرت میں نہیں اور نہ درحقیقت یہ اس کے کام ہونے چاہیئے۔ اس لئے بندے کو ان کا حکم کیا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ بندے کو اپنی ذات کے فعل کا امر نہیں کرتا۔ باوجود اس کے یہ کام بندے کے اپنے اختیار سے واقع نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ اس خالق کی مدد سے ہوتے ہیں جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ جو چاہے ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ پس تصبیر (صبر دینا) اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے اور یہ اس کا فعل ہے اور صبر بندے کا کام ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس سے صبر مانگتے ہیں۔ چنانچہ

Marfat.com

فرمایا ہے۔ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهٖ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّٰهِ (اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے میں آئے تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر (کی پکھالیں) انڈیل دے اور (معرکہ جنگ میں) ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے۔ پھر ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے دشمنوں کو بھگا دیا) اس آیت میں چار دلیلیں ہیں اول مومنین کا یہ قول أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا سو صبر اُن کا اختیاری فعل ہے۔ پس انہوں نے اس ذات سے اس کا سوال کیا ہے جس کے اختیار، مشیت اور اذن میں ہے اگر وہ چاہے تو ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو اس سے محروم رکھے۔ دوم ان کا یہ قول ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا۔ ثبات اقدام ان کا اختیاری فعل ہے لیکن تثبیت اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس کے بدوں بندوں کا فعل اثبات قدم) وقوع میں نہیں آسکتا۔ سوم ان کا یہ قول وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (مومنین نے اللہ تعالیٰ سے نصرت کا سوال کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے نصرت اس طرح، ہوتی ہے کہ اپنے بندوں کے ارادوں کو مضبوط فرمائے اور ان کو دلیری، صبر اور ثبات قدم عنایت کرے اور ان کے دشمنوں کے دلوں میں ضعیف، خوف اور رعب ڈال دے۔ جس سے ان کو نصرت حاصل ہو۔ اس کے علاوہ انسان کا دوسرے پر منصور و فتحمند ہونا دو طرح سے ہوتا ہے یا تو افعال جوارح کے ذریعہ اپنے مقابل پر غالب آتا ہے اور یہ بندے کی قدرت و اختیار میں ہے یا علم، حجت، اور زور تقریر سے غالب ہوتا ہے اور یہ بھی بندے کا اختیاری فعل ہے حالانکہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ یہ سب اس کے اپنے اختیار میں ہے اور جو لوگ اس سے نصرت طلب کرتے ان کی تعریف فرمائی

Marfat.com

ہے۔ اور قدریہ کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے۔ چہارم اللہ تعالیٰ کا قول فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ یہاں اِذن سے اذن کونی و تقدیری مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت۔ قضا و قدر کے مطابق کفار کو شکست دی اور اذن سے اذن شرعی جو بمعنے امر ہے اس جگہ مراد نہیں۔ کیونکہ اذن شرعی سے شکست کا واقع ہونا ضروری نہیں بخلاف اذن کونی وامر تقدیری کے کہ اس سے مامور متخلف نہیں ہوتا۔ یعنی ضرور ظہور میں آتا ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ (اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے) اسی قبیل سے ہے۔ اس آیت میں دونو گروہ قدریہ و جبریہ کے قول کی تردید و ابطال موجود ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے بندے کے دل کو اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ غافل ہو گیا۔ پس غافل کرنا اللہ کا فعل اور غفلت بندے کا کام۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنی خواہش اور ہوا کا پیرو ہے۔ یہ فعل حقیقۃً بندے کا ہے اور قدریہ اس آیت اور دیگر اس قسم کے آیات میں تاویل کرتے ہیں کہ یہاں کا نام رکھنا اور جاننا مراد ہے پس أَغْفَلْنَا کا یہ معنی ہے کہ ہم نے اس کا نام غافل رکھا یا ہم نے اس کو غافل معلوم کیا مگر ان کی یہ تاویل بالکل تحریف اور صریح باطل ہے کیوں کہ أَغْفَلْتُهُ دوسرے افعال متعدیہ جیسے أَقَمْتُهُ أَقْعَدْتُهُ أَغْنَيْتُهُ أَفْقَرْتُهُ کی طرح معنے دیتا ہے یعنی جسطرح انکے معنے ہیں میں نے اس کو کھڑا کیا۔ میں نے اس کو بٹھا دیا میں نے اس کو غنی بنا دیا۔ میں نے اس کو فقیر کر دیا اسی طرح اس کے معنے ہیں میں نے اس کو غافل بنا دیا۔ اور باب افعال بمعنی وجدان جیسے أَحْمَدْتُهُ۔ أَجْبَنْتُهُ۔ أَبْخَلْتُهُ۔ أَعْجَزْتُهُ بمعنی میں نے اسے موصوف بہ حمد جبن۔ بخل و عجز پایا۔ اللہ تعالیٰ کے افعال میں ہرگز واقع نہیں

Marfat.com

ہوتا۔ باب افعال معنے وجدان بندوں کے فعلوں میں آتا ہے جو کہ دوسرے کو بخیل یا عاجز وغیرہ بنالے سے عاجز ہیں۔ اور دعا کرنیوالوں کے دل میں اس قسم کے افعال جیسے اقدرنی۔ اوزعنی۔ الہمنی کے معانی کی نسبت کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ ان کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ میرا نام قادر وغیرہ مقرر کر یا مجھے قدرت والا وغیرہ سمجھ ہرگز نہیں۔ داعی کی نسبت یہ کہنا اس پر اور نیز اللہ سبحانہ پر صاف بہتان باندھنا ہے۔ عقلاً کو بداہتہً معلوم ہے کہ دعا کرنیوالا اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتا ہے کہ مطلوب اس کے لیے پیدا کرے اور اپنی مشیت سے مطلوب پر اسے قدرت بخشے۔ یہانتک کہ قدری بھی اگر اپنی بدعت اور مشائخ و اسلاف کی اندھا دھند تقلید سے علیحدہ ہو کر محض اپنی عقل و فطرت سے کام لے تو وہ بھی یہی سمجھے گا۔ اس کے علاوہ یہ ممکن ہی نہیں کہ بندہ اپنے آپ کو کسی چیز سے غافل کر دے کیونکہ کسی شے سے اپنے آپ کو غافل کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ اس سے واقف و آگاہ ہو اور یہ غفلت کے منافی اور مخالف ہے بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ بندے کو غافل کر سکتا ہے۔ اور اس کا علم بندے کی غفلت کے منافی نہیں۔ اور اسطرح بندے کی طرف سے کسی چیز کی غفلت بھی ممکن ہے کیونکہ اس وقت بندہ کو سرے سے اس چیز کا علم و شعور ہی نہیں۔ اور یہ بات نہایت ظاہر اور واضح ہے پس ثابت ہوا کہ اغفال اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور غفلت بندے کا کام ؛

فصل۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبی شعیب علیہ السلام کی تبیین بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا (جس حال میں کہ خدا نے ہم کو تمہارے دین (غلط) سے نجات دی اگر اس کے بعد بھی ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں تو بیشک اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ اور ہم سے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ تمہارے دین میں لوٹ آئیں۔ مگر یہ کہ خدا جو ہمارا پروردگار ہے (وہ) چاہے (تو کچھ ہمارا زور نہیں) بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس قسم کی آیات مو [illegible] ریہ جو مشیت کو بھی امر قرار دیا کرتے ہیں یہ آیت ان کی اس تاویل کو باطل کرتی ہے کیونکہ یہ بات محالات [illegible] کہ اللہ سبحانہ ملت کو کفر و شرک میں داخل ہونے کا امر فرمائے

Marfat.com

بلکہ یہاں وہی مشیت مراد ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرتا اور کسی کو راہ راست پر لگاتا ہے۔ اس کے بعد شعیب علیہ السلام نے یہ کہا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (ہمارا پروردگار علم اور آگہی کی رو سے تمام چیزوں پر حاوی ہے) شعیب علیہ السلام نے اس معاملے کو اللہ کے علم و مشیت پر چھوڑا کیونکہ اس کا علم تمام مخلوق کو محیط اور اس کی مشیت تمام چیزوں میں نافذ ہے۔ مخلوق اس کے علم و مشیت کو نہیں پا سکتی۔ ہماری مشیت و علم کی غایت تو یہی ہے کہ ہم ملت کفر میں عود کرنے سے باز رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا وہ علم و مشیت ہے جو ہمارے علوم و مشیت کے وراء ہے اسی لئے شعیب علیہ السلام نے اس معاملے کو اس کے سپرد کیا ابراہیم علیہ السلام کا قول وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (اور جن بتوں کو تم اس کا شریک مانتے ہو میں تو ان سے کچھ ڈرتا ورتا نہیں (کہ مجھ کو کچھ نقصان پہنچا دینگے مگر ہاں میرا پروردگار ہی (مجھ کو کچھ (نقصان پہنچانا) چاہے تو اس کی مرضی) میرا پروردگار تو علم کے رو سے سب چیزوں پر حاوی ہے کیا تم (اس بات کا) خیال نہیں کرتے) بھی اسی قبیل سے ہے انبیاء علیہم السلام چونکہ شانِ خدائی سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت و علم کے سپرد کیا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا۔ ہے کہ آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کریں کہ میں اس کو کروں گا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہیں۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو آپ کریں گے ورنہ نہیں۔ اور یہ مضمون پہلے بھی بیان ہو چکا ہے حاصل کلام قرآن مجید میں جس قدر توحید الٰہی کے ادلہ ہیں۔ ان سب سے تقدیر اور اللہ تعالیٰ کا خالق افعال عباد ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے تقدیر کا اثبات توحید کی اساس ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ توحید کا دار و مدار ایمان بالقدر پر ہے جس نے تقدیر کو نہ مانا۔ اس نے توحید کو چھوڑ دیا۔

Marfat.com

چودھواں باب

ہدایت ضلالت اور ان کے مراتب کے بیان میں

(نیز اس میں یہ مذکور ہے کہ کونسی ہدایت و ضلالت مخلوق کی قدرت میں ہے اور کونسی ان کی قدرت سے باہر ہے)

یہ باب ابواب قدر اور اس کے مسائل کا دل اور خلاصہ ہے۔ کیونکہ ان تمام نعمتوں سے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے مقدر و مقسوم فرماتی ہیں۔ ہدایت سے بہتر کوئی نعمت نہیں۔ اور ان تمام مصیبتوں سے جن میں اللہ تعالیٰ بندے کو مبتلاء کرتا ہے گمراہی سے زیادہ بدتر کوئی مصیبت نہیں تمام نعمتیں نعمت ہدایت سے کم اور تمام مصیبتیں مصیبت ضلال کے مقابل ہیچ ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اول سے آخر تک اور جملہ آسمانی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ سبحانہ‘ جسے چاہے گمراہ کرے۔ اور جسے چاہے راہ راست پر لگائے اور جسے وہ ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جسے وہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ اور ہدایت کرنا اور گمراہ کرنا اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے بندے کے اختیار میں نہیں اور بندہ گمراہ ہونے اور ہدایت پانے کے ساتھ موصوف ہے پس ہدایت اور اضلال اللہ سبحانہ‘ کا فعل اور اس کی تقدیر ہے اور ہدایت پانا اور گمراہ ہونا بندے کا کام اور اس کا کسب ہے۔ ہدایت اور ضلال کے مسائل کی تفصیل سے پہلے ان کے مراتب کا ذکر کرنا ضروری ہے جو قرآن مجید میں آئے ہیں۔ پس واضح ہو کہ

Marfat.com

ہدایت کے چار مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ ہدایت عام ہے یعنی وہ ہدایت جو ہر ایک متنفس کو اس کے معاش کے مصالح اور اس کی زندگی کی ضروریات کی طرف بخشی ہے اور یہ مرتبہ تمام مراتب سے عام ہے۔ دوسرا مرتبہ وہ ہدایت ہے۔ جو بیان، دلالت تعلیم اور ان چیزوں کی طرف دعوت کرنے کے معنی میں ہے جو بندے کو آخرت میں مفید اور کار آمد ہوں اور یہ مکلفین کے ساتھ خاص ہے اور یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے خاص اور تیسرے مرتبہ سے عام ہے۔ تیسرا مرتبہ وہ ہدایت ہے جس کو ہدایت پانا لازم ہے اور اس کو ہدایت توفیق کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا بندے کی ہدایت کا ارادہ فرمانا اور اس کے اسباب پیدا کرنا اور بندے کو اس پر قدرت بخشنا اور یہی ہدایت ہے جس پر اللہ عزوجل کے سوا کوئی قادر نہیں۔ چوتھا مرتبہ وہ ہدایت ہے جو قیامت کو جنت یا دوزخ کی طرف ہوگی۔

فصل۔ ہدایت کے پہلے مرتبے کا ثبوت اللہ سبحانہ نے فرمایا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى۔ (اے پیغمبر اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح (و تقدیس) کیا کرو جس نے (تمام مخلوقات کو) بنایا اور (بہت) درست بنایا اور جس نے (ہر ایک چیز کی غرض و غایت کا) اندازہ کیا اور (اس کو اسی) رستہ لگا دیا) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے چار چیزیں جو عام ہیں ذکر فرمائی ہیں۔ (۱) خلق (۲) تسویہ (۳) تقدیر (۴) ہدایت جن میں سے تسویہ کو متمم خلق ٹھہرایا ہے اور ہدایت کو تتمہ تقدیر قرار دیا ہے۔ عطاء نے فَسَوَّى کی تفسیر میں کہا ہے اس کی خلقت کو درست کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول اَلَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ۔ (جس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی) اس کا شاہد موجود ہے کیونکہ احسانِ خلق تسویہ اور اس

تناسب خلقت واجزاء کو شامل ہے جس میں کسی قسم کا تفاوت جو اعتدال کے مخل ہو ہرگز نہ ہو۔ غرض خلق سے ایجاد اور تسویہ سے اس کی درستی و عمدگی مراد ہے۔ کلبی کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کو پیدا کیا۔ اور ہاتھ۔ پاؤں آنکھیں وغیرہ بنا کر اس کی خلقت کو درست فرمایا۔ مقاتل کا قول ہے کہ ہر ایک جاندار کے لئے وہ چیزیں بنائیں جو اس کی خلقت کے مناسب ہیں۔ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ انسان کو راست قد بنایا۔ ابو اسحاق نے انسان کی استقامتِ قد کو تمثیلاً ذکر کیا ہے ورنہ تسویہ انسان وغیرہ تمام مخلوق کی خلقت کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (اور انسان کی اور اس ذات کی قسم جسنے اسکو ایسا درست بنایا) اور نیز فرمایا ہے وَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (تو سات آسمان ہموار بنا دیے) غرض تسویہ تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (اے دیکھنے والے! بھلا تجھ کو) (خدائے) رحمٰن کی (اس) صنعت میں کوئی کسر دکھائی دیتی ہے؟) اور بعض میں تفاوت اور عدم تسویہ پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس خاص مخلوق کو تسویہ عطا نہیں ہوا۔ کیونکہ تسویہ وجودی چیز ہے جو تاثیر اور ابداع سے متعلق ہے۔ پس جہاں وہ موجود نہیں خالق کے ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں مفقود ہے۔ تسویہ کا نہ ہونا ایک عدمی امر ہے اس کے لئے عدم ابداع و تاثیر کافی ہے۔ ہماری اس تقریر میں غور کرنے سے مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔ غرض جہاں تفاوت ہے وہ بسبب عدم مشیت تسویہ کے ہے جیسے جہالت۔ بہرہ پن۔ نابینائی۔ گنگی میں ان کے خلق و ایجاد کا ارادہ نہ ہونا کافی ہے۔ اسی طرح عدم تسویہ کے لئے عدم مشیت کافی ہے۔ باب دخول الشر فی القضا میں جہاں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول والشر لیس الیک کو بیان کرینگے انشاء اللہ ہم اس مضم...

Marfat.com

کے بقیہ کو ذکر کرینگے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک مخلوق کو اس کے خالق نے خلقت کے مرتبہ میں تسویہ عنایت کیا ہے۔ گو دوسری وجہ سے جو اس کی خلقت میں داخل نہیں۔ اس میں تسویہ نہ پایا جائے۔

فصل۔ رہی تقدیر اور ہدایت سو اس کے متعلق مقاتل کا یہ قول ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے نر و مادہ کی خلقت کو مقدر فرمایا۔ اور نر کو مادہ سے جفتی کرنا سمجھایا۔ ابن عباسؓ۔ کلبی اور نیز عطاء نے کہا ہے کہ پہلے اپنے ارادہ کے مطابق نسل حیوانات کو مقدر فرمایا۔ پھر نر کو مادہ سے جفتی کرنا سمجھایا۔ صاحب نظم نے اسی قول کو پسند کیا۔ اور کہا ہے کہ یہاں ہدایت سے یہی مطلب ہے کہ نر کو سمجھا دیا کہ وہ مادہ سے کس طور جفتی کرے۔ چونکہ حیوانات کے بہت سے اقسام ہیں اور ہر ایک کی صورت۔ خلقت ہیئت جداگانہ ہے اس لئے ہر ایک کی جفتی کی طرز بھی جدا ہے۔ اگر اللہ سبحانہ ہر ایک نر کو فطرۃً یہ بات نہ سمجھا دیتا۔ کہ وہ اپنی ہم جنس مادہ سے کس طور جفتی کرے۔ تو اس کو کبھی جفتی کرنا نہ آتا۔ مقاتل نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ نے حیوانات کو ان کی معیشت کی صورت اور چراگاہ بتلا دی۔ سدی کا قول ہے کہ شکم میں بچے کے رہنے کی ایک مدت ٹھہرائی اور اس مدت کے بعد اسے باہر آنے کی صورت سمجھائی مجاہد کا قول ہے کہ انسان کی خیر و شر اور سعادت و شقاوت کا رستہ بتلا دیا فراء کا قول ہے کہ اصل عبارت یوں ہے۔ فَهَدٰى وَ اَضَلَّ یعنی بعض کو ہدایت کی اور بعض کو گمراہ کیا۔ مگر ایک جملہ پر اکتفا کر کے دوسرا ذکر نہیں فرمایا میں کہتا ہوں۔ آیت ان سب اشیاء مذکورہ کو شامل ہے اور سب سے زیادہ ضعیف فراء کا قول ہے۔ کیونکہ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت عامہ مراد ہے۔ جو تمام حیوانات کو ضروریاتِ معاش کی نسبت عطا کی گئی ہے۔ ہدایت یہاں

Marfat.com

و ضلال مراد نہیں۔ اور اس کی نظیر یہ دوسری آیت موجود ہے رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی (خاص طرح کی) بناوٹ عطا فرمائی۔ پھر اس کو (ان اغراض خاص کے پورا کرنے کی) راہ دکھائی) اس آیت میں اعطائے خلق سے خارج میں پیدا کرنا اور ہدایت سے تعلیم اور ان چیزوں کی طرف راہ نمائی کرنا مراد ہے۔ جو ہر مخلوق کے مناسب حال اور اس کے قیام و بقاء کا سبب ہوں اور مجاہد نے جو صرف ہدایت انسان کا ذکر کیا ہے تو یہ تمثیلاً کیا ہے ورنہ یہ آیت کی پوری تفسیر نہیں۔ کیونکہ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے جو تمام حیوانات۔ انسان۔ بہائم۔ پرند۔ چرند وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اور نیز جنہوں نے یہ کہا ہے کہ نر کو مادہ سے جفتی کرنا سمجھایا یہ بھی بطور تمثیل کہا ہے۔ ہدایت کے بے شمار افراد ہیں جن کو اللہ کے سوا اور کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ہدایت کا ایک فرد ہے۔ اور اسی طرح جس نے یہ کہا ہے کہ ہر حیوان کو اس کی معیشت کی صورت اور چراگاہ تبلا دی۔ کیونکہ یہ بھی ہدایت کی ایک صورت ہے اس کے علاوہ ہدایت کی کئی صورتیں ہیں چنانچہ بچے کا شکم مادر سے پیدا ہوتے ہی اس کی چھاتی کو منہ میں ڈالنا اور اپنی ماں کو دوسرے لوگوں سے شناخت کرنا اور چھوٹے بچوں کا ماں کے پیچھے جانا۔ اور حیوانات کا ان چیز کے چرنے کا قصد کرنا جو مفید ہوں اور مضر چیزوں سے پرہیز کرنا یہ سب اللہ کی ہدایت ہے۔ پرندوں۔ جنگلی جانوروں اور چوپاؤں کو اللہ نے وہ وہ عجیب باتیں اور کام سوجھائیں جن کے کرنے سے انسان عاجز ہے۔ دیکھو شہد کی مکھی کو کس طرح سوجھایا ہے۔ کہ وہ اپنی خوراک کی تلاش میں دور دراز رستے طے کرتی اور پھر اپنے گھر کو جو کسی درخت پر یا پہاڑ یا کسی دیوار میں ہوتا ہے واپس آ جاتی ہے۔ شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سوجھائیں ہیں۔ جن سے نہایت

Marfat.com

تعجب اور حیرت آتی ہے اور اس کی سوجھ عجیب اور نرالی ہے اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ شہد کی مکھیوں میں ایک بادشاہ اور منتظم ہوتا ہے۔ جس کو یعسوب کہتے ہیں وہ سب مکھیوں سے جسم میں بڑا اور رنگ و شکل میں خوبصورت ہوتا ہے۔ اور ان میں جو مادہ ہوتی ہیں وہ موسم بہار کے شروع میں بچے دیتی ہیں۔ اور اکثر بچے مادہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نر بچہ پیدا ہو تو اس کو عموماً اپنے بیچ نہیں چھوڑتی یا تو اسے وہاں سے نکال دیتی یا اسے جان سے مار ڈالتی ہیں۔ ہاں تھوڑے سے نر بچوں کو رہنے دیتی ہیں جو کہ بادشاہ کے محافظ و حاشیہ نشین ہوں۔ اور نروں کے مار ڈالنے یا نکال دینے کی یہ وجہ ہے کہ نر کچھ کام نہیں کرتے اور نہ مہال کی کوئی چیز بناتے ہیں۔ پھر مکھیاں اپنی اولاد سمیت بادشاہ کے پاس جمع ہوتی ہیں۔ پس وہ سب کو لے کر نہایت نزدیک اور سیدھے راستہ سے کسی سبزہ زار یا لہلہاتے کھیت یا ہرے بھرے باغ کی طرف نکلتا ہے۔ اور سب کی سب اپنی حاجت کے موافق وہاں رس چوس لیتی ہیں پھر بادشاہ سب کو لے کر واپس ہوتا ہے اور جب مہال کو واپس آ جاتی ہیں۔ تو بادشاہ دروازے پر ٹھیرتا ہے اور کسی نر یا دوسرے مہال کی مکھی کو اندر نہیں گھسنے دیتا۔ اور جب سب کی سب اندر جا چکتی ہیں۔ تو بادشاہ سب کے بعد اندر جاتا ہے اور جب سب مکھیاں اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہیں تو اب بادشاہ ان کا کام سکھلانے کے لئے پہلے خود کام شروع کرتا ہے۔ اس کو دیکھ کر سب کی سب فوراً کام کرنے لگتی ہیں۔ اور بادشاہ کام چھوڑ کر ایک کونے میں بیٹھ جاتا اور ان کے کام کو ملاحظہ کرتا ہے پھر مکھیاں تیوں اور پھولوں کی چکناہٹ سے موم بنانا شروع کرتی ہیں پھر کام کے لحاظ سے مکھیوں کے کئی گروہ ہیں بعض وہ ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کے پاس رہتی ہیں اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتیں اور ان کے ذمہ (حفاظت و خدمت بادشاہ کے سوا) مہال کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور یہ سب کے سب نر ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اور بعض وہ ہیں جو صرف موم بناتی اور اسے تیار کرتی ہیں۔ موسم شہد کا تلچھٹ ہوتا ہے۔ اور اس میں انجیر کی شیرینی کے موافق شیرینی ہوتی ہے اور مکھیاں اس کے بنانے میں شہد کے بنانے سے بھی زیادہ اہتمام کرتی ہیں۔ اور اس کو بول وغیرہ کی آمیزش سے خالص ستھرا اور پاک وصاف کرتی ہیں۔ اور بعض وہ جو صرف گھروں کی تیاری میں مصروف رہتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو سقّے کا کام دیتی اُٹھا پانی کو اپنی پیٹھ پر اٹھالاتی ہیں۔ اور بعض وہ جو مہال کی جاروب کشی کا کام کرتی ہیں اسے میل کچیل۔ کوڑے کرکٹ۔ مُردوں کی لاشوں سے پاک وصاف کرتی ہیں۔ اور جب کسی مکھی کو دیکھتی ہیں کہ وہ کام میں سستی کرتی اور بیکار پھرتی ہے تو اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی اور جان سے مار ڈالتی ہیں۔ کہ اس کی اس بدعادت بیکاری کا برا اثر کام کرنے والیوں پر نہ پڑے اور وہ بھی کاہل اور سست نہ ہو جائیں۔ مہال میں سب سے پہلے بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ اور اس کا مکان تیار کیا جاتا ہے۔ بادشاہ کا مکان مربع شکل بناتی ہیں جو بالکل تخت کی ہیئت پر ہوتا ہے بادشاہ اس پر جلوس کرتا اور اس کے آس پاس چند مکھیاں جو اس کی خدام اور خواص وامرا کے قائم مقام ہوتی ہیں بیٹھ جاتی ہیں اور اس سے کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ بادشاہ کے سامنے حوض کی شکل پر ایک خانہ تیار کرتی ہیں جس کو نہایت مصفی اور عمدہ شہد سے لبریز کرتی ہیں وہ بادشاہ اور اس کے خواص کے کھانے کے کام آتا ہے۔ اس کے بعد متساوی خطوط پر اور ایسے خانے بنانے شروع کرتی ہیں جن سے الگ الگ کوچے اور محلے بنجاتے ہیں۔ اور اپنے خانے مسدس متساوی الاضلاع شکل کے بناتی ہیں۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اقلیدس داں ہیں کیونکہ ان کے گھروں کے لئے جو نہایت مناسب وموزون شکل تھی اس کو اختیار کیا ہے مکانات کے بنانے میں جو جو عمدہ باتیں یعنی مضبوطی فراخی ملحوظ ہوتی ہیں۔ وہ شکل

Marfat.com

مسدس کے سوا اور کسی شکل میں نہیں پائی جاتیں۔ شکل مسدس کا یہی خاصہ ہے کہ جب اس شکل کی چند چیزوں کو باہم ملایا جائے تو چکی کے موافق ایک مندیر شکل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ باہم ایسی پیوست ہوتی ہیں کہ ان کے درمیان کہیں تھوڑا سا رخنہ اور خالی جگہ نہیں رہتی اور ان کی پیوستی سے ایک دوسرے کو ایسی پختگی اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے کہ وہ سب مل کر گویا ایک مضبوط چیز ہو جاتی ہیں۔ سو ان کے گھروں کی یہی کیفیت ہے کہ ان کے درمیان سوئی کا سر نہیں سما سکتا۔ یہ سب اللہ تعالٰے کی حکمت اور قدرت ہے کہ ایسی مخلوق کو وہ علم بخشا ہے کہ یہ اس صنعت سے اپنے گھر تیار کرتی ہے کہ انسان سے بھی ایسی صنعت نہ ہو سکے مکھیوں کو یہ علم دیا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو ایسی اشکال پہ بنائیں۔ جن میں دو صفتیں پائی جائیں ایک یہ کہ ان کے زاویے تنگ ہوں تاکہ وہ خالی اور بیکار نہ پڑے رہیں۔ دوم یہ کہ جب وہ اشکال باہم پیوستہ ہوں تو ان کے بیچ میں کوئی جگہ خالی و بیکار نہ رہے سو یہ دونوں باتیں صرف شکل مسدس میں حاصل ہیں۔ مثلث اور مربع شکلوں کے باہم ملانے سے بھی اگرچہ بیچ میں کوئی جگہ خالی نہیں رہتی۔ لیکن ان کے زاویے تنگ ہوتے ہیں۔ ان کے سوا باقی اشکال میں اگرچہ زاویے فراخ ہوتے۔ لیکن ان کے زاویے تنگ ہوتے ہیں۔ ان کے سوا باقی اشکال میں اگر زاویے فراخ ہوتے۔ لیکن ان کی باہم پیوستگی سے بیچ میں سوراخ اور خالی جگہ رہ جاتی ہیں پس اللہ سبحانہ نے اس کو یہ سوجھ عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنے گھروں کو بغیر مسطر اور آلات اور نقشہ اور نمونہ سابق کے شکل مسدس کی ہیئت پر تیار کرتی ہیں حالانکہ بڑا کاریگر انسان بھی بڑے بڑے آلات اور اوزار کے بدوں شکل مسدس کی ہیئت پر کوئی مکان نہیں تیار کر سکتا۔ اور نیز اللہ نے اس کو یہ سوجھ بخشی ہے کہ اپنی طاقت کے موافق اپنی خوراک کے راستے طے کرتی اور پھر پھرا کر سیدھی اپنے

Marfat.com

گھروں میں آجاتی ہیں اور راستہ نہیں بھولتیں۔ اور پھلوں پھولوں اور کھیتوں میں سے نہایت عمدہ اور لطیف اجزاء کو لے کر اپنے خالی گھروں کو لوٹتی اور ان میں وہ چیدہ اور لطیف اجزاء ڈال کر ان سے مختلف رنگ کا وہ شہد بناتی ہیں۔ جو انسان کی کئی امراض کے لیئے شفا ہے۔ غور کرنیوالوں کے لئے ان کی اس صنعت عجیب میں خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ جب گھروں کے بنانے سے فارغ ہو جاتی ہیں تو خالی پیٹ ہو کر میدانوں اور پہاڑوں میں گھومنے پھرنے لگتی ہیں۔ پھولوں اور درختوں کے پتوں پر سے شیریں اجزا اٹھا کر پیٹ بھر لیتی اور گھروں کو واپس آتی ہیں۔ اللہ سبحانہٗ نے ان کے منہ میں وہ حرارت رکھی ہے جس سے اجزا کو ایک خاص پختگی اور نضج حاصل ہو جاتا ہے پھر ان کو انکے گھروں میں ڈال کر ان کو لبریز کر دیتی ہیں۔ جب سب خانے پر ہو جاتے ہیں تو صاف موم سے ان کے سروں کو بند کر دیتی ہیں۔ اس کے بعد اور مکان تلاش کرتی ہیں۔ پس اگر حسب خواہش ملجائے تو وہاں اسی طرح کے خانے بنانے لگتی اور بدستور سابق تمام کاروائی شروع کرتی ہیں۔ اور جب سردی پڑنے لگے اور خوراک حسب منشاء نہ ملے اور جاڑے کی شدت سے کام و کاج نہ کر سکیں۔ تو اپنے گھروں میں بیٹھ جاتی اور اندوختہ شہد کو کھانا شروع کر دیتی ہیں۔ اور کام و کاج کے دنوں میں علی الصباح گھروں سے نکل کر ہر ایک جماعت اپنے مقررہ کام میں دن بھر مصروف رہتی ہے اور شام کو سب واپس آجاتی ہیں۔ واپسی کے وقت مہال کے دروازے پر چند دربان تعینات ہوتے ہیں۔ جن کی مدد کے لئے چند معاون و مددگار حاضر رہتے ہیں۔ ان کا یہ کام ہوتا ہے کہ جب کوئی مکھی مہال کے اندر جانے لگے تو وہ اس کو سونگھتے اور اس کی تلاشی لیتے ہیں۔ اگر اس سے بدبو محسوس کریں یا اس کے پاس کوئی گندی چیز پائیں تو اُسے اندر جانے سے روک دیتے

Marfat.com

اور اس کو الگ ایک طرف بٹھا دیتے ہیں۔ اور جب باقی سب مکھیاں اندر جا چکتی ہیں۔ تو ان علیحدہ شدہ مکھیوں کی دوبارہ تلاشی لیتے اور ان کے احوال کی تفتیش، کرتے ہیں جس کی نسبت معلوم ہو جائے کہ وہ کسی بدبودار یا ناپاک چیز پر بیٹھی، ہے۔ تو کاٹ کر اُسے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں اور جس سے کوئی خفیف سا جرم سرزد ہوا ہو تو اسے مارتے نہیں لیکن سزا کے طور پر چھال سے باہر رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ دربان ہر شام اپنا یہ فرض بجالاتے ہیں۔ بادشاہ کا یہ دستور ہے کہ وہ ہمیشہ چھال میں رہتا اور بہت ہی شاذ و نادر کبھی باہر نکلتا ہے وہ صرف اس وقت نکلتا ہے جب سیر کو جی چاہے۔ اس وقت اس کے ساتھ امراء اور خادم بھی نکلتے ہیں اور تھوڑی دیر کھیتوں اور باغوں میں گھوم کر واپس آجاتے ہیں۔ اور اس کی یہ ایک عجیب بات ہے کہ اگر اسے (اپنی رعایا) مکھیوں سے یا اس شخص سے جس کے مکان میں چھتہ لگا ہو یا اس کے نوکروں چاکروں سے کچھ تکلیف پہنچے تو ناراض ہو کر چھتے سے نکل جاتا اور وہاں سے دور فاصلے پر جا کر کہیں ڈیرا کرتا ہے اور سب کی سب مکھیاں چھتے کو خالی چھوڑ کر اس کے ہمراہ چلی جاتی ہیں۔ جب اس شخص کو جس کے مکان میں چھتہ لگا ہو یہ کیفیت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مکھیوں کو اپنے مکان میں واپس لائے۔ تو وہ بادشاہ کو راضی کرنے اور اس کے واپس لانے کے لئے یہ حیلہ و تدبیر عمل میں لاتا ہے کہ پہلے اس جگہ کو معلوم کرتا ہے جہاں وہ مکھیوں سمیت چلا گیا ہے۔ پھر اس نشان سے بادشاہ کی شناخت کرتا ہے کہ سب کی سب مکھیاں اس کے پاس اکٹھی رہتی ہیں۔ اور اس سے جُدا نہیں ہوتیں اور اس کے اردگرد اس طرح مجتمع ہوتی ہیں۔ کہ انگور کا ایک خوشہ معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کا دستور ہے کہ جب ناراض ہو کر چھتے سے نکلے تو کسی درخت کی اونچی ٹہنی پر بیٹھتا ہے۔ اور باقی مکھیاں

Marfat.com

اس کے آس پاس گھوم کر اس سے چمٹ جاتی ہیں تو وہ شخص جس کے مکان میں چھتہ لگا تھا ایک بانس یا لمبا سا ترسل لے کر سرے پر نہایت لطیف اور خوشبو دار بوٹیوں اور پھولوں کا گلدستہ باندھتا اور اسے بادشاہ کے سامنے کرتا ہے اور اس کے پاس سارنگی یا باجا یا گانے بجانے کا اور کوئی ساز ہوتا ہے وہ اسے بجاتا اور گلدستے کو بادشاہ کے نزدیک کرتا جاتا ہے کچھ دیر اسی طرح کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ بادشاہ راضی ہو جاتے۔ اور جب بادشاہ راضی ہو جاتا اور اس کا غصہ جاتا رہتا ہے تو وہ جھٹ کود کر گلدستے پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کے خادم اور سب مکھیاں اس کے پیچھے چلی آتی ہیں۔ پس وہ شخص گلدستے کو اٹھا کر پہلے چھتے کی طرف لے آتا ہے اور بادشاہ اور اس کا سب لشکر اپنے چھتے میں گھس جاتے ہیں۔

اور شہد کی مکھی کبھی مردار جانور یا طعام پر نہیں بیٹھتی۔ اور ان کی عجیب بات یہ ہے کہ ظالم اور مفسد بادشاہوں کو مار ڈالتی ہیں اور ان کی اطاعت اختیار نہیں کرتیں۔ اور جو مکھیاں بدن میں چھوٹی اور گوٹھلی ہوتی ہیں شہد وہی بناتی ہیں اور یہ اُن مکھیوں سے جو قد میں بڑی اور بیکار رہتی ہیں لڑائی مقابلہ کر کے ان کو چھتے سے نکال دیتی یا جان سے مار ڈالتی ہیں۔ اور ان کے ہونے سے شہد بہت عمدہ تیار ہوتا ہے اور جس کو جان سے مارنا چاہتی ہیں۔ تو حتی الوسع اس کو چھتے سے باہر قتل کرتی ہیں۔ تاکہ ان کی لاشوں سے چھتہ گندہ خراب نہ ہو۔ شہد کی بعض مکھیاں بدن میں بڑی لیکن قلیل النفع ہوتی ہیں شہد بنانے والیوں اور ان کے درمیان ہمیشہ لڑائی جنگ قائم رہتا ہے وہ شہد بنانے والیوں کے گھروں میں آگھستی اور ان کو مار ڈالنا چاہتی ہیں۔ مگر یہ بھی نہایت ہوشیار اور بیدار رہتی ہیں۔ جب وہ ان کے گھروں میں آ جاتی ہیں تو یہ ایسی حکمت

Marfat.com

کرتی ہیں کہ ان کو گھروں کے دروازوں کی طرف سے آتی ہیں۔ اسی طرح ان سے شہد لتھڑ جاتا اور وہ اڑنے سے رہجاتی ہیں۔ قسمت سے کوئی جس کی حیاتی باقی ہو کوئی بچ نکلتی ہے۔ ورنہ سب کی سب وہیں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ اور جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے تو لاشوں کو اٹھا کر چھتے سے باہر پھینکدیتی ہیں۔ اور جب بادشاہ کبھی سیر کے لئے باہر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک دو روز پہلے اپنے مصاحبوں اور خادموں کو اطلاع دے دیتا اور ترتیب وار ہر ایک کی جگہ مقرر کر دیتا ہے پس جب نکلتا ہے تو اسی قاعدہ اور انتظام سے چلتے ہیں۔ جو بادشاہ نے مقرر کیا تھا۔ کیا مجال کہ اس کا خلاف کریں۔ جب ان میں کئی ایک نہ پیدا ہو جاتے ہیں تو بادشاہ کو چونکہ معلوم ہے کہ یہ حکومت کے خواستگار ہوتے ہیں اس لئے ہر ایک کو ایک جماعت کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اور ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو اس خیال سے کہ اس کی رعیت پریشاں اور ہلاک و برباد ہوجائیگی قتل نہیں کرتا۔ اور جب اس شخص کو جس کے مکان میں چھتہ لگ رہا ہے معلوم ہو جائے کہ کئی ایک بادشاہ پیدا ہو گئے ہیں۔ تو وہ کسی تدبیر سے ایک کے سوا سب کو پکڑ کر کسی برتن میں بند کر دیتا اور ان کے سامنے ان کی خوراک کے موافق شہد ڈال دیتا ہے۔ اور جب بادشاہ مرجائے یا بیمار ہو جائے یا وہ مفسد نکلے اور مکھیاں اُسے قتل کر دیں۔ تو وہ ان قید شدہ بادشاہوں میں سے ایک کو نکال کر اس کے قائم مقام کر دیتا ہے تاکہ بادشاہ کے نہ ہونے سے مکھیاں متفرق و پراگندہ نہ ہوں اور ان کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب بادشاہ سیر کو نکلے اور وہ تھک جائے تو اس کو نوجوان مکھیاں اپنے اوپر اٹھا لیتی ہیں۔ شہد کی مکھی نہایت پاکیزہ اور صاف اور ستھرا جانور ہے۔ اسی لئے وہ پاخانہ اس وقت کرتی ہے جب اڑ رہی ہو۔ اور گندگی اور بدبودار چیزوں سے نفرت کرتی ہے۔ تو جوان مکھیاں

Marfat.com

عمر رسیدہ کی نسبت کام و کاج میں نہایت مضبوط اور حریص ہوتی اور آدمی وغیرہ کو بہت کم ڈستی ہیں۔ اور ان کا شہد بہت عمدہ ہوتا ہے اور اگر کسی کو نیش زنی کریں بھی تو اس سے تھوڑی سی تکلیف محسوس ہوتی ہے اور عمر رسیدہ کی نیش زنی سے بہ نسبت ان کے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ شہد کی مکھی نہایت نافع اور کام کا جانور ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے وہ الہام اور ہدایت عزائی ہے جو اور کسی جانور کو عطا نہیں ہوئی۔ اور اس کا شہد سینکڑوں بیماریوں کی دوا اور اس کا موم اندھیروں میں روشنی کا ذریعہ ہے۔ ر جیسے کہ ہادیان طریق رہنمائی کرتے ہیں، تو ان وجوہ سے اس کے دشمن بھی زیادہ ہیں۔ عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ جو چیز عمدہ ہوتی ہے اس کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر غالب ہے اور یہ سب کام اس کی حکمت سے ہیں ؛

فصل۔ چیونٹیوں کو دیکھو یہ بھی نہایت سمجھدار جانور ہیں۔ ان کی سوجھ سے نہایت تعجب انگیز ہے کہ ایک چھوٹی سی جان اپنے بل سے نکل کر دُور دُور خوراک تک اپنی خوراک تلاش کرتی۔ اور جب کھانے کی کوئی چیز پاتی ہے تو اسے اٹھا کر دور دراز ٹیڑھے دشوار گذار اور اتار چڑھاؤ کے رستوں سے اپنے بل میں لے آتی۔ اور خوراک کے میسر ہونے کے دنوں میں اپنے بل میں ذخیرہ کرتی جاتی ہے۔ جب ذخیرہ کر چکتی ہے تو دیکھتی ہے کہ اس میں کونسی چیز اگنے کے قابل ہے۔ پس اس میں جو چیز اگنے کے قابل ہو اسے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ وہ اگنے نہ پائے۔ اور اگر وہ دو ٹکڑے ہونے پر بھی اگ سکتی ہو تو اس کے چار ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ اور اگر کہیں اس کو نمی پہنچ جائے اور اس کے متعفن اور خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو موقع دیکھ کر دھوپ والی دن میں اسے نکالتی اور بل کے دروازے کے آس پاس پھیلا دیتی ہے۔ جب سوکھ جائے تو بل میں

Marfat.com

جمع کر دیتی ہے۔ اور جو خوراک ایک چیونٹی جمع کرے اس کو دوسری نہیں کھاتی ان کی سوجھ کے متعلق وہ بات کچھ کم نہیں ہے جس کو اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں اس چیونٹی کی نسبت بیان فرمایا ہے جس کی بات چیت کو جو اس نے دوسری چیونٹیوں سے کی تھی سلیمان علیہ السلام نے سنا تھا یعنی یَاأَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (چیونٹیو اپنے اپنے) بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور سلیمانؑ کے لشکر تم کو کچل ڈالیں اور ان کو (اس کی) خبر بھی نہ ہو)۔

دیکھو اپنے کلام کو حرف ندا سے شروع کیا کہ مخاطب کلام سننے کی طرف متوجہ ہو جائے پھر عموم و شمول کی غرض سے اسم مبہم لا کر اسم جنس اس کے ساتھ لگایا اس کے بعد (دوسری چیونٹیوں سے) کہا کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جائیں تاکہ لشکر (کے پائمال کرنے) سے محفوظ رہیں۔ اس کے ساتھ ہی بلوں میں گھس جانے کا سبب بھی بیان کر دیا۔ کہ سلیمانؑ اور ان کے لشکر کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے پھر پیغمبر خدا سلیمانؑ اور ان کے لشکر کی طرف سے ایذا پہنچنے میں ان کو معذور ٹھیرایا کہ یہ کام ان سے نادانستہ ہو گا (ان کا کوئی قصور نہیں) یہ سب باتیں نہایت کمال سوجھ کی ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ سبحانہ نے چیونٹیوں کے حالات پورے شان اور ان کی وقعت کے ساتھ بیان کئے ہیں چنانچہ فرمایا ہے۔ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ (اور سلیمانؑ کے جتنے لشکر جنات اور آدمیوں اور پرندوں کے تھے) ان کے (ملاحظے کے) جمع کئے گئے تو وہ مثل بمثل ان کے روبرو کھڑے کئے جاتے تھے (غرض اس ترتیب سے لشکر ایک طرف کو روانہ ہوا) یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے (ایک میدان میں پہنچے) اور اللہ سبحانہ'

Marfat.com

نے اس آیت میں بتلایا ہے کہ وہ سب کے سب چیونٹیوں کے جنگل سے گزرے اس سے معلوم ہوا کہ وہ جنگل وادی السباع وغیرہ کی طرح وادی النمل کے نام سے مشہور ہے اس کے بعد اللہ سبحانہ نے ایک چیونٹی کی وہ بات بیان فرمائی ہے جس سے اس کی کمال دانش و تیز فہمی ثابت ہوتی ہے کہ اس نے سب چیونٹیاں سے کہا کہ اپنے اپنے خاص بلوں میں گھس جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیونٹی اور سب چیونٹیاں یہ بات جانتی ہیں۔ کہ چیونٹیوں کی ہر ایک جماعت کے لئے الگ الگ گھر ہوتے ہیں۔ جن میں ان کے سوا دوسری چیونٹیاں ہرگز نہیں جاتیں اس کے بعد اس چیونٹی نے کہا ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اس کے لشکر تم کو کچل ڈالیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ سلیمان علیہ السلام اور ان کے نام کو اور نیز ان کے لشکروں اور افسر افواج کو جانتی تھی۔ اس کے بعد کہا کہ ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ پس اس جملے میں لشکر کی طرف سے لاعلمی کے عذر اور چیونٹیوں کی ملامت کو جمع کر دیا کہ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر اور بلوں میں گھسنے سے کیوں غافل ہیں۔ اسی لئے سلیمانؑ اس کی بات سے مسکرائے اور ہنسے۔ چیونٹی کی یہ باتیں بیشک تعجب انگیز اور ہنسی کے قابل ہیں۔

زہری نے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کی ہے وہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹی۔ شہد کی مکھی۔ ہُدہُد اور چڑی مار کے مار ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

اور صحاح میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک پیغمبرؑ کسی درخت کے نیچے اترے وہاں ان کو ایک چیونٹی نے کاٹا اس پر انہوں نے وہاں سے اپنا اسباب اٹھوا کر چیونٹیوں کے بل کو آگ لگانے کا حکم دیا۔ سو وہ آگ سے جلا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

بذریعہ وحی ان سے فرمایا۔ ایک چیونٹی کے کاٹنے کے سبب تو نے ہماری مخلوق سے ایک جماعت کی جماعت جو ہماری تسبیح کہا کرتی تھی جلادی ہے۔ تجھے چاہیئے تھا کہ صرف ایک چیونٹی کو (جس نے کاٹا تھا) جلاتے ؛

ہشام بن حسان نے ذکر کیا ہے کہ احنف بن قیس کے گھر والوں کو چیونٹیوں نے کچھ تکلیف دی تو احنف دو تنوروں کے درمیان کرسی رکھوا کر اس پر بیٹھ گئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر کہا چیونٹیو تم ہماری تکلیف دہی سے باز آجاؤ ورنہ تمہیں جلادیا جائیگا۔ ہشام کہتے ہیں وہ چیونٹیاں وہاں سے چلی گئی ہیں۔

اور عوف بن جمیلہ نے قسامہ بن زہیر سے روایت کیا ہے۔ کہا کہ ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے کہ جانوروں کے) ہر ایک نوع میں حاکم اور سردار مقرر ہوتے ہیں یہاں تک کہ چیونٹیوں میں بھی سردار مقرر ہیں۔ اور ان کی سوجھ کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان کو معلوم ہے کہ ان کا پروردگار آسمانوں پر عرش معلّے کے اوپر ہے چنانچہ امام احمد نے کتاب الزہد میں ابوہریرہؓ کی حدیث سے مرفوعًا روایت کیا ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک نبیؑ آدمیوں کو لے کر بارش کے لئے دعا کرنے کو نکلے دیکھا تو ایک چیونٹی چت لیٹ کر آسمان کی طرف پاؤں اٹھائے دعا کر رہی ہے پس پیغمبرؑ نے لوگوں سے فرمایا اب لوٹ چلو استسقاء کی ضرورت نہیں۔ تمہارے سوا ایک دوسری مخلوق کی دعا منظور ہوگئی ہے اور اب بارش ہوگی ؛

یہ اثر متعدد طریق سے مروی ہے۔ طحاوی نے تہذیب وغیرہ میں اسے روایت کیا ہے۔ اور امام احمدؒ نے باسناد کہا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سلیمانؑ بن داؤد علیہما السلام بارش کے لئے دعا کرنے لگے دیکھا تو ایک چیونٹی پیٹھ کے بل لیٹی آسمان کی طرف پاؤں اٹھائے کہہ رہی ہے۔

Marfat.com

اے اللہ ہم بھی منجملہ تیری مخلوقات کے ایک مخلوق ہیں. ہم تیرے پانی اور روزی دینے کے محتاج ہیں ہمیں پانی اور روزی عطا فرما ورنہ ہمیں ہلاک کر دے سلیمانؑ نے لوگوں سے فرمایا اب لوٹ چلو. تمہارے سوا ایک اور مخلوق کی دعا کی وجہ سے اب بارش ہوگی.

امام احمد کے سلسلہ مشائخ میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک چیونٹی اپنے بل سے نکلی اور اُسے مری ہوئی ٹڈی کا ایک ٹکڑا ملا. اس نے وہ اٹھانا چاہا مگر اُسے اٹھا نہ سکی. اس کو چھوڑ کر چلی گئی. اور اس کے اٹھانے کے لئے کئی ایک چیونٹیوں کو بلا لائی. میں نے اس ٹکڑے کو زمین سے اٹھالیا وہ اس جگہ گھوم کر اور اس کو دیکھ بھال کر جب نہ ملا تو باقی واپس چلی گئیں. اور وہ اکیلی وہیں رہی. میں نے اس ٹکڑے کو اس کے سامنے رکھ دیا اس نے پھر اٹھانا چاہا. لیکن وہ نہ اٹھا سکی. پھر چلی گئی. اور ان کو ساتھ لے آئی. میں نے وہ ٹکڑا پھر اٹھالیا. وہ ادھر ادھر دیکھ بھال کر واپس چلی گئیں. میں نے کئی دفعہ اسی طرح کیا. آخر یہ ہوا کہ ان چیونٹیوں نے ایک حلقہ باندھا اور اس کو حلقے میں لا کر اس کا ایک ایک عضو الگ کر دیا. میں نے اس حکایت کو جب اپنے استاد سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ دوسری چیونٹیوں نے اس چیونٹی کو اس لئے مار ڈالا کہ اللہ سبحانہ نے ان کی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جھوٹ بُرا ہے اور جھوٹے کو سزا دینی چاہئے. اور وہ چیونٹی ان کے نزدیک جھوٹی ثابت ہوئی تھی.

چیونٹی سب حیوانات سے زیادہ حریص ہے. اسی لئے اس کی حرص ضرب المثل ہے. ذکر ہے کہ جب سلیمانؑ نے معلوم کیا کہ چیونٹی بڑی حریص ہے اور یہ اپنی خوراک کے لئے بہت سا ذخیرہ جمع کر رکھتی ہے. تو انہوں نے ایک چیونٹی کو بلا کر پوچھا کہ ایک چیونٹی سال بھر میں کتنا غلہ کھا سکتی ہے. اس نے کہا

Marfat.com

گیہوں کے تین دانے انہوں نے حکم دیا کہ اس کو ایک شیشے میں بند کر کے تین دانے اس کے ساتھ چھوڑ دو اور شیشے کا منہ بند کر دو۔ اس روز سے لے کر سال تک اُسے بند رکھا۔ سال ختم ہونے پر اسے نکالا۔ تو ڈیڑھ دانہ اس کے پاس موجود پایا۔ اس سے پوچھا تو نے کہا تھا کہ ایک چیونٹی سال بھر میں تین دانے کھا سکتی ہے اور تو نے ڈیڑھ دانہ ہی کھایا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں لیکن میں نے جب آپ کو آدمیوں کے مطالح کے انتظام میں مصروف دیکھا اور اپنی بقیہ عمر پر خیال کیا کہ شاید ایک سال سے زیادہ ہو اس لئے میں نے اپنی خوراک کو آدھا کر دیا اور آدھی اپنے لئے بچا رکھی (ایسا نہ ہو کہ سال ختم ہونے پر کثرت مشاغل کی وجہ سے آپ کو میرا خیال نہ رہے اور میں بھوک سے مر جاؤں) سلیمانؑ اس کی کمال درجہ کی حرص سے نہایت متعجب ہوئے۔ یہ سب باتیں ان کی کمال سوجھ اور دانش پر دلالت کرتی ہیں منجملہ ان کی عجیب باتوں سے ایک یہ بات ہے۔ کہ تمام موسم گرما میں محنت مشقت اٹھایئں اور موسم سردی کے لئے اپنی خوراک کا ذخیرہ جمع کر رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ جانتی ہیں کہ موسم سرما میں خوراک بہت کم ملتی ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے میں دقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور باوجودیکہ چیونٹی ایک کمزور جانور ہے مگر اس کے قوی نہایت مضبوط ہیں۔ یہ اپنے وزن سے کئی گنے زیادہ بوجھ اٹھاتی اور اُسے کھینچ کر اپنے بل میں لے آتی ہے اس کی ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ اگر آدمی کسی بیج کا خشک ٹکڑا لے کر سونگھے تو اس میں کوئی بو معلوم نہ ہو گی۔ مگر جب زمین پر رکھو تو وہاں جھٹ چیونٹی موجود ہو جائے گی۔ اور اگر اُسے اٹھا نہ سکے گی تو جا کر چیونٹیوں کی ایک قطار کو بلا لائے گی۔ جو سب مل کر اُسے اٹھا لیں گی۔ قابل غور ہے کہ اپنے بل کے اندر اس کی بو کو کیسے محسوس کر لیا۔ جھٹ وہاں موجود ہو گئی۔ چیونٹی کی قوت شامہ ایسی تیز ہے کہ اس کے ذریعہ

Marfat.com

دور سے ان چیزوں کو محسوس کر لیتی ہے۔ جن کو اور حیوانات قوت باصرہ یا سامعہ سے محسوس کرتے ہیں۔ جہاں آدمی کھانا کھاتے اور وہاں کھانے کے گرے گرائے کچھ ٹکڑے رہ جائیں تو ان کی بو محسوس کر کے دور دراز جگہ سے آ جاتی اور ان کو اٹھا کر لے جاتی ہے اور اگر وہ ٹکڑے بڑے بڑے ہوں اور انہیں اٹھا نہ سکے تو بل جا کر اپنی ساتھ کی چیونٹیوں کی ایک جماعت کو بلا لاتی ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے قطار باندھتی ہیں۔ کہ ایک سیاہ تاگا معلوم ہوتا ہے اور ان کو سب مل کر اٹھاتی اور بلوں میں لے جاتی ہیں۔ چیونٹی کی یہ عادت ہے کہ اناج کے بال کو سونگھتی ہے۔ اگر گیہوں کا ہو تو اسے کاٹ پھاڑ کر اٹھا لیجاتی اور اگر جو کا ہو تو اسے چھوڑ دیتی ہے اور چیونٹیوں میں کوئی ایسا حاکم رئیس مقرر نہیں ہوتا جیسا کہ شہد کی مکھیوں کا بادشاہ مقرر ہوتا ہے۔ ہاں ان میں چند ایسی چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ جو بین ڈوری کے طور پر خوراک کی تلاش میں آگے آگے چلتی ہیں۔ اور جب خوراک کا پتہ لگتا ہے تو سب کو خبر کر دیتی ہیں۔ پس جب سب اکٹھی ہ نکلتی ہیں اور ہر ایک چیونٹی دوسری بہنوں کی خیر خواہی اور بہتری میں پوری کوشش کرتی ہے اور جو دانہ دنکا ملے اسے مل جل کر کھاتی ہیں۔ یہ نہیں کہ جسے ملے وہی ہڑپ کر جائے۔ اور ان کی ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ اگر آدمی چاہے کہ کسی چیز شہد وغیرہ کو اس طرح محفوظ رکھے کہ اس میں چیونٹیاں نہ گرنے پائیں۔ اور وہ ایک گڑھا کھود کر اسے پانی سے بھر دے یا ایک بڑا برتن پانی سے لبریز کر کے شہد وغیرہ کے برتن کو اس میں رکھ دے تو چیونٹی اس کے ارد گرد پھرتی ہے جب دیکھتی ہے کہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تو دیوار سے چمٹ کر چھت میں اس چیز کے بالمقابل آ کر اپنے آپ کو نیچے گرا دیتی۔ ہم نے اس بات کا بارہا تجربہ کیا ہے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک لو[illegible] ہے حلقہ گرم کر کے ٹھنڈا کرنے کے

Marfat.com

لئے زمین پر ڈالا۔ اتفاق سے ایک چیونٹی اس کے بیچ آ گئی۔ اور وہ نکلنے کے لئے ہر طرف دوڑی۔ مگر ہر طرف سے آگ کی لپیٹ محسوس ہوئی۔ پس وہ اس حلقے کے عین مرکز میں بیٹھ گئی۔ جو ہر طرف سے محیط یعنی اس حلقہ سے زیادہ دور تھا۔

فصل ہدہد یعنی کھٹ بڑھئی بھی نہایت سمجھدار جانور ہے۔ اسے بہ معلوم ہو جاتا ہے کہ زمین کی تہ میں فلاں جگہ پانی نزدیک اور فلاں جگہ ہے اور اس کام میں جیسی کچھ اس کو بصیرت حاصل ہے اور کسی جانور کو حاصل نہیں۔ منجملہ اس کی سوجھ کی وہ بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔ ہدہد نے سلیمانؑ سے جب انہوں نے اسے غیر حاضر پایا اور یہ کہا کہ جب حاضر ہوگا تو اُسے سزا دی جائے گی۔ تو کیا کہا۔ آتے ہی سلیمانؑ کے دھمکانے سے پہلے جلدی سے اپنا عذر پیش کیا اور اس خوبی عمدگی سے کلام شروع کیا کہ سلیمانؑ خواہ مخواہ اس کے سننے کی طرف متوجہ ہوں اور اسے قبول فرمائیں یعنی یہ کہا کہ مجھ کو ایک ایسا حال معلوم ہوا جو (اب تک) حضور کو معلوم نہیں ہوا۔ نیز اسی جملہ میں یہ مضمون بھی ادا کیا۔ کہ میں ایسی بات کی خبر لایا ہوں جس سے میں پوری طرح سے واقف اور میرا علم اس کے ہر پہلو کو محیط ہے اور اس کے بعد دوسرے جملے میں بیان کیا کہ میں (کوئی معمولی خبر نہیں لایا بلکہ) ایک عظیم الشان خبر لایا ہوں۔ چنانچہ کہا وَ جِئْتُکَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ (اور میں حضور میں (شہر) سبا کی ایک تحقیقی خبر لے کر حاضر ہوا ہوں) اول تو لفظ نبا سے نبا اسی خبر کو کہتے ہیں جو عظیم الشان ہو اور نفوس البشریہ اس کے معلوم کرنے کے مشتاق ہوں۔ دوم لفظ یقین کے ساتھ موصوف کرنے سے یعنی وہ ایک ایسی یقینی خبر ہے جس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔ یہ سب کچھ خدا کے سامنے اس خبر کے بیان کرنے سے پہلے توطیہ

Marfat.com

و تمہید کے طور پر بیان کیا اس طرح کرنے سے مخاطب کا دل خبر کے سننے کی طرف پورا پورا متوجہ اور اس کی معرفت و علم کا از حد مشتاق ہو جاتا ہے یہ ایک طرح کی براعۃ استہلال و خطاب ابتہیج ہے۔ اس کے بعد حقیقت خبر کو اس طرز سے ادا کیا کہ جس میں کئی طرح سے وجوہ تاکید موجود ہیں چنانچہ کہا اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ (میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ وہاں کے لوگوں کی ملکہ ہے) بعد ازیں اس ملکہ کے حالات بیان کئے کہ وہ عظیم الشان بادشاہوں سے ہے چنانچہ اس کے پاس وہ تمام سامان مہیا اور موجود ہیں جو بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس ہوا کرتے ہیں پھر اس کے تخت کے حالات بیان کرنے سے کہ وہ ایک بیش بہا تخت ہے اس کی عظمت شان کو اور بڑھایا اس کے بعد اس امر کو بیان کیا جو سلیمانؑ کے لشکروں کے اس ملک میں جانے اور دعوت توحید کرنے کے بعد (اگر توحید کو قبول نہ کرے) اس سے جہاد کرنے کا باعث ہو چنانچہ کہا وَجَدْتُّھَا وَقَوْمَھَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (میں نے ملکہ اور اس کے لوگوں کو دیکھا کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں) اس جملے سے پہلے حرف عطف کو حذف کرنے اور اس کو مستقل طور پر ذکر کرنے اور ماقبل پر معطوف نہ کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس کا اصل مقصود یہی جملہ ہے۔ اور اس کا ماقبل اس کی تمہید ہے۔ اس کے بعد ان کے اس فعل شنیع کا سبب اور باعث بیان کیا کہ وہ شیطان کے دھوکا میں آ گئے ہیں کہ اس نے ان کے برے کام ان کو مزین اور اچھے کر دکھائے۔ اور صراط مستقیم یعنی عبادت خدا سے ان کو روک دیا ہے۔ اور یہی رکاوٹ ہدایت و عبادت خدا سے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ انہیں مانع ہو گئی ہے اس کے بعد اللہ سبحانہ کے افعال میں سے اس بات کا ذکر کیا۔ کہ وہ آسمان

Marfat.com

د زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے۔ یعنی بارش۔ نباتات۔ معدنیات اور ان کے علاوہ جو کچھ آسمان سے اترتا اور جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ سب وہی نکالتا ہے۔ منجملہ افعال اللہ سبحانہ کے خاص اس فعل کے ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہُدہُد کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کی صفت سے ممتاز کیا ہے۔ کہ اسے وہ پانی جو زمین کے اندر پوشیدہ ہو معلوم ہو جاتا ہے۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اخراج خبء کے ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہُدہُد کا کلام ہے۔ کیونکہ اسے بھی وہ پانی جو زمین کی تہ میں پوشیدہ ہو معلوم ہو جاتا ہے اور یہ اسی اللہ تعالیٰ کے الہام کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ جو آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزیں ظاہر کرتا ہے اس کی قدرت کا کوئی انتہا نہیں اور اس کے علم کا کوئی انداز نہیں۔ اور جو شخص صاحب فراست ہو اور اللہ نے اسے بینائی اور نور بخشا ہو وہ ہر ایک شخص کے چہرے کے آثار۔ طرز۔ گفتگو۔ اور عادات و اطوار سے اس کے علم۔ فن یا صناعت کا پتہ لگا لیتا ہے۔ پس آدمی جو کوئی کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے آثار اس میں ظاہر کر دیتا ہے۔

فصل : کبوتر بھی بڑی سوجھ والا جانور ہے۔ امام شافعی کا مقولہ ہے۔ کہ کبوتر تمام پرندوں سے زیادہ سوجھ والا ہے۔ وہ کبوتر جو قاصدوں کا کام دیتے یعنی چٹھیاں اور خطوط پہنچاتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کی قیمت مملوک اور غلام سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو کام وہ دیتے ہیں۔ وہ نہ تو غلام سے ہو سکتا ہے اور نہ کسی اور جانور سے اس لئے کہ ایسے کبوتر خط لے کر تین ہزار میل کے فاصلے پر چلے جاتے اور پھر اپنے ٹھکانے پر واپس آ جاتے اور رستہ نہیں بھولتے کبوتر سلطنتوں کے ضروری کاروبار اور اہم معاملات کے متعلق خبریں پہنچایا کرتے ہیں جو لوگ کبوتر پالتے ہیں وہ ان کی حفاظت نسل کا نہایت اہتمام کرتے ہیں

Marfat.com

ہیں ان کی رخصتی کے دنوں میں اونکے اپنی مادیوں سے دوسری مادیوں کی طرف اور مادیوں کے دوسرے نروں کی طرف جانے کے وقت نسل کی خرابی اور دوسروں سے حملدار ہونے کے اندیشہ سے نروں اور مادیوں کو الگ الگ کر دیتے ہیں۔ مادہ کی ایسی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ کہ کہیں وہ راستے میں یا اپنے ٹھکانے پر کسی معمولی کبوتر کے ساتھ جفتی کرنے سے خراب نہ ہو جائے۔ اور کبوتر پالنے والے اس بارے میں کبوتریوں کی اس قدر حفاظت کرتے ہیں کہ اس قدر اپنی عورتوں کی بھی حفاظت نہیں کرتے۔ اور ان کو ایسے قواعد اور رستے معلوم ہیں جن کا وہ نہایت خیال رکھتے ہیں۔ جب کسی کبوتر کو دیکھ لیں تو جھٹ اس کا حسب و نسب اور اس کا وطن معلوم کر لیتے ہیں۔ تجربہ کار اور واقفکار کبوتر کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ اس کے خریدنے میں بہت سے دام خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے خطوط اور چٹھیاں پہنچانے کے لئے نروں کو اس وجہ سے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ اسے اپنی مادہ کے سبب اپنے مکان کا زیادہ شوق اور خیال رہتا ہے اور نیز یہ قوت و طاقت میں مادہ سے زیادہ مضبوط اور راستہ پہچاننے میں خوب ماہر ہوتا ہے۔ بعض کبوتر پالنے والے اس کام کے لئے کبوتریوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ نر کو جب سفر میں گئے ہوتے زیادہ عرصہ گذر جاتے تو (غلبہ شہوت کی وجہ سے) مادہ کا نہایت مشتاق ہو جاتا ہے پس کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اسے راستہ میں کوئی مادہ نظر آئی اور یہ صبر نہ کر سکا اور سفر چھوڑ کر وہیں ٹھیر گیا۔ اور اس سے اپنی حاجت پوری کرنے لگا۔

کبوتر کو جس قدر تعلیم دی جائے اور اسے سکھایا جائے اسی قدر اس کی سوجھ بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی نسبت مشہور ہے کہ یہ یمن و برکت والا جانور ہے۔

Marfat.com

اور آدمیوں سے نہایت ملنساری اور محبت کرتا ہے اور آدمیوں کو پیارا لگتا ہے۔
اپنے ٹھکانے سے اسے کمال الفت ہے۔ اپنے مالک سے گو کسی وقت
تکلیف بھی پہنچے مگر اس کا پورا وفادار ہے اور دور دراز مسافتیں طے کر کے اس
کے پاس لوٹ آتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض کبوتروں کو رستے میں کسی نے پکڑ
اور برابر دس سال تک اسے وطن کو لوٹنے کا موقع نہیں ملا مگر وہ اس پر بھی اپنی
وفاداری پر قائم رہا۔ اور جس وقت فرصت اور موقع پایا اپنے مالک کے پاس
واپس آ گیا۔ کبوتر جس وقت اپنی مادہ سے جفتی ہونا چاہتا ہے تو اس سے نہایت
ملاطفت اور حیلے سے کام نکالتا ہے۔ دُم کو پھیلاتا ہے اور پروں کو نیچے چھوڑ
دیتا ہے پھر مادہ کے قریب ہو کر آواز کرنے لگتا اور اس کے سامنے سے آتا اور
اس کے منہ میں چوگا ڈالتا پر جھاڑتا اور سینہ ابھارتا ہے اور اس وقت بجوڈ
ہوتا ہے۔ اس وقت کبوتری اپنے پر و بازو نیچے زمین کی طرف چھوڑ دیتی ہے
اور جب کبوتر اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے تو کبوتری اس پر سوار ہو جاتی ہے
یہ بات کبوتر کے سوا اور کسی حیوان میں نہیں پائی جاتی۔ اور جب کبوتر معلوم کرتا
ہے کہ کبوتری حاملہ ہو گئی ہے تو وہ دو تو جا کر تنکے گھاس اور چھوٹی چھوٹی
لکڑیاں جمع کرتے اور ان سے ایک گھونسلہ بناتے ہیں اور اس کو اس ترتیب
سے تیار کرتے ہیں کہ اس میں کبوتری آسانی سے بیٹھ سکے۔ اور اس کے کنارے
اس خیال سے بلند اور اونچے کر دیتے ہیں کہ اس میں سے انڈے باہر نہ گریں۔
پھر باری باری اس گھونسلے میں بیٹھتے اور اسے پاک و صاف کرتے اور
اس میں اپنے بدن کی حرارت پہنچاتے اور ان میں جدید کیفیت حیوان کی طبع
کے موافق ہویدا کرتے ہیں: تا کہ جب انڈے نکلیں تو ایسی جگہ میں پڑیں،
جو کبوتری کے رحم کے مشابہ ہو اور اس میں گرمی۔ سردی اور نرمی اور سختی ایک

Marfat.com

مناسب مقدار کی ہو۔ پھر جب کبوتری کے انڈے دینے کا وقت آ جاتا ہے تو وہ جلدی سے آکر اس گھونسلے میں انڈے دیتی ہے اور ایسے وقت میں اگر گھونسلے میں پہونچنے سے پہلے بادل کی گرج یا اور کوئی ہولناک آواز اس کے کان میں پہنچ جائے تو حاملہ عورت کی طرح کہ جب اسے گھبراہٹ ہو تو اس کا حمل گر جاتا ہے۔ یہ بھی گھونسلے کے باہر ہی انڈے گرا دیتی ہے۔ جب انڈے دے چکتی ہے تو دونو باری باری انڈے سیتے ہیں جب انڈے سینے کی مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو انڈا پھٹ کر اس سے بچہ نمودار ہوتا ہے یہ دونو ملکر اسے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب باہر نکل آتا ہے۔ تو پہلے اس کے گلے میں اس لئے سانس پھونکتے ہیں کہ اس کا پیوٹا فراخ ہو جائے ان کو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر پیوٹا تنگ ہوگا تو اس میں خوراک نہ سما سکے گی۔ ان کے سانس دینے سے اس کا پیوٹا جو پہلے ملا ہوا اور بند تھا کھل جاتا اور فراخ ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کو معلوم ہے کہ اگرچہ اس کا پیوٹا کسی قدر فراخ ہو گیا ہے۔ لیکن وہ لینی غذا کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے منہ میں پہلے اپنا وہ لعاب ڈالتے ہیں جو غذا کے ساتھ مخلوط اور اس میں اناج کے اجزا ہوں کچھ روز یہی لعاب اس کی خوراک رہتی ہے۔ چند دنوں کے بعد کھیتوں میں سے نہایت ملائم اور نرم دانے اٹھالاتے اور اس کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ اور ملائم اور نرم دانے اس لئے کھلاتے ہیں۔ کہ ان کو معلوم ہے کہ غذا کے ہضم کے لئے قوت درکار ہے۔ اور ابھی اس کا پوٹا اس قدر کمزور ہے کہ قوی غذا ہضم نہیں کر سکتا۔ اور چند روز کے بعد ذرا اقوی اور سخت دانے لاکر اس کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ اسی طرح اس کی قوت کے مطابق بتدریج پانی اور دانے سے چوگا دیتے رہتے ہیں۔ اور وہ ان سے چوگا مانگتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب

Marfat.com

تاکہ کوئی پکڑ کر اُسے روک نہ دے اور پانی پینے کے لیئے بھی ایسے پانی پہ نہیں اترتا جہاں آدمیوں کی آمدورفت ہو۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ جب آدمیوں کو ہوا میں دیکھتا ہے تو معلوم کر لیتا ہے۔ کہ فلاں شخص اس کو پکڑنا چاہتا ہے اور فلاں شخص اس کا مخالف اور دشمن ہے۔ پھر ایسی پھرتی لگاتا ہے کہ اس کے داؤ سے بچ نکلتا ہے۔ اور اس کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب پہلے اڑنے لگتا ہے تو اسے کچھ تمیز نہیں ہوتی۔ اور عقاب۔ گدھ۔ باز۔ چرغ۔ کوّے۔ وغیرہ جانوروں کے پاس جا گذرتا ہے۔ مگر دیکھتے ہی اپنے مخالفین اور دشمنوں کو پہچان لیتا ہے۔ اور شاہین کا دیکھنا تو اس کے لئے ایسا ہے جیسے زہر قاتل۔ اور اس کے دیکھنے سے ایسا دب جاتا ہے جیسے بکری بھیڑیئے اور گدھا شیر کے دیکھنے سے دب جاتا ہے۔ اور اس کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ نر و مادہ بچوں کی پرورش کے کاموں کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں مادہ تو ان کی حفاظت۔ خبرگیری اور کھلانے پلانے کا انتظام کرتی ہے اور نر کے ذمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ باہر سے روزی اور خوراک جمع کر لائے۔ جس طرح آدمیوں میں مرد روزی کماتا اور عیال کے خرچ کا متکفل ہوتا ہے۔ اور عورت بچے جنتی اور ان کو دودھ پلاتی اور ان کی تربیت کرتی ہے۔

جاحظ نے کبوتر کی ایک عجیب حکایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی کے پاس کبوتروں کے دو جوڑے تھے۔ ایک جوڑے کے پر کٹے ہوئے تھے جو اڑ نہیں سکتا تھا۔ اور دوسرا صحیح و سلامت اڑتا پھرتا تھا۔ اور اس کے دو بچے بھی تھے کبوتر کے مالک کا بیان ہے کہ میں نے ان کے رہنے کے لئے بالاخانہ کے اوپر کے حصے میں ایک طاق بنا دیا۔ کہ وہ اس میں آیا جایا اور اپنے بچوں کو چوگا دیا کریں۔ اتفاق سے اچانک بادشاہ نے مجھے قید کر دیا تو مجھے کبوتروں کے اُس

جوڑے کا جس کے پر کٹے ہوئے تھے نہایت فکر پیدا ہوا کہ وہ ضرور مر جائے گا۔ کیونکہ وہ طاق سے باہر نہیں جا سکتا اور اس کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہیں۔ جب میں نے قید سے رہائی پائی۔ تو مجھے ان ہی کی فکر لگ رہی تھی۔ اسی فکر میں میں نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اچھے بھلے ہیں۔ اور دوسرے جوڑے کے بچے بھی جوان ہو گئے ہیں۔ میں اس بات سے نہایت متعجب ہوا۔ تھوڑی دیر ہوئی تو وہ جوڑا جو اڑتا پھرتا تھا آ گیا۔ اور یہ پر کٹا جوڑا اس کے پاس جا کر منہ سے ملا کر اس طرح چوگا مانگنے لگا۔ جس طرح پرندوں کا بچہ باپ سے چوگا مانگتا ہے اور اس نے اس کو چوگا کھلا دیا۔ ان کی یہ سوجھ قابل غور ہے۔ پر کٹے جوڑے نے دیکھا کہ جب بچوں کو بھوک اور پیاس ہوتی ہے تو وہ کس حیلے اور چاپلوسی کے ساتھ اپنے ماں باپ سے چوگا مانگتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ بھی ویسا ہی کرنے لگے اس پر پردار جوڑے کو ان کے حال پر رحم آیا۔ اور اپنے بچوں کی طرح ان کو بھی چوگا دیتے رہے۔ یہ حکایت ویسی ہے جیسے جاحظ وغیرہ نے ایک کتیا کی حکایت بیان کی ہے"۔

جاحظ کہتے ہیں کہ میں ایک اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب بصرے میں سخت طاعون پڑا۔ تو ایک گھر میں ایک بچے کے سوا سب آدمی مر گئے۔ محلے والوں نے یہی سمجھا کہ ان میں سے کوئی آدمی باقی نہیں رہا۔ انہوں نے مکان کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اس کے اندر ایک چھوٹا سا شیر خوار بچہ رہ گیا۔ جس کو لوگوں نے معلوم نہ کیا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ جب کچھ عرصہ گزرا۔ تو کہیں سے اس گھر والوں کا کوئی رشتہ دار آیا۔ اور اس نے مکان کا دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ مکان کے آنگن میں کتیا کے پلوں کے ساتھ ایک بچہ کھیل رہا ہے۔ وہ کتیا جس کے وہ پلے تھے۔ اس گھر والوں نے پال رکھی تھی بچے کے دیکھنے سے اس آدمی کے دل

Marfat.com

میں خوف پیدا ہوا۔ مگر تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ کتیا آگئی۔ بچہ اُسے دیکھ کر گھٹنوں کے بل چلکر جا پہنچا۔ کتیا نے اپنے پستان اس کے منہ میں دیدیئے۔ اس لیے ان سے دودھ چوس لیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ جب بچے کو سخت بھوک لگی۔ اور پلّوں کو دیکھا۔ کہ وہ کتیا کے پستانوں کو چوس رہے ہیں۔ تو وہ بھی گھٹنوں کے بل چل کر اس کے پاس جا پہنچا۔ اس سے کتیا کو اس کے حال پر رحم آیا اور اسے دودھ پلا دیا۔ پھر ہر روز اسی طرح اس کو دودھ پلاتی رہی۔ اور وہ بدستور اس سے مانگتا رہا۔ اور یہ بات بعید نہیں اور نہ اس سے زیادہ عجیب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بچے کو یہ سوجھ دی ہے کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنے انگوٹھے کو چوسنے لگتا ہے۔ اور کچھ دیر اس کو چوستا رہتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوجھ دی ہے کہ وہ دودھ پلائی کے پستان کو منہ میں لیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے اس نے پستانوں کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوتی۔ گویا اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تیرے کھانے پینے کا وہی خزانہ ہے جو پہلے سے تمہیں معلوم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے حیوانات کو اپنے مصالح معاش کے سرانجام میں جو جو سوجھ عطا فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ منجملہ ان کی سوجھ کے یہ بات ہے کہ جو جوان مرغے کو جو دانہ ملے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتا ہے اور جب بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے تو ثابت دانے نگل جاتا ہے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتا۔ چنانچہ مدائنی نے کہا ہے کہ ایاس بن معاویہ نے ایک مرغے کو دیکھا کہ وہ دانے چگ رہا ہے۔ مگر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں کھاتا دیکھ کر کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرغا بوڑھا ہو گیا ہے۔ کیونکہ جوان مرغے کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ دانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے کہ اس کی آواز سن کر اس کے آس پاس مرغیاں جمع ہو جائیں۔ اور یہ ان سے اپنی شہوت پوری کرے اور بوڑھے

Marfat.com

مرغے کی طاقت چونکہ زائل ہو جاتی ہے اس لئے اسے صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے۔ ایاس نے یہ بھی کہا ہے کہ جوان مرغے کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ دانہ اٹھا کر مرغی کو کھلاتا پھر اسے اپنے منہ سے نیچے ڈال دیتا ہے کہ مرغی اسے اٹھالے۔ اور بوڑھا دانے کو یوں کا توں نگل جاتا ہے۔ اور مرغی کے لئے نہیں نہیں ڈالتا۔ ابن الاعرابی نے ذکر کیا ہے۔ کہ ایک سانپ نے ایک چڑیا کے انڈے کھائے۔ وہ چڑیا اس کے سر پر منڈلانے چلانے اور اس سے نزدیک ہونے لگی۔ یہاں تک کہ جب سانپ نے اس کے پکڑنے کے لئے منہ کھولا۔ تو اس نے کانٹا ڈال دیا۔ اس نے اس کے گلے کو پکڑ لیا۔ اور اسی سے وہ مرگیا۔ چنانچہ ابو عمرو شیبانی نے اسی کے متعلق اسدی کے اس شعر کو کہا ہے

اِنْ كُنْتَ اَبْغَضَنِي عَيْلاً وَّ مُصْطَلِهَا فَرُبَّمَا قَتَلَ الْمُكَاءُ ثُعْبَانَا

ترجمہ: اگر تو نے مجھے تنگ دست اور جڑ سے اکھڑا ہوا بے سر و سامان دیکھا ہے تو اس پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ لہٰذا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ چڑیا نے اژدہا کو مار ڈالا ہے۔

مصالح معاش کے متعلق حیوانات کی سوجھ کا بیان ایک بحر بے پایاں ہے جسے جتنا جی چاہے بیان کرتے جاؤ اور یہ ختم نہ ہوگا۔ ان کی سوجھ کی ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ لومڑی کو جب بہت سے پسو لپیٹ جاتے ہیں۔ تو وہ تھوڑی سے اون اپنے منہ میں لے لیتی اور کسی کم گہرے پانی پر جاکر آہستہ آہستہ اس میں نیچے اترنا شروع کرتی ہے۔ اس طرح سے پسو اس کو چھوڑ کر اس اون میں جمع ہو جاتے ہیں پس وہ اس اون کو پانی میں چھوڑ کر آپ باہر نکل آتی ہے۔ اور پسو پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔

لومڑی کی ایک عجیب حکایت یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک بھیڑیے نے اس

Marfat.com

کے بچے کھالئے اور اس بھیڑیے کے بھی چند بچے تھے اور وہاں ایک گڑھا تھا
لومڑی اس میں گھس گئی ۔ اور اس کو نیچے سے ایک ایسی سرنگ لگائی ۔ کہ جس سے
باہر نکل سکے ۔ اس کے بعد بھیڑیے کے پلّو کو مار کر اس کے انتظار میں ایک
کونے میں بیٹھ رہی ۔ جب بھیڑیا آیا ۔ اور اس نے معلوم کر لیا کہ لومڑی ہی نے
اس کے پلّوں کو مار ڈالا ہے ۔ تو یہ اس کے سامنے سے بھاگ نکلی ۔ وہ اس کے
پیچھے دوڑا ۔ یہ اس گڑھے میں کود پڑی اور سرنگ کی راہ سے باہر نکل گئی ۔ بھیڑیا
بھی اس میں کود پڑا ۔ مگر لومڑی کو اس میں نہ پایا اور نہ وہاں سے باہر نکل سکا
گرد نواح کے لوگ آئے اور انہوں نے اسے مار ڈالا ۔

لومڑی کی ایک اور عجیب حکایت بیان کرتے ہیں ۔ کہ ایک آدمی کے پاس
دو مرغیاں تھیں لومڑی کسی جگہ میں چھپ رہی اور موقع پا ان میں سے جھٹ ایک
مرغی پکڑ کر بھاگ گئی ۔ اور دوسری کے پکڑنے کی فکر میں ہوئی اور یہ حیلہ کیا پرندے
کے مشابہ کوئی چیز منہ میں لے کر مرغی والے کو دور سے دکھائی دی ۔ اور اسے یہ
لالچ دیا ۔ کہ وہ پہلی مرغی کو اس سے واپس کر سکے گا ۔ کہ اس چیز کو چھوڑ کر خود بھاگ
گئی ۔ مرغی والے نے سمجھا ۔ کہ میری مرغی کو چھوڑ کر بھاگ گئی ہے ۔ وہ جھٹ اس
کی طرف دوڑا ۔ لومڑی نے دوسرے رستے سے آکر دوسری مرغی بھی پکڑ لی اور
بھاگ گئی ۔

لومڑی کی ایک اور عجیب حکایت مذکور ہے ۔ کہ وہ ایک ایسے جزیرے
میں پہنچی ۔ جس میں بہت سے پرندے تھے تو ان کے پکڑنے کے لئے کئی حیلے
کئے ۔ مگر کامیاب نہ ہوئی ۔ آخر یہ تدبیر کی کہ گھاس کا گٹھا بنایا اور پانی کے بہاؤ
میں اسے چھوڑ دیا کہ وہ پرندوں کے پاس جا گزرے جب وہ گٹھا پرندوں کے
پاس پہنچا ۔ تو پہلے تو پرندے گھبرائے ۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ گھاس کا گٹھا

Marfat.com

ہے۔ تو بے خطر ہو کر اپنے ٹھکانے پر بیٹھ گئے۔ لومڑی نے تین چار مرتبہ اسی طرح کیا۔ یہاں تک کہ جب پرندے خوب سمجھ گئے کہ پانی میں جو چیز ہمارے پاس سے گزرتی ہے وہ گھاس کا گٹھا ہوتا ہے تو لومڑی نے ایک بہت بڑا گٹھا بنایا اور خود اس میں چھپ کر بیٹھ گئی اور تیرتی ہوئی پرندوں تک جا پہنچی۔ پرندوں نے یہی سمجھا کہ یہ گھاس کا گٹھا ہے وہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہوئے۔ لومڑی نے جھپٹ کر ایک پرندے کو پکڑ لیا :۔

اور بھیڑیے کی ایک عجیب حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بھیڑیے نے ایک آدمی پر حملہ کرنا چاہا مگر اس کے پاس تیر کمان دیکھ کر پیچھے ہٹا۔ اور اونٹ کے سر کی ہڈی یعنی کھوپری اپنے منہ میں اٹھا لایا اور اس آدمی کی طرف آگے بڑھا اور وہ آدمی اس پر تیر چلانے لگا۔ مگر وہ جو تیر چلاتا بھیڑیا ڈھال کی طرح اس ہڈی کو آگے کر کے اس سے بچ جاتا۔ یہاں تک کہ اس آدمی کے تیر ختم ہو گئے اور وہ تنگ آگیا۔ اتفاق سے وہاں دوسرا آدمی آنکلا جس نے بھیڑیے کو دھتکارا اور اس کی مدد سے وہ بچ گیا ورنہ بھیڑیا اس کو پھاڑ ڈالتا۔

بندروں کا ایک عجیب قصہ ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں عمرو بن میمون اودی کی روایت سے ذکر کیا ہے عمرو بن میمون کہتے ہیں۔ کہ جاہلیت کے زمانہ میں میں نے دیکھا کہ ایک بندر اور بندریا نے زنا کیا۔ تو چند بندروں نے جمع ہو کر ان دونو کو سنگسار کیا۔ یہاں تک کہ وہ دونو مر گئے۔ دیکھو بندر جیسے جانور تو حدود الہی کو قائم رکھیں اور بنی آدم ان کی پرواہ نہ کرے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے :۔

بیل کی بیوقوفی ایسی مشہور ہے کہ ضرب المثل ہو گئی ہے مگر اس کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ایک شخص گائے کو مانگ لے

Marfat.com

جا رہا تھا۔ کہ وہ اس پر سوار ہو گیا گائے بولی کہ خالق نے مجھے سواری کے نہیں پیدا کیا۔ لوگوں نے آنحضرت سے یہ خبر سن کر کہا۔ سبحان اللہ گائے بھی باتیں کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں اس بات کو مانتا ہوں۔ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ دونو صاحب اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک آدمی بکریاں چرا رہا تھا۔ اچانک بھیڑیے نے اس کی ایک بکری پر حملہ کیا۔ اس نے وہ بکری فوراً بھیڑیے سے چھڑا لی۔ بھیڑیا بولا آج تو اس بکری کو تو نے مجھ سے چھڑا لیا۔ یہ بتلا تو کہ درندوں کی کثرت کے وقت جب ہم ہی ان کے گڈریئے ہوں گے اُن کو کون چھڑائے گا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ۔ بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ میرا ابو بکرؓ اور عمرؓ کا تو اس پر ایمان ہے اور اس وقت یہ دونو صاحب وہاں موجود نہ تھے۔

گدھے کو سب سے زیادہ بیوقوف شمار کرتے ہیں۔ مگر اس کی سوجھ دیکھو۔ کہ اگر آدمی اس کو کئی کوس کے فاصلے سے اندھیری رات میں اپنے گھر کو لے آئے تو وہ اس گھر اور راستے کو پہچان جاتا ہے۔ اور اگر اُسے باہر چھوڑ دیا جائے تو پھر سیدھا گھر کو گھر چلا آتا ہے۔ اور چلانے اور ٹھیرانے کی آواز میں تمیز کرتا ہے۔

چوہوں کی سوجھ دیکھو۔ کہ جب برتن میں سے تیل وغیرہ اوپر سے جہاں تک منہ پہنچتا ہو پی لیتے ہیں اور کم ہو جانے کی وجہ سے وہ نیچے اتر جاتا ہے اور وہاں تک ان کا منہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔ تو کیا کرتے ہیں کہ اپنے موہنوں میں پانی لا کر اس برتن میں ڈال دیتے ہیں۔ کہ تیل اوپر آ جاتے اور

Marfat.com

وہ اسے پی لیں ۔

طبیبوں کا قول ہے کہ حقنے اور پچکاری کا عمل ایک لمبی چونچ والے پرندے کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ اور حکما رنے اس سے اس طرح سیکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ بیٹ نکلنے میں اسے تکلیف محسوس ہوئی۔ تو اس نے دریائے شور کے کنارے پر آکر اپنی چونچ میں پانی لیا۔ اور اس سے حقنہ کیا۔ فوراً بیٹ باہر نکل آئی ۔

لومڑی کی یہ عادت ہے کہ جب بہت بھوکی ہو تو اپنی کھوکھیں پھولا کر جنگل میں مردے کی طرح پڑ رہتی ہے دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ مری پڑی ہے۔ پرندے دیکھ کر اس کے آس پاس آگرتے ہیں یہ پہلے تو کچھ ہلتی جلتی نہیں۔ بلکہ سانس بھی بند کر لیتی ہے مگر جب وہ چونچ مارتے ہیں تو جھپٹ کر پکڑ لیتی اور ان کا کام تمام کر دیتی ہے۔

نیولے اور جنگلی چوہے کو دیکھو کہ جب زہریلے سانپ کھا جاتے ہیں تو اس پر تریاق کے طور پر شاہترہ بوٹی کو کھا لیتے ہیں۔

لومڑی کی سوجھ غضب کی ہے جب جنگلی چوہے کو پکڑتی ہے تو کانٹوں کے سبب پیٹھ کے بل اسے لٹا دیتی ہے مگر وہ سکڑ کر اس طرح ہو جاتا ہے۔ کہ گویا کانٹوں کی ایک گیند رکھی ہے تو لومڑی کیا کرتی ہے کہ اس کے دم سے لے کر اس کے جبڑوں تک اس پر پیشاب کر دیتی ہے۔ پیشاب کے پڑنے سے وہ ٹھٹھر کر پھیل جاتا ہے۔ پس لومڑی اس کا چمڑا اتار کر اسے نوش کر جاتی ہے

بہت سے عقلمندوں نے حیوانات سے کئی باتیں سیکھی ہیں۔ جو معاش اخلاق۔ صنعت حرفت اور جنگ وغیرہ میں کار آمد و مفید ہوں۔ اور ان سے ہوشیاری اور صبر کا سبق حاصل کیا ہے۔ بلکہ حیوانات کی سوجھ اکثر آدمیوں

Marfat.com

کی سوجھ سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (یا تم خیال کرتے ہو کہ ان (کافروں) میں اکثر (بات کو) سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو بس چوپایوں کی طرح کے ہیں بلکہ یہ (ان سے بھی) گئے گذرے ہیں) امام ابو جعفر باقرؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نہ صرف چارپاؤں کے مشابہ قرار دیا ہے بلکہ فرمایا ہے کہ آدمی چوپاؤں سے بھی زیادہ بے سمجھ ہیں۔ درندے جانوروں میں یہ دستور ہے۔ کہ جب مادہ بچہ جنتی ہے تو چیونٹیوں اور کیڑوں مکوڑوں کے ڈر سے کئی روز تک وہ اسے زمین پر نہیں چھوڑتی۔ کیونکہ جب وہ بچہ جنتی ہے تو وہ گوشت کے ٹکڑے کے موافق ہوتا ہے۔ اس لئے چیونٹیوں وغیرہ کے ڈر سے جب تک وہ اچھی طرح چلنے پھرنے نہ لگے وہ اسے اٹھائے پھرتی اور ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتی ہے پس یہ سوجھ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے عطا فرمائی ہے۔ ابن اعرابی نے کہا ہے کہ قریش کے ایک عمر رسیدہ شخص سے کسی پوچھا کہ یہ سوجھ آپ کو کس طرح حاصل ہوئی ہے۔ ایسی سوجھ کی باتیں تو ان لوگوں کو معلوم ہوتی ہیں۔ جو بڑے تجربہ کار اور کاروبار میں مصروف رہے ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اسی اللہ تعالیٰ نے سوجھ بخشی ہے۔ جس نے کبوتری کو یہ بتلایا ہے کہ جب وہ اپنے انڈے سینتی ہے۔ تو ان کو اوپر نیچے الٹ پلٹ کرتی رہتی ہے کہ انڈے کی دونوں طرف کو اس کے بدن کی حرارت کا یکساں اثر پہنچے۔ اور ایسا نہ ہو کہ ایک رخ پر پڑا رہنے اور طبیعت زمین کا اس میں اثر آجانے سے وہ خراب ہو جائے۔

ایک شخص سے کسی نے پوچھا کام پر چھا رہنا اور اس کے سرانجام میں

Marfat.com

گو کیسا ہی دشوار ہو نہایت صبرو استقلال اختیار کرنا آپ نے کس سے سیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ گوبر کے کیڑے سے دیکھو جب وہ دیوار پر چڑھتا ہے تو نیچے گر جاتا ہے۔ مگر ہمت نہیں ہارتا۔ دوبارہ چڑھنے لگتا ہے پھر گر جاتا ہے پھر چڑھتا اور گرتا اور کئی بار اسی طرح کرتا ہے یہاں تک کہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایک اور شخص سے کسی نے پوچھا کہ تمہاری یہ عادت ہے کہ تم ہمیشہ سویرے سویرا اپنے کام کو چلے جاتے ہو یہ عادت تم نے کس سے سیکھی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ پرندوں سے دیکھو کہ وہ علی الصباح خالی پیٹ اپنی خوراک کی تلاش میں نزدیک و دور نکل جاتے ہیں ہمیشہ ان کا یہی دستور ہے وہ نہ اس سے گھبراتے اور نہ یہ خوف کرتے ہیں کہ جو بازمین میں کہیں کسی مخالف کا سامنا نہ ہو۔

کسی اور شخص سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ عادت کیسے حاصل ہوئی ہے کہ پہلے تو آپ نہایت سکون اور وقار سے بیٹھے رہتے اور ایسا معلوم کراتے ہیں۔ کہ گویا آپ میں حس و حرکت ہی نہیں۔ مگر جب کام کا موقع آجاتا ہے تو ایسے اچھلتے ہو جیسے شیر اپنے شکار پر پھلانگ مارتا ہے اور اس طرح اپنے مطلب میں کامیاب ہو جاتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ عادت بلی سے سیکھی ہے دیکھو کہ وہ چوہے کے بل کی طرف تاک لگائے رہتی اور ایسی چپ چاپ بیٹھتی ہے کہ ذرا نہیں ہلتی۔ بلکہ سانس بھی بند کر لیتی اور ایسی معلوم ہوتی ہے کہ مری پڑی ہے۔ اور جب کوئی چوہا نکلتا ہے تو شیر کی طرح کود کر اس پہ جھپٹ پڑتی ہے۔

ایک اور شخص سے کسی نے پوچھا کہ صبر، مضبوطی، بردباری اور تکالیف کو برداشت کرنا یہ باتیں آپ نے کس سے سیکھی ہیں۔ اس نے جواب دیا اونٹ

Marfat.com

سے کر وہ بھاری بھاری بوجھ اٹھاکر چلتا ہے نکان۔ ساربان کی مار پیٹ وغیرہ طرح طرح کی تکالیف سہتا ہے۔ ادھر پیٹھ پہ بوجھ لدا ہے اور ادھر بھوک پیاس۔ تکان اور کئی طرح کی تکلیفیں اس پہ سوار ہیں۔ مگر کیا مجال کہ صبر سے منہ پھیر جائے۔

اور ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ سخاوت۔ مروت اور دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پہ مقدم رکھنا آپ نے کس سے سیکھا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ باتیں میں نے مرغ سے سیکھی ہیں۔ دیکھو کہ جب اُسے کوئی دانہ ملتا ہے۔ اور وہ خود اس کا محتاج بھی ہوتا ہے۔ مگر وہ اُسے نہیں کھاتا۔ بلکہ مرغیوں کو بلاتا اور زور سے ان کو پکارتا ہے۔ اور جب کوئی مرغی آنکلتی ہے تو خوش ہوکر طیب خاطر سے وہ دانہ اس کو کھلا دیتا ہے۔ اور اگر بہت سے دانے اس کے سامنے رکھے جائیں تو اگرچہ کوئی مرغی اس کے پاس موجود نہ ہو مگر ان کو ادھر اُدھر پھیلا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی طبیعت۔ سخاوت۔ اور ایثار کی عادی ہو رہی ہے۔ اکیلے اپنا پیٹ بھرنے کو وہ خست اور خلاف مروت سمجھتا ہے

ایک اور شخص سے کسی نے پوچھا۔ کہ روزی کمانے اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع بہم پہنچانے میں یہ تدابیر آپ نے کس سے سیکھی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تدبیریں اور حیلے میں نے لومڑی سے سیکھے ہیں۔ وہ ایسی ایسی تدبیریں اور حیلے کرتی ہے جو بڑے بڑے عقلمندوں سے نہیں ہو سکتے اور وہ اس قدر حیلے کرتی ہے کہ ان سب کا بیان کرنا دشوار ہے۔

شیر کو اللہ نے یہ سوجھ عطا فرمائی ہے۔ کہ جب اسے اندیشہ ہو کہ کوئی اس کا پیچھا کرے گا۔ تو وہ دم سے اپنے پاؤں کے کھوج کو مٹاتا چلا جاتا ہے اور اُسے یہ بھی سوجھ دی ہے۔ کہ بچے کے پیدا ہونے کے بعد تیسرے روز

Marfat.com

اس کے نتھنوں میں اپنا سانس پہنچاتا ہے۔ جب مادہ اُسے جنتی ہے تو وہ بالکل بے جان سے پلا ہوتا ہے۔ اس کے باپ کے آنے تک مادہ اس کی حفاظت کرتی ہے۔ جب شیر آتا ہے تو وہ اس کے نتھنوں میں سانس پہنچاتا ہے۔ اور شریف اور عمدہ شیروں کا یہ دستور ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے شکار کرکے کھاتے ہیں۔ دوسرے جانور کے مارے ہوئے شکار کو گو کیسے ہی بھوکے ہوں ہرگز نہیں چھوتے۔ شیر کو یہ بھی سوجھ دی ہے کہ اگر کہیں اتفاق سے معمولی شیر اور شیر ببر اکٹھے ہو جائیں۔ تو وہ ببر کی سلامی اتارتا اور اس کے سامنے اپنی اطاعت کا اظہار کرتا ہے۔ اور جب کوئی جانور اس کی نافرمانی کرے تو وہ شیر کو بلا بھیجتا ہے۔ تو وہ اس طرح حاضر ہو جاتا ہے جس طرح کوئی غلام اپنے مالک کے بلانے پر حاضر ہو۔ جب حاضر ہو جاتا ہے۔ تو اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیتا ہے اور اس کے بعد اس کے کانوں میں پیشاب کر دیتا ہے۔ جب درندے جانور اس بات کو دیکھتے ہیں۔ تو وہ سب کے سب اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔

لومڑی کی سوجھ کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب اسے کوئی چوٹ لگے اور بدن میں زخم ہو جائے مرہم کے طور پر ایک گوند کو جو اسے معلوم ہے اپنے زخم پر لگاتی ہے اور ریچھ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ کہ جب اسے کوئی زخم ہو جائے تو ایک بوٹی سے (جو اس کو معلوم ہے اور بوٹیوں کی شناخت کرنے والے سنیاسی اُسے نہیں جانتے) اپنا علاج کرتا اور فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔

اور ہتنی کو اللہ نے یہ سوجھ دی ہے۔ کہ جب اس کی ولادت کا وقت قریب آجاتا ہے۔ تو وہ کسی پانی پر آجاتی اور اس کے اندر بچہ جنتی ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اور حیوانات تو بیٹھ کر بچہ جنتے ہیں اور یہ اس لئے کھڑے

Marfat.com

ہو کر بچہ جنتی ہے۔ کہ اس کے اعضاء کی بناوٹ اور حیوانات کے اعضاء سے جدا ہے پس اس اندیشے سے کہ بچہ زمین پر گرنے سے زخمی نہ ہو ایک مناسب مقدار پانی میں آکر بچہ جنتی ہے جو اس کے لئے نرم بستر اور ملائم فرش کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

اور مکھی کو یہ سوجھ دی ہے کہ جب وہ کسی سیال چیز میں گرتی ہے تو اس پر کے ذریعے سے اپنا بچاؤ کرتی ہے۔ جس میں زہر کا اثر ہے۔

کتے کو یہ سوجھ دی ہے۔ کہ جب وہ ہرنیوں کو دیکھتا ہے۔ تو دیکھتے ہی معلوم کر لیتا ہے کہ کونسی ان میں بیمار اور کونسی تندرست اور کونسے نر اور کونسی مادہ ہیں۔ پھر باوجودیکہ جانتا ہے کہ نر بڑی بڑی پھلانگیں مارتا اور تیز دوڑتا ہے۔ اور مادہ ایسی نہیں دوڑ سکتی۔ مگر مادہ کو چھوڑ کر نر کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اس کا یہ سبب ہے کہ کتے کو معلوم ہے کہ جب نر زور کی ایک دو چوکڑیاں دوڑ چکے گا۔ تو اس کا مثانہ پیشاب سے بھر جائے گا۔ تمام حیوانات میں یہی دستور ہے کہ جب انہیں گھبراہٹ ہو۔ تو ان کا مثانہ پیشاب سے بھر جاتا ہے۔ اور چونکہ نر کھڑے ہوئے بغیر پیشاب نہیں کر سکتا۔ اس لئے پیشاب کی رکاوٹ اسے نہایت تنگ کرتی ہے اور دشمن کے خوف کے مارے کو ٹھیرتا نہیں۔ مگر دوڑنے میں کمزور ہو جاتا ہے اور اس طرح کتا اُسے پکڑ لیتا ہے۔ اور مادہ کے پیشاب کا راستہ چونکہ فراخ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ برابر دوڑتی جاتی اور پیشاب بھی کرتی جاتی ہے۔ اس لئے اس کی رفتار میں کمی نہیں آتی ؛؛

کتے کو یہ بھی سوجھ بخشی ہے کہ جب برف پڑتی ہے تو ایسی جگہ کو تلاش کرتا ہے جہاں برف کے ٹکڑے پگھلے ہوئے اور رقیق ہوں۔ جہاں ایسی جگہ

Marfat.com

دیکھتا ہے تو معلوم کر لیتا ہے کہ اس کے نیچے خرگوش کا بل ہے پس اس برف کو ہٹا کر خرگوش کو پکڑ لیتا ہے۔ یہ نشانی اور علامت اس قیاس سے اس نے ٹھیرائی ہے جہاں خرگوش ہوگا۔ تو اس کے سانس کی حرارت سے برف کے ٹکڑے رقیق اور پگھلے ہوئے ہوں گے۔

بھیڑیے کو یہ سوجھ دی ہے کہ جب وہ سوتا ہے تو ایک آنکھ سے سوتا ہے۔ اور دوسری آنکھ کھلی رکھتا ہے۔ چنانچہ عرب کے شاعر نے اس مضمون کو بیان کیا ہے ؎

یَنَامُ بِاِحْدٰی مُقْلَتَیْہِ وَیَتَّقِیْ
بِاُخْرَی الْمَنَایَا فَھُوَ یَقْظَانُ نَائِمٌ

(ایک آنکھ سے سوتا ہے اور دوسرے کے ذریعے (اسباب) موت سے بچتا ہے تو وہ جاگنے اور سونے دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف ہے)

چڑیا کو یہ سوجھ بخشی ہے کہ جب اس کا بچہ زمین پر گر جاتا ہے۔ تو وہ شور و غل مچاتی ہے اس کی آواز سنکر آس پاس کی سب چڑیاں جمع ہو جاتی اور بچے کے اردگرد اڑنے لگتی ہیں اور اسے اپنے ان افعال سے اڑنا سکھلاتی اور اس کی طبیعت میں قوت۔ ہمت اور جوش پیدا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کے ساتھ اڑنے لگتا ہے۔ ایک شکاری کا قول ہے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا۔ ہے کہ میں نے چڑیا کو دیوار پر بیٹھے دیکھ کر اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا۔ کہ گویا میں اس کی طرف تیر پھینکتا یا پتھر ڈالتا ہوں۔ مگر وہ اس طرح کرنے سے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میں زمین کی طرف جھکا کہ گویا میں اس کے مارنے کے لئے کوئی چیز پکڑتا ہوں مگر وہ ذرا نہ ہلی۔ اور اگر چھوٹے سے سنگریزے یا گٹھلی کو ہاتھ سے چھوا اور اسے اچھی طرح پکڑا ابھی نہیں

Marfat.com

تو جھٹ اڑ گئی۔

کبوتر کو وہ سوجھ بخشی ہے جسکی نسبت پہلے بیان ہو چکا ہے مگر یہاں اتنا اور زیادہ بیان کر دیتے ہیں اگر جب کبوتر کبوتری سے جفتی کرنی چاہتا ہے تو وہ اسے بلاتا ہے۔ مگر وہ کسی قدر اس کے آگے آگے اس لئے بھاگتی ہے کہ جو وصال طلب کے بعد حاصل ہو۔ اس میں پورا لطف اور حظ آتا ہے۔ پھر اس کا کہنا مان جاتی ہے۔ اور دوبارہ پھر اسی طرح کرتی کہ کسی قدر اُسے اپنے آپ سے ہٹاتی ہے تاکہ اس کی طلب اور محبت زیادہ ہو۔ پھر اپنے پروں کو نیچے چھوڑ کر ناز و انداز سے چلتی اور اسے اپنے حسن کے کرشمے، دکھلاتی ہے۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان وہ محبت آمیز باتیں اور بوس و کنار ہوتا ہے جو عموماً کبوتروں کو دیکھنے والوں نے مشاہدہ کیا ہوگا وہ کبوتر جو خطوط اور چٹھیاں لے کر رات کو چلتے ہیں۔ اگر کہیں راستہ بھول جائیں تو سورج کے طلوع۔ غروب۔ ندی۔ نالوں۔ پہاڑوں۔ پانی کے بہاؤ اور ہوا کی رفتار سے راستے کا پتہ لگاتے ہیں۔ اور جب راستہ معلوم ہو جائے۔ تو ہوا کی طرح اڑ کر منزلِ مقصود پر پہونچ جاتے ہیں ؛

ایک قسم کی مکڑی ہے اس کو یہ سوجھ بخشی ہے کہ جب اُسے بھوک لگتی ہے تو زمین سے چمٹ جاتی اور دبک کر اس طرح بیٹھ رہتی ہے کہ مکھیوں کو معلوم ہو کہ اُسے ان کی طرف مطلقاً خیال نہیں۔ مگر جب مکھی پاس آئی تو یہ جھٹ شیر کی طرح اچھلی اور اُسے دبوچ لیا۔ اور مکڑی کو یہ بھی سوجھ دی ہے کہ وہ کس عمدگی سے اپنا جال بنتی۔ اور اس کے اوپر چند ایسے تار لگاتی ہے کہ خود اس کے ساتھ لٹک رہتی اور جب مکھیاں جال میں پھنس جائیں تو یہ نیچے اتر کر ان کو شکار کر لیتی ہے ؛

Marfat.com

ہرنی کو یہ سوجھ دی ہے۔ کہ جب وہ اپنے کھوہ میں بیٹھنے لگتی ہے۔ تو پہلے اُسے دیکھ بھال لیتی ہے کہ کہیں اس میں ایسی چیز نہ ہو جو اس کو یا اس کے بچے کو ایذا دے ::

بلی کو یہ سوجھ دی ہے کہ جب وہ چھت میں چوہے کو دیکھتی ہے۔ تو اپنے سر سے اس طرح اشارہ کرتی ہے کہ گویا وہ واپس جاتی ہے۔ پھر اس طرح اشارہ کرتی ہے۔ کہ گویا لوٹ آتی ہے اس طرح کرنے سے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ چوہا بیہوش ہو کر پھسل جائے۔ اور نیچے گر پڑے۔

اور جنگلی چوہے کو یہ سوجھ دی ہے کہ وہ اپنا بل ندی یا نالے کے کنارے پر ایسی اونچی اور مناسب جگہ بناتا ہے۔ کہ پانی اور چلنے والوں کے کھروں سے محفوظ رہے۔ اور اسے نہایت گہرا کر کے اس کے متعدد گوشوں کی طرف کئی ایک راستے بناتا اور ان راستوں کو مٹی کی نہایت ہلکی تہ سے بند کر دیتا ہے تاکہ اگر کوئی خطرہ پیش آئے۔ تو جس راستے سے چاہے جلدی سے اسے کھول کر باہر نکل جائے۔ اور چونکہ اس کا حافظہ اچھا نہیں ہوتا۔ اس لیے اپنا بل کسی ٹیلے یا چٹان کے پاس بناتا ہے کہ اگر کہیں بھول جائے تو اس نشانی سے اپنے گھر کو ڈھونڈھ لے ::

اور چیتے کو یہ سوجھ دی ہے کہ جب وہ فربہ موٹا ہو جاتا اور فربہی کی وجہ سے اُسے چلنا پھرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ تو کسی غار یا کھوہ میں چھپ کر بیٹھ رہتا اور باہر نہیں نکلتا۔ یہاں تک کہ جب غذا کے نہ کھانے سے وہ فربہی چلی جاتی ہے۔ تب باہر نکلتا ہے ::

اور بارہ سنگھے کو یہ سوجھ دی ہے کہ جب اس کا سینگ ٹوٹ جائے تو وہ چھپ چھپا کر گزارہ کرتا اور زیادہ دوڑ دھوپ نہیں کرتا ہے۔ وہ سمجھتا

Marfat.com

ہے۔ کہ میرا ہتھیار جاتا رہا ہے [illegible] پ اکر دینے سے وہ خوب موٹا تازہ ہوجاتا اور اس کا سینگ برابر ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد دھوپ اور ہوا میں بیٹھنا اور دوڑ دھوپ کی ورزش کو بڑھا دیتا ہے۔ کہ وہ موٹا پن جو دوڑنے سے مانع ہے جاتا رہے اور بدن چست و چالاک ہوجائے کہ ضرورت کے وقت خوب دوڑ سکے ۔

حیوانات کی سوجھ کے متعلق کہاں تک بیان کیا جائے۔ اس باب میں نہایت وسعت ہے اور اس کی نسبت اللہ سبحانہٗ کا یہ قول کافی ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور جتنے حیوانات زمین میں رچلتے پھرتے) ہیں اور جتنے پرندے اپنے دو پروں پر اڑتے پھرتے ہیں یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں۔ لوح محفوظ میں سب لکھے ہوئے موجود ہیں) ہم نے (لکھنے سے کوئی چیز فرو گذاشت نہیں کی پھر (قیامت کے دن سب کے سب) اپنے پروردگار کے حضور میں لا حاضر کئے جائیں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں (ان کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہوتے ہیں۔ خدا جسے چاہے اسے گمراہ کردے اور جسے چاہے اسے راہ راست پہ لگادے)، اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اگر کتے منجملہ مخلوقات الٰہی کے ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان کے مار ڈالنے کا حکم دیتا۔ اس حدیث کا مطلب دو طرح پہ ہوسکتا ہے۔ اول یہ کہ آپ نے ایک ناممکن امر سے خبر دی ہو۔ یعنی کتے ایک

Marfat.com

ایسی مخلوق ہے۔ جو روئے زمین پہ بکثرت موجود ہے۔ اور اس کو بالکل معدوم کر دینا۔ ایک ناممکن امر ہے۔ اور اگر ان کو معدوم کر دینا ممکن ہوتا۔ تو میں ان کے مار ڈالنے کا حکم دیتا۔ پس چونکہ ان کا معدوم کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے میں نے ان کے مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا۔ دوم یہ کہ یہ کلام اس کلام کے مطابق ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر سے فرمایا کہ تو نے ایک چیونٹی کے کاٹنے کے سبب میری ایک ایسی مخلوق کو جلا دیا ہے۔ جو میری تسبیح کیا کرتی تھی۔ یعنی کُتّے بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ جو اس نے کسی حکمت و مصلحت کیلئے بنائی ہے پس اس کو فنا کرنا اللہ تعالیٰ کی اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے جس کے لئے یہ پیدا کی گئی ہے۔ واللہ اعلم آپ نے کیا اور کہا۔ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ کی تفسیر میں بروایت عطا ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ مطلب ہے کہ یہ تمام جانور میری معرفت اور توحید کے قائل اور میری تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (اور جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کر رہی ہیں اور فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ (اے مخاطب) کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہیں کی۔ کہ جتنی مخلوقات آسمان اور زمین میں ہے (سب) اللہ کی تسبیح و تقدیس) کرتے رہتے ہیں اور پرندے (بھی جو) پر پھیلائے (اڑتے پھرتے) ہیں سب کو اپنی (اپنی) نماز اور (اپنی (اپنی) تسبیح (کا طریق معلوم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ

Marfat.com

(اے مخاطب) کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہیں کی جو (مخلوق) آسمان میں ہے اور جو (مخلوق) زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے (سب ہی تو) خدا کے آگے سرنگوں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ (اور جتنی چیزیں ہیں آسمانوں میں اور جتنی زمین میں اور جتنے جاندار سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں) اور یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ (پہاڑ تسبیح و تلاوت میں داؤد کے ساتھ ان کے جابی ہو اور ایسا ہی حکم پرندوں کو بھی دیا) اور وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ (اور اے پیغمبر تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی) اور قَالَتْ نَمْلَۃٌ یّٰاَیُّھَا النَّمْلُ (ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو!) اور عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ (ہم کو خدا کی طرف سے پرندوں تک کی بولی سکھائی گئی ہے) یہ سب اس مطلب پر دلالت کرتے ہیں۔

اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ کی تفسیر میں مجاہد نے کہا ہے کہ یہ مخلوقات کے الگ الگ اقسام ہیں جو تمہاری طرح اپنے اپنے نام سے معروف ہیں۔ زجاج نے کہا ہے کہ تمہاری طرح ان کا بھی حشر و نشر ہوگا۔ ابن قتیبہ کا قول ہے۔ کہ یہ بھی تمہاری طرح اپنا رزق اور روزی تلاش کرنے اور خطرے کی چیزوں سے بچتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ روئے زمین پر جتنے آدمی ہیں ہر ایک میں بہائم کی کوئی نہ کوئی صفت پائی جاتی ہے۔ بعض تو شیر کی طرح بہادر ہوتے ہیں۔ اور بعض بھیڑیے کی طرح تیز رفتار اور بعض کتے کی طرح بھونکنے اور بعض مور کی طرح ناچنے اور بعضے اس بات میں خنزیر کے

Marfat.com

مشابہ ہوتے ہیں۔ کہ اگر اس کے سامنے اچھا کھانا رکھا جائے تو اس سے نفرت کرتا اور جب آدمی کا پاخانہ دیکھتا ہے تو اسے چاٹنے لگتا ہے۔ بعض آدمی بھی اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ اگر پچاس عمدہ باتیں سنیں، تو ان میں سے ایک بھی ان کے گلے سے نیچے نہ اترے۔ اور نہ کسی کو یاد رکھیں۔ اور اگر کوئی آدمی ایک جھوٹی بات سنا دے۔ تو اس سے ان کا دل ٹھنڈا ہو جائے اور اسے خوب محفوظ رکھیں ؛

خطابی کہتے ہیں کہ سفیان نے اس آیت کے یہ بہت عمدہ معنے کئے اور اس سے یہ عجیب نکتہ نکالا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب کلام کے ظاہری معنے نہ بن سکیں تو ضرور باطنی معنے لئے جاتے ہیں۔ اور یہاں بھی ظاہری معنے صحیح نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان اور پرندوں۔ چارپاؤں وغیرہ کے درمیان مماثلت کو بیان فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اور دوسرے حیوانات کی خلقت اور صورت میں کوئی مماثلت نہیں۔ اور نہ انسان کی صفت نطق اور علم کے لحاظ سے ان میں کوئی مماثلت ہے۔ تو ضرور ہوا کہ عادات و اخلاق میں مماثلت مراد ہو۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی۔ تو اب یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ انسان جن لوگوں کے ساتھ معاشرت اور زندگی بسر کرتا ہے وہ بلحاظ اخلاق چارپاؤں اور درندوں سے مشابہ ہیں۔ تو ان سے ایسا ہی بچکر اور ان سے برکنار رہے جیسا ان سے بچ کر رہتا ہے۔ انتہی کلامہ۔ اللہ سبحانہٗ نے بعض جانور تو ایسے بنائے ہیں جو اپنی خوراک کمانے میں بڑے محنتی اور حیلہ ساز ہیں اور بعض ایسے بنائے ہیں جو متوکل اور حیلوں سے ناواقف ہیں۔ اور بعض حشرات الارض سال بھر کے لیے اپنی خوراک جمع کر رکھتے ہیں اور بعضے جانور اس بات پہ متوکل رہتے ہیں۔ کہ ان کو ہر روز بقدر کفایت

Marfat.com

مقررہ روزی ملجاتی ہے۔ اور بعضے ذخیرہ کر رکھتے ہیں۔ اور بعضے مطلقاً روزی کمانا نہیں جانتے۔ بعضے نر اپنے بچوں کی خبر گیری کرتے اور بعضے ان کو پہچانتے تک نہیں۔ ان میں بعضی اور بھی ایسی ہیں۔ جو اپنی صرف اولاد کی کفالت و تربیت کرتی ہیں۔ اور بعضی ایسی ہیں کہ بچہ جن کر اُسے چھوڑ دیتی اور دوسری کے بچوں کو پالتی ہیں۔ اور بعضی ایسی ہیں کہ جب بچہ خود بخود کھانے پینے لگے۔ تو پھر اُسے شناخت بھی نہیں کرتیں۔ اور بعض ہمیشہ اپنے بچے کو پہچانتی اور اس سے پیار کرتی رہتی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے بعض حیوانات ایسے بنائے ہیں۔ کہ ان میں ماں کے نہ ہونے سے بچے یتیم و بیکس ہو جاتے ہیں۔ اور بعض میں باپ کے نہ ہونے سے اور بعض سرے سے اولاد کے خواہشمند ہی نہیں ہوتے۔ اور بعض اولاد کی طلب میں پورے کوشاں ہوتے ہیں اور بعضے احسان کو پہچاننے اور اس کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ اور بعضے اس بات کو نہیں سمجھتے اور بعضے اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھتے اور ایثار شعار ہوتے ہیں۔ اور بعضے ایسے بھی ہیں۔ کہ جب انہیں اس قدر بھی خوراک مل جائے جو ان کے ساتھ والے تمام ابنائے جنس کو کافی ہو۔ مگر کسی کو پاس نہیں پھٹکنے دیتے۔ اور بعضے اپنی مادہ سے جفتی کرنے کے بڑے خواہاں اور اکثر وہ اس کا [illegible] مصروف رہتے ہیں اور بعضے سال میں صرف ایک دفعہ کرتے ہیں اور بعضے صرف اپنے جوڑے سے جفتی کرتے ہیں اور بعضوں کا کوئی جوڑا نہیں ہوتا وہ ماں بہن خواہ کوئی مادہ ہو اس سے جفت ہو جاتے ہیں۔ بعض مادہ بھی ایسی ہیں جو صرف اپنے جوڑے سے ملتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو چاہے ان سے جفت کرے کسی کو نہیں روکتیں بعضے جانوروں

Marfat.com

کو آدمیوں سے الفت اور پیار ہوتا ہے اور بعضے نہایت نفرت کرے اور ان کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں بعضے جانور پاک چیزیں کھاتے اور بعضوں کی خوراک گندی اور ناپاک چیزیں ہوتی ہیں۔ اور بعضے ملی جلی پاک اور ناپاک سب چیزیں کھا لیتے ہیں۔ بعضے جانور صرف اس شخص کو ایذا دیتے ہیں۔ جو اُن کو ستائے اور بعضے ایسے موذی ہیں کہ خواہ ان کو کوئی نہ ستائے مگر وہ ہر ایک کو ایذا دیتے ہیں اور بعضے ایسے کینہ ور ہوتے ہیں، کہ اگر ان کو ستائے تو اس کو کبھی نہیں بھولتے (اور موقع ملنے پر اپنا ارمان نکال لیتے ہیں) اور بعضے بھول جاتے ہیں۔ اور بعضے نہایت بردبار ہوتے ہیں کہ اُن کو غصہ نہیں آتا۔ اور بعضے نہایت غضہ ناک ہوتے ہیں۔ اگر بگڑ جائیں تو بہت مشکل سے راضی ہوتے ہیں۔ اور بعضوں کو کئی ایسی دقیق امور کا علم و معرفت حاصل ہے جن سے اکثر انسان بھی بے خبر ہیں۔ اور بعض کو ایسی باتوں کی کوئی خبر نہیں اور بعضے بُرا کام قبیح سمجھتے اور اس سے متنفر رہتے ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک اچھا اور بُرا یکساں ہے۔ بعضے سکھانے سے جلدی سیکھ جاتے اور بعضے دیر سے سیکھتے ہیں۔ اور بعض بالکل نہیں سیکھتے۔

یہ سب باتیں اللہ خالق سبحانہٗ کی ہستی۔ اس کی صنعت کی درستی اور اس کی عجیب تدبیر اور لطیف حکمت کی بڑی بھاری دلیلیں ہیں۔ اللہ سبحانہٗ نے ان میں وہ عجائب علوم۔ دقیق حیلے۔ عمدہ تدبیریں سوجھائے اور ان کے ارادوں میں وہ استقلال ودیعت رکھا ہے۔ جن کے معلوم کرنے سے بے ساختہ زبان سے اللہ کی تسبیح نکلتی ہے اور اس کی معرفت۔ اور حکمت و قدرت کے علم سے دل بھر جاتے ہیں۔ اور اس سے ہر ایک عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ چیز بیفائدہ اور بیکار نہیں بنائی گئیں۔ اللہ سبحانہٗ کی ہر مخلوق

Marfat.com

میں ظاہر حکمت۔ کھلم کھلی نشانی اور قطعی دلیل موجود ہے۔ کہ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور وہی اکیلا تمام کمالات کے ساتھ موصوف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر اور ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے ؟

فصل۔ اب ہم اپنے اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی اس ہدایت عامہ کو بیان کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت۔ خالقیت کی طرح اس کی ہستی۔ اسماء و صفات اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی کلام پاک میں فرعون کے قول کو نقل فرمایا ہے کہ اس نے یوں کہا فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى (موسیٰ! تم دونو بھائیوں کا پروردگار کون ہے؟ (موسیٰ علیہ السلام کا جواب) قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (موسیٰ نے کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی خاص طرح کی) بناوٹ عطاء فرمائی ہے۔ پھر اس کو (ان اغراض خاص کے پورا کرنے کی) راہ دکھائی (جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے) مجاہد نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو وہ خلقت دی ہے جو دوسری کو نہیں دی مثلاً جو خلقت انسان کو عطا فرمائی ہے وہ چار پایوں کو نہیں دی ہے جو چار پایوں کو بخشی ہے وہ انسان کو نہیں دی۔ اکثر مفسرین کے اقوال کا خلاصہ یہی ہے۔ عطیہ اور مقاتل کا قول ہے کہ ہر ایک چیز کو اس کی صورت عطا فرمائی حسنؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ ہر ایک چیز کو اس کی بہتری کے سامان دیئے۔ یعنی اسے وہ خلقت اور صورت بخشی جو اس کام کے لئے مناسب و موزون ہو جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہے۔ پھر اسے وہ باتیں سوجھائیں۔ جن کے لئے اس کی خلقت ہے اور کھانے۔ پینے۔ مجامعت اور جفتی کرنے اور زندگی بسر کرنے کے لئے تمام کاروبار کے مصالح اور حال رہنے بتلا دیئے

Marfat.com

یہی قول صحیح ہے اور جمہور مفسرین اسی کے قائل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول کے موافق ہے۔ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی (اور جس نے ہر ایک چیز کی غرض و غایت کا) اندازہ کیا اور اس کو اسی رستہ لگا دیا) کلبی اور سدی کا قول ہے۔ کہ مرد کو عورت اور اونٹ کو اونٹنی عطا فرمائی اور اسی طرح اور حیوانات کے نر و مادہ کو جفت بنایا۔ سدی کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ ہر ایک نر کو اس کی ہم جنس مادہ عطا فرمائی پھر اسے اس سے جفت ہونے کی تدبیر سوجھائی۔ ابن قتیبہ اور فراء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے فراء نے کہا کہ مرد کو اس کی ہم جنس عورت اور بکرے کو بکری اور بیل کو گائے عطا فرمائی پھر ہر ایک نر کو یہ بات سوجھائی۔ کہ وہ اپنی مادہ سے کس طور جفتی کرے۔

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ یہ تفسیر صحیح اور درست ہے کیونکہ ہم حیوانات میں دیکھتے ہیں۔ کہ ہر ایک نر (بدوں اس کے کہ اس نے پہلے کسی اور نر کو اپنی مادہ سے جفتی کرتے دیکھا ہو) اپنی مادہ سے جفتی کرنے لگتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی۔ اور ان سے یہ سوجھ بخشی ہے۔ پہلا قول اس معنی کو بھی شامل ہے یعنی جب اس کو سب مصالح سوجھا دیئے تو یہ بات بھی اس کے ضمن میں آ گئی۔ میں کہتا ہوں کہ اسی قول کے اختیار کرنے والوں نے آیت کے معنی کو بگاڑ دیا ہے آیت کا مضمون ان کے بیان سے نہایت بالاتر ہے۔ ان کے بیان کو اس سے کوئی نسبت نہیں اور لفظ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ معنی ٹھیک نہیں۔ لفظ کل شیٔ کو خاص کر حیوانات کے نر و مادہ پر محمول کرنا درست نہیں۔ اور اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اس لفظ سے جن۔ ملائکہ اور وہ انسان جنہوں نے تمام عمر عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور وہ حیوانات جو کبھی اپنی مادہ سے جفت نہیں

Marfat.com

ہوئے کیسے خارج ہو سکتے ہیں اور نہ نر کے اس فعل یعنی جفتی کرنے کو خلق کہنا صحیح ہو سکتا ہے۔ اور نہ قرآن کریم میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے بلکہ اللہ سبحانہٗ نے اس مضمون کو ایک اور مقام میں نہایت صریح اور صاف لفظوں میں اس طرح بیان فرمایا ہے وَاَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی۔ وہی خدا دو قسم کے جاندار نر و مادہ پیدا کر دیتا ہے) پس اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ، خَلْقَہٗ کے معنی میں غور کرنے سے یہ بات بالکل صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کو ان معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ کے ضحاک نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ ہاتھوں کو پکڑنے۔ پاؤں کو چلنے۔ زبان کو بولنے۔ آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سننے کی قوت اور طاقت بخشی یعنی ہر ایک عضو میں اس کام کی قوت رکھدی جس کے لیے وہ مخلوق ہوا۔ اس صورت میں لفظ خلق بمعنی مخلوق ہوگا۔ اور یہ معنی اگرچہ بجائے خود صحیح ہیں۔ لیکن آیت کا مضمون ان سے عام ہے جو اور چیزوں کو بھی شامل ہے اور پہلا ہی قول صحیح ہے یعنی یہ کہ اللہ سبحانہٗ نے ہر ایک چیز کو ایک خاص خلقت بخشی۔ پھر جس کام کے لیے اسے پیدا کیا اس کی سوجھ عطا فرمائی۔ وہی خالق اور وہی ہادی ہے۔ اور اس کی یہ دونوں صفتیں یعنی خالق اور ہادی ہونا اس کی ربوبیت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے ان کو ذکر کر کے اللہ سبحانہٗ کی ربوبیت و توحید پر استدلال قائم کیا۔ جب فرعون نے سمجھا کہ وہ اس قطعی دلیل کو کسی طرح توڑ نہیں سکتا۔ تو اس کے جواب کو چھوڑ کر ایک اور فضول سوال پیش کر دیا یعنی کہنے لگا۔ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (پھر پہلے لوگوں کا کیا حال گذرا) یعنی اس کا کیا سبب ہے کہ پہلے بھی بہت سے لوگ تمہارے خدا

Marfat.com

کی ربوبیت کے قائل نہیں ہوئے۔ اور اس کی پرستش چھوڑ کر بت پرستی کر تے رہے ہیں اگر تمہاری بات ٹھیک ہوتی۔ تو پہلے لوگ بھی ضرور اس کے قائل ہوتے اور اُسے کبھی نہ چھوڑتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو اُن آثار ربوبیت سے اس کے سامنے استدلال پیش کیا جس کو وہ خود اور دوسرے تمام آدمی مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اور اس دشمن خدا نے کافروں کے کفر اور مشرکین کی شرک کو پیش کر کے ان سے معارضہ کیا ہر ایک جھوٹے کا یہی شیوہ ہے اور فرعون کے ہم خیال لوگوں نے حق و باطل کی تمیز و شناخت کی یہی میزان ٹھیرا رکھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نصوص کا زنادقہ۔ ملحدین۔ فلاسفہ۔ دہریہ۔ جادوگروں۔ مبتدعین اور گمراہ لوگوں کے اقوال سے مقابلہ کرتے (اور پھر ان کو اُن کے نصوص پر ترجیح دیتے) ہیں موسیٰ علیہ السلام نے اس کے باطل معارضہ کا کس خوبی سے جواب دیا۔ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتَابٍ۔ ان کا علم میرے پروردگار کے یہاں کتاب میں لکھا ہوا موجود ہے) یعنی گذشتہ لوگوں کے اعمال اور ان کا کفر و شرک میرے پروردگار کو سب معلوم ہے اس کتاب یعنی کتاب میں لکھ رکھا ہے اور اس لئے نہیں لکھ رکھا کہ وہ بھول جاتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ان کو قیامت کے دن اس کی سزا و بدلہ دے گا۔ اس معنی کے بنا پر کتاب سے نامہ اعمال مراد ہوگا۔ اور کلبی کہتے ہیں۔ کہ کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے اور اس بناء پر اعمال وغیرہ کے لکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ سبحانہ نے تقدیر سابق میں سب کچھ لکھ دیا۔ اور ان کے اعمال کے وقوع سے پہلے وہ ان سب امور کو جانتا ہے:

فصل - اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں اکثر جگہ خلق اور ہدایت کو

Marfat.com

اکٹھا ذکر فرمایا ہے چنانچہ اس سورت میں جو سب سے پہلے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے فرمایا ہے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (اے پیغمبر قرآن جو تم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوگا اس کو اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ چلو جس نے (مخلوقات کو پیدا کیا (جس نے) آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا (قرآن) پڑھ چلو اور (خدا پہ بھروسہ رکھو کہ) تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے (آدمی کو) قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ اس لئے (وحی کے ذریعے سے بھی انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں) ::

اور سورہ الرحمٰن میں فرمایا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (خدائے رحمٰن ہی نے قرآن پڑھایا اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو بولنا سکھایا)

اور نیز فرمایا اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (کیا ہم نے اس کو (ایک جوڑ دو) آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے (بیشک دیئے) اور اس کو (نیکی اور بدی کے) دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔ پھر ابھی وہ ان نعمتوں کے شکر میں گھاٹی سے ہو کر نہ نکلا) ::

وقال تعالٰی اِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (ہم نے آدمی کو مرکب نطفہ سے پیدا کیا اور غرض یہ تھی) کہ اس (کی نیکی بدی) کو آزمائیں۔ پھر اسی لئے ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (مخلوق) بنایا۔ (پھر ہم نے)

Marfat.com

اس کو (دین کا) رستہ (بھی) دکھایا (پھر اب دو قسم کے آدمی ہیں) یا تو شکر گذار ہیں یعنی مسلمان یا ناشکر یعنی کافر)۔

وقال تعالےٰ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ الآیات (بھلا آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا اور آسمان سے تم لوگوں کے لئے (کس نے) پانی برسایا (ہم ہی نے برسایا) پھر پانی کے ذریعے سے ہم (ہی) نے خوشنما باغ اگائے آخر آیات تک۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (بھلا کون رہے جو) تم لوگوں کو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے)۔

خلق سے وجود خارجی اور ہدایت سے وجود علمی۔ ذہنی عطا فرمانا مراد ہے۔ خلق اور ہدایت و تعلیم کا یہی مطلب ہے۔

فصل۔ مراتب ہدایت میں سے دوسرے مرتبہ یعنی ہدایت ارشاد و تعلیم کا بیان یہ ہدایت خاص مکلفین یعنی جن و انس کے لئے ہے اور یہ اگرچہ ہدایت پانے اور حق کی پیروی کرنے کی شرط یا جزو سبب ہے مگر اس بات کو مستلزم نہیں کہ جن کو ہدایت کی جائے ان کو ضرور توفیق خیر حاصل ہو۔ اور وہ حق کے متبع ہو جائیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے۔ کہ جن لوگوں کے سامنے بیان و اظہار حق کیا گیا وہ اتباع حق سے باز رہے۔ اور اس کی دو وجہ ہیں یا تو اظہار حق میں کچھ کمی ہو یا وہاں کوئی اور مانع موجود ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو رسیدھا رستہ دکھایا تھا مگر انہوں نے سیدھا رستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی)۔

Marfat.com

اور مقام میں فرمایا ہے وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے پیچھے گمراہ کردے تاوقتیکہ ان کو وہ چیزیں نہ بتادے جن سے وہ بچتے رہیں) ۔

یعنی اللہ تعالے نے پہلے ان پر اپنے احکام ظاہر فرمادیئے اور نیک وبد سب کچھ جتلا دیا مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور راہ راست پر نہ آئے اس لئے انہیں یہ سزا دی کہ ان کو راہ حق سے دور ڈال دیا۔ کیونکہ وہ پہلے دیدہ دانستہ حق سے منکر ہو گئے۔ اور ہر ایک قوم میں عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب اللہ تعالے ان کو کوئی نعمت عطا فرمائے اور وہ اس کی قدرشناسی نہ کریں تو اللہ تعالے وہ نعمت جو ان کے نصیب حصے میں تھی ان سے سلب کر لیتا ہے ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (یہ سزا ان لوگوں کو) اس وجہ سے (دی گئی) کہ جو نعمت خدا نے کسی قوم کو دی ہو جبتک وہ لوگ آپ ہی اپنی صلاحیت کو نہ بدلیں خدا (کی عادت) نہیں کہ اس میں کچھ ردوبدل کرے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرعون کی قوم کی نسبت فرمایا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور باوجودیکہ ان کے دل ان (معجزوں) کا یقین کر چکے تھے (مگر) انہوں نے ہیکڑی اور شیخی کے مارے ان کو نہ مانا) یعنی اللہ کی آیات کی صحت کا یقین ہونے کے بعد ان سے منکر ہو گئے ۔

Marfat.com

ایک اور مقام میں فرمایا ہے کَیۡفَ یَہۡدِی اللّٰہُ قَوۡمًا کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ وَ شَہِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّ جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ (خدا ایسے لوگوں کو ہدایت دینے لگا جو (توراۃ کی پیشین گوئیوں سے پیغمبر آخرالزمان پر) ایمان لانے پیچھے لگے کفر کرنے اور وہ اقرار کرچکے تھے کہ پیغمبر (آخرالزمان کا آنا) برحق ہے اور ان کے پاس (اس کے کھلے ثبوت بھی آچکے اور اللہ (ایسے) ہٹ دھرم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ؛

اور یہی ہدایت یعنی ارشاد و تعلیم رسولوں کا کام ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے وَ اِنَّکَ لَتَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (اور (اے پیغمبر) اس میں شک نہیں کہ تم (تو لوگوں کو) سیدھا ہی رستہ دکھاتے ہو) ؛

اپنے رسول کی نسبت فرمایا ہے اور اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ (اے پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق) تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے) میں اس ہدایت کی نفی فرمائی ہے جو مستلزم توفیق ہو۔ یعنی اس سے ہدایت یا ناضروری ہو۔ اور اسی لئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف مبلّغ (پیغام رساں) اور داعی (حق کی طرف بلانیوالا) بناکر بھیجا ہے۔ ہدایت کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اور شیطان کو گمراہ کرنے اور لوگوں کی نظروں میں بُرے کام اچھے کر دکھانے کے لئے مقرر کیا ہے ورنہ گمراہی کچھ اس کے ہاتھ میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر (یعنی بہشت) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے)

Marfat.com

اس آیت میں اللہ سبحانہ نے ہدایت عامہ و خاصہ دونو کو جمع فرمایا ہے ہدایت عامہ سے انس و جن پر اپنی حجت کو قائم اور اپنے عدل کو ظاہر فرمایا اور ہدایت خاصہ سے اپنے خاص بندوں پر نعمت و فضل کا مینہ برسایا۔ اور ہدایت کا یہ دوسرا مرتبہ اس مرتبے سے خاص ہے جو کہ اس فصل سے پہلے متعدد فصول میں بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ ہدایت مکلفین کے ساتھ خاص اور مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اس حجت کے قائم کرنے سے پہلے وہ کسی کو عذاب نہیں فرماتا چنانچہ فرمایا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں کسی کو اس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے)

اور نیز فرمایا ہے رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (دریہ سب) پیغمبر (نیکوں کو جنت کی) خوشخبری دینے والے اور (بدوں کو عذاب خدا سے) ڈرانے والے (تھے) تاکہ پیغمبروں کے (آئے) پیچھے لوگوں کو خدا پر (کسی طرح کا) حجت (اور الزام) (رکھنے کا موقع باقی) نہ رہے)

وقال تعالیٰ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (کہیں ایسا نہ ہو کہ (آخر کار تم میں سے) کوئی کہنے لگے کہ ائے افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے پاس خدا (ملحوظ رکھنے) میں کی اور میں تو ان باتوں پر) ہنستا ہی رہا۔ یا لگے کہنے کہ اگر خدا مجھ کو (نیک) ہدایت دیتا تو میں (بھی) پرہیزگاروں میں سے ہوتا)

وقال تعالیٰ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ

Marfat.com

قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ (جب جب اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو جو (فرشتے) اس پر تعینات ہیں ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس (عذاب خدا سے) ڈرانیوالا (کوئی پیغمبر) نہیں آیا۔ وہ کہیں گے ہاں ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے (اس کو جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے تو (کتاب وغیرہ) کوئی چیز اتاری نہیں بلاشبہ تم (اور تمہارے پیرو سب کے سب) بڑے غلطی میں ہو)۔

اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ اللہ تعالےٰ کی حجت مخلوق پر کیسے قائم ہو سکتی حالانکہ خود اسی نے ان کو ہدایت سے باز رکھا اور ان کے اور ہدایت کے درمیان حائل (آڑ) ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت مخلوق پر اس لئے قائم ہو گئی۔ کہ اس نے ان کے اور ہدایت یعنی انبیاء علیہم السلام کے ارشاد بیانِ حق اور راہ نمائی کے درمیان سے سب مانع اٹھا دیئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے راہِ حق و صواب کو گویا آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور ہدایت کے ظاہری اور باطنی سب اسباب ان کے لئے مہیا کر دیئے۔ اور ان کے اور ان اسباب کے درمیان کسی قسم کی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رکھی۔ البتہ جن لوگوں کو کسی قسم کی رکاوٹ پیش آئی۔ مثلاً کسی کو پوری طرح عقل نہیں ملی۔ مجنون اور دیوانہ ہو گیا یا کوئی بچپنے میں مر گیا یا کسی شخص نے ایسی جگہ زندگی بسر کی جہاں انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور منادی نہیں پہنچی۔ تو ان کو ان پر حجت قائم کرنے سے پہلے عذاب نہ فرمائے گا۔ غرض اللہ تعالیٰ مخلوق کو ہدایت پانے سے مانع اور حائل نہیں ہوا۔ ہاں ان سے اپنی توفیق و اعانت کو ہٹا رکھا اور ان کے دلوں کو ہدایت کی طرف مائل نہ فرمایا۔ سو

Marfat.com

وہ مخلوق اور اس بات کے درمیان جو ان کی قدرت میں ہے حائل نہیں ہوا گو ان کے اور اس چیز کے درمیان جو ان کی قدرت سے باہر ہے یعنی اپنے فعل مشیت اور توفیق کے درمیان حائل ہوگیا۔ سو یہ نو ان کی قدرت ہی میں نہیں اور اللہ نے ابھی کو ان سے ہٹا رکھا۔ اور ان کے درمیان اور اس نعمت کے درمیان حائل ہوگیا۔ اس مقام میں غور کرنا اور اس تحقیق کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے۔ واللہ المستعان ؛

فصل۔ ہدایت کے مراتب میں سے تیسرے مرتبہ کے بیان میں یہ ہدایت بمعنی توفیق و الہام اور ہدایت پانے والے کے دل میں ایسی مشیت و ارادہ پیدا کرنے کی ہے۔ جس سے وہ افعال خیر کو ضرور کرنے لگے۔ اور یہ مرتبہ مذکورہ بالا مرتبہ ہدایت سے خاص ہے اور قدریہ اسی کے انکار سے گمراہ ہوئے۔ اور سلف صالحین اہل سنت ہر زمانے میں ان کی تردید پر کمربستہ رہے۔ اور جبریہ نے ان کے برخلاف یہ کج روی اختیار کی۔ کہ وہ اسباب۔ قوی۔ بندے کے فعل۔ قدرت اور فعل میں اس کے اثر کے بالکل منکر ہو گئے۔ اور گمراہی میں چار قدم آگے بڑھ گئے۔ جھوٹے لوگوں کا یہی دستور ہے۔ کہ جب کسی دوسرے جھوٹے کی تردید و مخالفت کرتے ہیں۔ تو اس کے مقابل خود جھوٹی اور باطل باتیں گھڑ لیتے ہیں جیسے کوئی نصرانی یہودی کی تردید کرے اور اُسے تثلیث صلیب پرستی۔ اور یہ سکھائے کہ مسیح علیہ السلام مستقل خدا ہیں۔ اللہ کے مخلوق نہیں وغیر ذلک۔ اپنے باطل عقائد بتلائے۔ ہدایت کے اس مرتبے میں دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا فعل یعنی ہدایت کرنا۔ دوسرے بندے کا فعل یعنی ہدایت پانا۔ جو اللہ سبحانہ کے فعل کا اثر ہے پس اللہ تعالیٰ ہدایت کرنے والا اور

Marfat.com

بندہ ہدایت پانیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (جس کو خدا ہدایت دے وہی راہِ راست پر ہے)

چونکہ اثر اسی وقت پایا جاتا ہے جب مؤثر تام موجود ہو لہٰذا اگر اللہ سبحانہٗ کا فعل موجود نہ ہوگا تو بندے کا فعل کا وجود ہرگز ممکن نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ (اے پیغمبر) اگر تم کو ان لوگوں کے راہ راست پر آجانے کا ہوکا ہو تو (اس خیال کو چھوڑ دو کیونکہ) خدا جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم گو اس کے کیسے حریص ہوں۔ یا آپ کے سوا اور کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے اور جیسے اللہ سبحانہٗ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ (جس کو خدا گمراہ کرے تو پھر کوئی بھی اس کو راہ دکھانے والا نہیں ہے)

وقال تعالےٰ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (خدا جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے اسے راہ راست پر لگا دے)

وقال تعالیٰ اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ (تو کیا وہ شخص جس کو اس کا عمل بد (اغوائے شیطانی کی وجہ سے) اچھا کر دکھایا گیا) اور وہ خواہش نفسانی کی پیروی کرکے ، اُس

Marfat.com

کو اچھا سمجھتا ہے (کہیں ایماندار نیکو کار کے برابر ہو سکتا ہے) بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے تو (اے پیغمبر) ان لوگوں (کے حال) پر افسوس کر کر کے (کہیں) تمہاری جان نہ جاتی رہے:

وقال تعالیٰ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (اے پیغمبر) بھلا تم نے اس شخص کے حال بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علم ہونے ساتھ اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں پر اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے تو خدا کے گمراہ کئے پیچھے اس کو کون ہدایت دے (سکتا ہے) کیا تم لوگ غور و فکر کو کام میں نہیں لاتے:

وقال تعالیٰ لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (اے پیغمبر) ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمے نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے):

وقال تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (ہم چاہتے تو ہر شخص کو (ایسی) سوجھ عنایت کرتے (کہ وہ سیدھے رستے پر آجاتا)

وقال تعالیٰ اَفَلَمْ یَایْــٴَـسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا (تو کیا (ابھی) مسلمانوں کو صبر نہیں آیا کہ اگر خدا چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا):

وقال تعالیٰ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ

Marfat.com

لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ (توجس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اُسے راہ راست دکھائے۔ اس کے سینے کو (بقول) اسلام کے لئے کھول دیتا ہے (اور جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے تو اس کے سینے کو تنگ اور بھچا ہوا کر دیتا ہے گویا اس کو آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے

اور اہل جنت کے قول کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اسی طرح کہینگے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اس (بہشت میں آنے کا راستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم (کسی طرح پر جنت کا رستہ ڈھونڈے نہ پاتے)۔

اہل جنت کے قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور بعض خود ان کے اختیار میں تھی۔ بلکہ سب کی سب ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اگر وہ ہدایت نہ فرماتا۔ تو وہ کبھی ہدایت یاب نہ ہوتے۔

وقال تعالےٰ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ (کیا خدا اپنے بندے (محمدؐ کی حفاظت) کے لئے کافی نہیں اور (اے پیغمبر یہ لوگ) تم کو خدا کے سوا (دوسرے دوسرے معبودوں) سے ڈراتے ہیں اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو خدا ہدایت دے تو کوئی بھی اس کو گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا خدا زبردست اور بدلہ لینے

Marfat.com

والا نہیں ہے)؛

وقال اللہ تعالےٰ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اور جب کبھی ہم نے کوئی پیغمبر بھیجا تو (اس کو) اسی کی قوم کی زبان میں (بات چیت کرتا ہوا) بھیجا تاکہ وہ ان کو (اچھی طرح) سمجھا سکے اس پر بھی خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے)؛

وقال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ (اور ہم ہر ایک امت میں (کوئی نہ کوئی) پیغمبر (اس بات کے سمجھانے کے لیے) بھیجتے رہے ہیں کہ (لوگو) خدا کی عبادت کرو اور (شیطان) سرکش (کے اغوا) سے بچتے رہو تو ان میں سے بعض کو تو خدا نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض (کے سر) پر گمراہی سوار ہوئی)؛

وقال اللہ تعالےٰ۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو پکی بات یعنی کلمہ توحید) کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی (ایمان پر) ثابت (قدم) رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (ثابت قدم رکھے گا یعنی سوال و جواب کے وقت ان کو کسی طرح کی لغزش نہ ہوگی) اور اللہ نافرمان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے)؛

Marfat.com

وقال اللہ تعالیٰ: كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (اے پیغمبر! یوں ہی (تو) خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے راہ راست دکھاتا ہے اور تمہارے پروردگار (کی مخلوقات) کے لشکروں کا حال اس کے سوا کوئی نہیں جانتا) ؏

وقال اللہ تعالیٰ: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے۔ لیکن اس سے گمراہ کرتا ہے (بھی) ہے (تو) بدکاروں کو) ؏

وقال اللہ تعالیٰ: يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (جو لوگ خدا تعالیٰ کی رضامندی کے طلبگار ہیں۔ ان کو اللہ قرآن کے ذریعے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور ان کو راہ راست دکھاتا ہے)

اور اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ہر روز پانچ نمازوں میں صراط مستقیم کی ہدایت کا اس سے سوال کریں۔ یہ سوال صراط مستقیم کی ہدایت اور اس کی طرف ہدایت دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ جس طرح کہ گمراہی دو قسم یعنی ایک راستے سے دور رہنا بالکل اس کو نہ پہچاننا دوسرا راستہ بھول جانا یعنی اس کی پوری کیفیت سے واقف نہ ہونا۔ اسی طرح ہدایت بھی دو قسم ہے۔ ہمارے استاذ نے کہا ہے چونکہ بندہ ہر حال میں تمام امور میں جن کو کرنا یا جن کو چھوڑنا ہے

Marfat.com

اس ہدایت کا محتاج ہے۔ یعنی ایسے کاموں میں جن کو بغیر ہدایت خداوندی کر گزرا ہے تو بہ کا محتاج اور ایسے امور میں جن کے اصل کی طرف تو اُسے ہدایت ہوئی ہے لیکن انکی تفصیل کی ہدایت سے محروم ہے یا اسے بعض وجہ سے ہدایت حاصل ہوئی۔ اور بعض وجوہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ پورے درجے کی ہدایت کا محتاج ہے تاکہ اس کی ہدایت کمال کو پہنچے۔ اور بعض امور ایسے کہ ان کی نسبت اسے یہ ضرورت ہے کہ ان کے متعلق آئندہ زمانے میں اسے ویسی ہی ہدایت نصیب ہو جیسی گذشتہ زمانے میں نصیب ہوئی تھی۔ اور بعض امور ایسے ہیں کہ جن کی نسبت ابھی تک اس کا کوئی عقیدہ قائم نہ ہوا۔ ان کے متعلق اسے یہ ضرورت ہے کہ ان کی بابت صحیح عقیدے کی طرف ہدایت ہو اور کئی کام ایسے ہیں جو ابھی تک اس نے کئے ہی نہیں ان کے متعلق یہ ضرورت ہے کہ ان کو مطابق ہدایت الہی کرے۔ اس کے سوا ہدایت کی صورتیں ہیں۔ اور بندہ ان کا محتاج ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کر دیا ہے کہ وہ اپنی بہترین حالت یعنی نماز کے اندر ہر روز کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا سوال کرے۔ انتہی کلامہ۔ اور جب تک رستے کی طرف اور رستے کے بیچ ہدایت حاصل نہ ہو۔ آدمی منزل مقصود کو نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ آدمی منزل مقصود کا راستہ جانتا ہو۔ لیکن اس کی پوری کیفیت اور اس بات سے ناواقف ہو کہ اس میں کس طرح اور کس وقت چل سکتا ہے اور وہاں چلنے کے لیے کیا کچھ زاد اور خرچ درکار ہے اور اس میں کیا کیا مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ اسی لئے ابن عباسؓ نے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (ہم نے رو قتاً فو قتاً، تم میں سے ہر ایک (فریق) کے لیے ایک شریعت ٹھیرائی اور طریقہ (خاص) میں

Marfat.com

لفظ شریعت اور منہاج کی تفسیر سبیل اور سنت سے کی ہے ابن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ منہاج یعنی سبیل سے مراد راستہ شریعت یعنی سنت سے اس کا فراز و نشیب اس گلی نکالیف اور اس میں چلنے کی کیفیت اور اوقات مراد ہیں :۔

فصل ۔ اللہ سبحانہ کا یہ بیان فرمانا ۔ کہ اس نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے ۔ اور ان کو حق کے سمجھنے سے بہرہ اور ان کی آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے اندھا کر دیا ہے مذکور مصدر مضمون کا مثبت ہے چنانچہ فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ (اے پیغمبر جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا ان کے حق میں یکساں ہے کہ تم ان کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے والے ہیں نہیں ۔ ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے) لفظ علی سمعہم پر وقف ہے ۔ اس کے بعد فرمایا ہے وَ عَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے) چنانچہ اور مقام میں فرمایا ہے اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ وَ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَ قَلْبِہٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً (اے پیغمبر بھلا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علم ہونے ساتھ اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں پر اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے) وقال اللہ تعالٰی وَ قَوْلِھِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ (اور نیز ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ

Marfat.com

ہیں (اور کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں، بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ (کافروں کے دلوں پر اللہ تعالےٰ اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے۔ وقال تعالےٰ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ (ان لوگوں کے دلوں پر جو عبودیت) سے قدم باہر رکھتے ہیں خدا اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے، وقال تعالےٰ وَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ (اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں تو یہ لوگ (نصیحت کی بات) سنتے ہی نہیں) اللہ سبحانہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے۔ کہ بعض دلوں پر ایسے قفل لگے ہیں جو ان کو ہدایت کے داخل ہونے کے لئے کبھی کھلنے نہیں دیتے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّ شِفَآءٌ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْ اٰذَانِہِمْ وَقْرٌ وَّ ھُوَ عَلَیْہِمْ عَمًی (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے تو یہ (قرآن سرتاپا) ہدایت اور (امراض روحانی یعنی شرک و بد اخلاقی کی) شفا ہے اور جو ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں (کے حق) میں گرانی اور وہ ان کی آنکھوں (کے حق) میں نابینائی ہے) یہ بہرہ اور نابینائی ان کو ہدایت اور شفا پانے سے مانع ہو گئی ہے۔ وقال تعالےٰ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِہِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ وَفِیْٓ اٰذَانِہِمْ وَقْرًا (اور ان کے دلوں پر ہم نے غفلت اور ہٹ دھرمی کے) پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں وقال تعالےٰ وَکَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ (اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو بھلی کر دکھائی گئی تھیں

Marfat.com

اور اس کو راہ راست سے روک دیا گیا تھا) کوفیوں نے لفظ صد کو زبر پر نماس کرکے بضم صاد پڑھا ہے۔ وقال تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ (اور بیشک جو شخص حد سے بڑھا ہوا (اور) جھوٹا خدا اس کو نیک) ہدایت نہیں دیا کرتا) وقال تعالےٰ واللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ (اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہدایت بمعنی بیان وارشاد کو جسے اپنے بندوں پر حجت ٹھیرایا ہے نفی نہیں فرمایا۔

فرقہ قدریہ ان سب آیات کو متشابہ قرار دیتے اور ان کے ایسے معنے گھڑتے ہیں جو بالکل قطعاً غلط اور ارادہ متکلم کے خلاف ہیں۔ بعضے کہتے ہیں۔ ان آیات کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ بندے کو ہدایت یاب یا گمراہ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ پس ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہدایت کرنے اور اضلال کے معنے ہیں کہ بندے کو ہدایت یاب یا گمراہ کے نام سے موسوم کرنا۔ ان آیات کو اس معنی پر معمول کرنا یقیناً صحیح نہیں اور نہ یہ معنی لغت سے ثابت ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی کا نام عالم یا فہیم مقرر کرے تو کیا یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے مسمی کو جانا یا سمجھا ہے ہرگز نہیں۔ اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے قول لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (اے پیغمبر ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمے نہیں۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے) میں کس طرح درست ہو سکتے ہیں قدریہ کے سوا کسی نے اس کے یہ معنے نہیں سمجھے کہ اے محمد صلعم آپکے ذمہ یہ نہیں ہے کہ آپ ان کو مہتدین (ہدایت یافتگان) کے نام سے موسوم کریں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت یاب کے نام سے موسوم کرتا ہے اور نیز اِنَّکَ

Marfat.com

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۔ وَاِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ (اے پیغمبر تم اپنی خواہش کے مطابق جسے چاہو ہدایت نہیں کر سکتے) سے کسی نے یہ معنی نہیں سمجھے کہ آپ جسے چاہیں مہتدی کے نام سے موسوم نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے اس کا نام مہتدی قرار دے اور دعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اور اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي مِنْ عِنْدِكَ وَغَيْرَهٗ ۔ ایسے جملوں کا کسی نے یہ معنی نہیں سمجھا کہ اے اللہ تو مجھے مہتدی کے نام سے موسوم فرما ۔

فرقہ قدریہ نے قرآن کریم پر ایسی ہی دست درازی کی ہے (یعنی ایسے ایسے غلط معنے قرار دیئے ہیں جیسی جہمیہ نے نصوص صفات باری تعالے پر دست درازی کی ہے ۔ کہ انہوں نے ٹیڑھی ٹیڑھی تاویلیں کر کے ان کے معانی بالکل بدل دیئے ۔ اور زنادقہ اور ملحدین کے لئے تاویل تحریف کا دروازہ کھول دیا بس انہوں نے نصوص معاد کے وہ معنے گھڑے جو ان کی تاویلات باطلہ سے کچھ کم نہیں ۔ اور ان سے فرقہ قرامطہ اور باطنیہ نے امر و نہی کے نصوص کی تاویل کا سبق سیکھ لیا ۔ ان فرق باطلہ کی من گھڑت تاویلیں بلکہ تحریف نصوص دنیا اور دین کی خرابی اور جہان کی بربادی کی جڑ ہے ۔ فرقہ قدریہ جہمیہ رافضہ کی تاویلات باطلہ اور ملحدین و زنادقہ یعنی قرامطہ و باطنیہ وغیرہ کی تاویلات فاسدہ کے درمیان کچھ بڑا فرق نہیں ۔ تاویل باطل اختیار کرنے والوں کا مطلب ہے کہ کلام الٰہی و حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم بیکار ٹھیریں ۔ اور اللہ و رسول پر یہ افترا باندھتے ہیں ۔ کہ انہوں نے فلاں معنے (جو ان کے زعم باطل میں صحیح ہوں) ارادہ کئے ہیں ۔ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دینے اور اللہ و رسول کی طرف ایسی ایسی واہیات باتیں نسبت کرتے ہیں ۔ جو ان کے شان سے بعید ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ اللہ و رسول نے

Marfat.com

اس مطلب کو مخفی رکھا۔ اس کو صاف طور پر بیان نہیں فرمایا اور ان کی فلاں کلام پہیلی اور چیستان کی طرز پر ہے اور ساتھ ہی یہ جھوٹا دعویٰ کہ فلاں معنی ارادہ کئے ہیں۔ تاویل کرنے والے کو مندرجہ ذیل امور و شرائط کا لحاظ ضروری ہے اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو تاویل درست نہیں۔ اول یہ کہ لفظ اس معنی کا صالح ہو جس کو وہ ارادہ کرنا چاہتا ہے۔ دوم یہ کہ متکلم نے اپنے کلام کے اکثر مواقع میں اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہو۔ گو اس معنی کے سوا دوسرے معنوں میں بھی اس کا استعمال ثابت ہو۔ تاکہ جہاں دونو معنوں کا احتمال ہو۔ متکلم کے استعمال کے قرینے سے ایک معنی کی تعیین ہو سکے۔

سوم یہ کہ تاویل کرنے والا ایسی دلیل قائم کرے کہ لفظ کے ظاہری اور حقیقی معنے چھوڑ کر مجازی معنے ارادہ کرنے کا کیا موجب ہے اور وہ دلیل ایسی ہو کہ کوئی دوسری دلیل اس کی معارض نہ ہو۔ اگر باتیں نہ پائی جائیں تو نصوص کی تاویل کرنا محض زبانی دعوٰی ہے جو قابل سماعت نہیں۔ بعض قدریہ نے ان نصوص کی تاویل کی ہے۔ کہ یہاں ہدایت بمعنے بیان و ارشاد و تعلیم ہے۔ بندے کے دل میں ہدایت پیدا کرنا مراد نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اللہ سبحانہٗ اس بات پر قادر نہیں ہے۔ ان کی یہ تاویل نہایت باطل اور بالکل غلط ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے بتلا دیا ہے کہ اس نے ہدایت عباد کے دو قسم ٹھیرائے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو اس پر قدرت نہیں اور دوسرا قسم بندوں کی قدرت و اختیار میں ہے۔ اور اسی قسم کی نسبت فرمایا ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور پہلے کی نسبت فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ اور نیز فرمایا ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ اور ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے سوا انبیاء علماء وغیرہ

Marfat.com

ہدایت بمعنے بیان وارشاد کرتے رہے۔ اور اس کی نفی ان سے صحیح نہیں معلوم ہوا کہ یہاں ہدایت بمعنے خلق ہدایت ہے جو ان کی قدرت سے باہر ہے اور نیز فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ (کیونکہ خدا جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کو ہدایت نہیں دیا کرتا) کو ہدایت بمعنے دعوت و بیان پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ گمراہوں کو بھی دعوت ارشاد اور راہ صواب کی طرف ہدایت ہوتی ہے گو وہ اسے قبول نہ کریں۔ اور گمراہی میں پھنسے رہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشَاوَۃً فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ (اور علم کے ہونے ساتھ اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے۔ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے تو خدا کے (گمراہ کرنے) پیچھے اس کو کون ہدایت دے (سکتا ہے)) اس معنے پر محمول کرنا صحیح نہیں کہ کون ہے جو ایسے شخص کو اللہ کے بعد ہدایت کی طرف بلائے اور اس کے سامنے وہ احکام ظاہر کرے جن سے اس پر اللہ تعالےٰ حجت قائم ہے۔ تعجب ہے کہ قدریہ ان نصوص کے کیا معنے ٹھیرائینگے جن میں آیا ہے کہ اللہ سبحانہ ہی نے بندوں کو گمراہ کیا ہے کیا یہ معنے کر سکتے ہیں۔ کہ اللہ نے ان کو گمراہی کی طرف بلایا ہے۔ اگر کہیں کہ ان نصوص کے یہ معنے کر سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کو گمراہی کی طرف بلایا ہے۔ اگر کہیں کہ ان نصوص کے یہ معنے ہیں۔ کہ ان کو گمراہی کے ساتھ موصوف پایا ہے اپنے ملائکہ اور انبیاء کو ان کی گمراہی کے آگاہ فرمایا۔ ان کے دلوں پر ایسی علامت و نشانی ٹھیرائی جس سے ملائکہ معلوم کریں کہ فلاں لوگ گمراہ ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معانی بھی ویسے ہی غلط ہیں جیسے ہدایت و اضلال کے معنے ہدایت باب

Marfat.com

اور گمراہ کے نام سے موسوم کرنا تم نے گھڑ لئے تھے۔ یہ چار معنے جو تم نے اپنی طرف سے تراش لئے ہیں ان میں سے ہدایت و ضلالت سے آگاہ کرنا اور گمراہ یا ہدایت یاب کے نام سے موسوم کرنا دونوں ایک ہیں۔ اور ان کا لغت میں کہیں پتہ نہیں۔ اور آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معنے بالکل ان کے خلاف ہیں۔ رہا علامت مقرر کرنا۔ سو یہ بھی کسی لغت اور محاورے سے ثابت نہیں ہوتے۔ محض من گھڑت ہیں۔ اور اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ الآیہ میں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اے رسولؐ آپ جسے چاہیں اسے علامت ہدایت سے موسوم نہیں کر سکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے علامت ہدایت سے موسوم کرتا ہے۔ اور وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔ کے یہ معنے کہ اللہ تعالیٰ جسے علامت گمراہی سے موسوم کرے تو کوئی اس کو علامت ہدایت سے موسوم نہیں کر سکتا۔ ہرگز صحیح نہیں۔ اور وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا کے معنے اگر ہم چاہتے تو ہر جی کو اس ہدایت کی علامت سے موسوم کرتے جس کا وہ خود خالق و موجد ہے کسی طرح درست نہیں۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا یہ معنی کہ اللہ تو ہمیں ایسی علامت سے موسوم کر جس سے فرشتے معلوم کرلیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں۔ لغت کے کس قاعدہ سے درست ہو سکتا ہے اور رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا اے ہمارے ہمارے پروردگار ہم کو راہ راست پر لائے پیچھے ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کرا کے معنے کہ ہمارے دلوں کو اہل زیغ کی علامت سے علامت ناک نہ فرما۔ اور یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ۔ یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِكَ وغیرہ اس قسم کے نصوص کے

Marfat.com

یہ معنے کہ اللہ ثبات اور تصریف علی الطاعۃ کی علامت سے ہمارے دلوں کو نشاندار فرما۔ لغت کے رو سے ہرگز صحیح نہیں اور اسی طرح وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً کے یہ معنے کہ ہم نے اُن کے دلوں کو علامت قسوت کے ساتھ موسوم کیا یا ان کو قاسی القلوب (سخت دل) پایا۔ کسی لغت سے ثابت نہیں ہوتے۔ البتہ اگر قرآن کریم فرقہ قدریہ۔ جہمیہ اور دیگر فرق مبتدعہ کے لغت اور محاورے میں نازل ہوتا۔ تو وہ قرآن کو اپنی خواہش کے مطابق جس معنے پر چاہتے محمول کر سکتے تھے یا اگر حق ان کی اہواء اور خواہشات کے تابع ہوتا اور نصوص قرآن مبتدعین کے بدعات اور گمراہیوں کے آراء کے مطابق ہوتیں تو پھر ان کا استدلال ممکن تھا جتنے گمراہ فرقے ہیں سب کے سب قرآن کو اپنے مذاہب بدعات اور آرا کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ تو گویا قرآن جہمیہ کے نزدیک جہمی۔ معتزلہ کے نزدیک معتزلی قدریہ کے نزدیک قدری۔ رافضہ کے رافضی ہے۔ علی ہذا القیاس جمیع اہل باطل یہی کہتے ہیں۔ کہ قرآن ان کے مذہب کے مطابق نازل ہوا۔ مگر بات یہ ہے کہ ان کو قرآن کریم سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن کے متبع اور پیرو متقین یعنی اہل سنت والجماعۃ ہیں اور ان نصوص کا یہ معنی کہ اللہ نے بندوں کو ہدایت وضلالت سے موصوف پایا۔ یہ بھی لغت کے بالکل خلاف ہے۔ دیکھو هَدَيْتُ الرَّجُلَ کا یہ معنی ہرگز صحیح نہیں۔ کہ میں نے اس کو ہدایت کے ساتھ موصوف پایا۔ اور اسی طرح خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ وَسَمْعِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً کا معنی کہ اللہ نے اس کو ان صفات کے ساتھ موصوف پایا کسی طرح درست نہیں۔ ایسے معنی گھڑ لینے قرآن کریم اور اور لغت پر محض افترا باندھنا ہے۔ اگر قدریہ

Marfat.com

یہ کہیں۔ کہ اس قسم کے مواقع میں ہم اس معنے کے قائل نہیں بلکہ یہ اَضَلَّہُ اللّٰہُ اور اس کے متشابہ فقرات میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کو موصوف بضلالت پایا۔ اور محاورہ عرب میں نظیر موجود ہے۔ چنانچہ جب کسی آدمی کو حمد۔ بخل یا جبن کے ساتھ موصوف پائیں تو بولتے ہیں۔ اَحْمَدْتُ الرَّجُلَ اَبْخَلْتُہٗ اَجْبَنْتُہٗ تو ان محرفین قرآن کو یہ جواب دیا جائے گا۔ کہ اس معنی میں چند معدود الفاظ آئے ہیں ورنہ یہ صیغہ اس معنے کا مفید ہوتا ہے کہ فاعل نے مفعول کے اندر اصل مادہ (یعنی مصدر مجرد) کے معنے پیدا کر دیئے ہیں۔ بالخصوص جب باب افعال کا ہمزہ فعل لازم کو متعدی کرنے کا فائدہ دے تو اس وقت یہی معنی مراد ہوتے ہیں قَامَ وَاَقَمْتُہٗ وہ وہ کھڑا ہوا اور میں نے اسے کھڑا کر دیا قَعَدَ وَاَقْعَدْتُہٗ وہ بیٹھا اور میں نے اسے بٹھا دیا۔ ذَھَبَ وَاَذْھَبْتُہٗ وہ گیا اور میں اس کو لے گیا۔ سَمِعَ وَاَسْمَعْتُہٗ اس نے سنا میں نے اس کو سنا دیا۔ نَامَ وَاَنَمْتُہٗ۔ وہ سویا میں نے اس کو سلا دیا۔ ضَلَّ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ وہ گمراہ ہوا اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا۔ اَسْعَدَہٗ۔ اللہ نے اس کو سعادت مند کیا۔ اَشْقَاہُ اللّٰہُ اللہ نے اس کو بد بخت ٹھہرایا۔ اَعْطَاہُ اللّٰہُ اللہ نے اس کو عطا فرمائی۔ اَخْزَاہُ اللّٰہُ اللہ نے اس کو خوار کیا۔ اَمَاتَہُ اللّٰہُ اللہ نے اسے مار دیا۔ اَحْیَاہُ اللّٰہُ اللہ نے اس کو جلایا۔ اَذَاغَ قَلْبَہٗ۔ اس کے دل کو ٹیڑھا کیا۔ اَقَامَہٗ عَلٰی طَاعَتِہٖ اس کو اپنی اطاعت پر قائم کیا۔ اَیْقَظَہٗ مِنْ غَفْلَتِہٖ اس کو غفلت سے بیدار کیا اَرَاہُ اٰیَاتِہٖ اس کو اپنے آیات دکھلائے۔ اَنْزَلَہٗ مُنْزَلًا مُبَارَکًا۔ اس کو برکت والی جگہ میں اتارا۔ اَسْکَنَہٗ جَنَّتَہٗ اس کو جنت میں بسایا۔ وغیرہ۔ اس قسم کے سینکڑوں الفاظ ہیں جن میں سے ایک بھی اس معنی میں نہیں آیا۔ کہ اللہ نے

Marfat.com

اس کو فلاں صفت کے ساتھ موصوف پایا۔ اللہ تعالیٰ محرفین کے بہتان سے برتر و بالا ہے۔ باوجودیکہ فَعَلَ اَفْعَلَ یعنی فعل ثلاثی مجرد لازم اور اس کا متعدی فعل باب افعال لغت عرب میں کثیر الاستعمال ہے۔ مگر وہ تینوں لفظوں کے سوا اہل لغت سے کسی لفظ کے یہ معنی منقول نہیں ہوئے۔

اس کے علاوہ کسی اہل لغت سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ اَضَلَّهُ اللّٰهُ هَدَاهُ۔ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ۔ اَزَاغَ قَلْبَهُ۔ صَرَّفَهُ عَنْ طَاعَتِهِ (اس کی اپنی طاعت سے پھیر دیا۔ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ کو عرب نے اس معنی کے لئے وضع کیا ہے۔ جس کے یہ محرفین قائل ہیں۔ بلکہ اس معنے کو اللہ تعالیٰ دوسرے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (اور تم کو دیکھا کہ راہ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھرتے اور تم کو دین اسلام کا سیدھا رستہ دکھا دیا) اور اَضَلَّكَ نہیں فرمایا اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین اور قرآن کریم کے منکرین کے حق میں اللہ سبحانہٗ نے فرمایا ہے وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اللہ نے اس کو علم ہونے گمراہ کر دیا) اور وَجَدَهُ اللّٰهُ ضَآلًّا نہیں فرمایا۔ یہ دونوں معنی کو اللہ سبحانہٗ نے جدا جدا الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے پس اَضَلَّهُ اللّٰهُ اور وَجَدَهُ ضَآلًّا کا معنی و مفہوم ایک نہیں۔ اس کے علاوہ اس قول کے بجائے کہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے اور اس کے کارخانے میں کسی کو کچھ دخل نہیں ... اس طرح کہتے ہیں بندوں کے نام رکھنے اور ان کی علامت مقرر کرنے اور ہدایت گمراہی وغیرہ صفات کے ساتھ موصوف پانے ہیں بدوں اس کے کہ اس میں اللہ کی صفت۔ خلق و مشیت کا کوئی تعلق ہو۔ اللہ کا اختیار ہے اس میں کسی کو کچھ دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

کونسی توحید تعریف اور مدح ہے۔ کیا آدمی کسی شخص کو گمراہ یا ہدایت یافتہ نہیں کہہ سکتے۔ یا کسی کو ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں دیکھ سکتے قدریہ اور جبریہ دونو گروہ ان صفات کمال اور نعوت جلال کے ساتھ جن کا اللہ تعالیٰ مستحق و نشایاں ہے اس کی مدح و ثنا نہیں کرتے۔ اور نہ انہوں نے اس کے قدر کو پوری طرح سمجھا ہے متبعین رسول یعنی اہل سنت دونو فریق کی لغو اور بیہودہ باتوں سے بیزار و بر کنار ہیں۔ اور حق بات جہاں ہو اس کے پیرو اور مددگار ہیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور کتاب مجید کو چھوڑ کر زید و عمر کے اقوال دارا کے پیچھے نہیں پڑتے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے ؛

ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز کا تشہد اور ضرورت کے وقت اس طرح خطبہ پڑھنا تعلیم فرمایا۔ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے ہم اسی سے مدد اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگتے اور اپنی جانوں کی برائیوں سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو وہ ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جسے وہ بہکاوے اسے کوئی راستے پر لانیوالا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں) اس کے بعد مندرجہ ذیل تین آیات کا پڑھنا فرمایا ؛

Marfat.com

(۱) اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ الآیہ (اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔)

(۲) اِتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا (اور جس خدا کا واسطہ دے دے کر تم (اپنے) کتنے کام نکالتے ہو۔ اس کا اور رشتوں کا پاس ملحوظ رکھو کیونکہ اللہ تمہارا نگراں حال ہے)۔

(۳) اِتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا الآیہ (اللہ سے ڈرتے رہو اور بات (بھی) کہو (تو راہ کی اور) سیدھی (سچی)

ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤدؒ نے کہا ہے ہم محمد بن کثیر سے بیان کیا۔ کہا ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ انہوں نے خالد خدار سے۔ انہوں نے عبدالاعلی سے انہوں نے عبداللہ بن حارث سے روایت کیا کہ عمرؓ بن خطاب نے جابیہ میں خطبہ پڑھا۔ اللہ کی حمد و ثناء بیان کی جس کے وہ لائق و شایاں ہے۔ ان کے پاس ایک ترجمان موجود تھا۔ جو آپ کے کلام کو وہاں کے لوگوں کی زبان میں ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ جملہ پڑھا مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ۔ تو اس نے اس کا انکار کیا اور (نیز) اس طرح ہاتھ ہلائے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کا منکر ہے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کیا کہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین یہ کہتا ہے کہ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ آپ نے اسے فرمایا۔ اے اللہ کے دشمن تم جھوٹے ہو بلکہ اللہ ہی نے تجھ کو پیدا کیا۔ اور اسی نے تجھ کو گمراہ کیا۔ پھر وہی تم کو دوزخ میں داخل کرے گا خبردار اللہ کی قسم اگر تجھ سے میرا معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کرا دیتا۔ بیشک

Marfat.com

اللہ عزوجل نے اہل جنت واہل دوزخ اور ہر ایک کے اعمال کو پیدا کر کے فرما دیا ہے۔ کہ یہ لوگ جنت میں جائیں گے۔ اور یہ دوزخ میں۔ مگر لوگوں کے مختلف فرقے ہو گئے اور تقدیر کے باب میں اختلاف کرنے لگے:۔

فصل - ہدایت کے مراتب میں سے چوتھے مرتبہ کا بیان۔ یعنی وہ ہدایت اور راہ نمائی جو قیامت میں اہل جنت کو جنت کی طرف اور اہل دوزخ کو دوزخ کی طرف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ (اور ہم فرشتوں کو حکم دیں گے کہ) جو لوگ (دنیا میں) نافرمانیاں کرتے رہے ہیں۔ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اور خدا کے سوا جن (معبدوں) کو پوجتے رہے ہیں ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرو (اور) پھر ان کو دوزخ کے رستے لے چلو؛

وقال تعالیٰ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے۔ ان کے عملوں کو خدا ہرگز رائگاں نہیں ہونے دے بلکہ انہیں (منزل مقصود کو) پہنچا دے گا۔ اور ان کو خوشحال کر دے گا (اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایت مرنے اور شہید ہونے کے بعد حاصل ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی طرف راہ نمائی فرمائے گا۔ اور آخرت میں ان کے اعمال قبول فرمانے اور دشمنوں پر راضی کرنے سے ان کی حالت درست فرمائے گا۔ اور ابن عباس کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن کو نہایت سیدھے اور باصواب کام کی طرف ہدایت فرمائے گا۔ اور دنیا کی زندگی میں ان کو گمراہی وشر سے بچائے گا۔ اس قول پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے۔ جو اس کی راہ میں شہید ہو چکے ہیں۔ کہ وہ عنقریب ان کو

Marfat.com

ہدایت کرے گا۔ زجاج نے ابن عباسؓ کے قول کو اختیار کیا۔ اور کہا ہے کہ معاش اور احکام دنیا میں ان کی حالت درست فرمائے گا۔ مطلب یہ کہ ان کو دنیا و آخرت دونوں کی بہتری نصیب فرمائے گا۔ اب اس قول کی بنا پر قتل فی سبیل اللہ کے (مجاہدہ نفس یا اور کچھ) ایسے معنے لئے جائیں۔ جن کے ساتھ ہدایت کا ثبوت اور اصلاح حال دنیا میں ممکن ہو:۔

Marfat.com

پندرھواں باب

طبع ختم قفل غل سد غشاوہ اور ان چیزوں کے بیان میں جو کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہوتی ہیں اور نیز اس امر کے بیان میں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (اے پیغمبر جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا ان کے حق میں یکساں ہے کہ تم ان کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے)۔

وقال اللہ تعالیٰ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ

Marfat.com

عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (اے پیغمبر) بھلا تو نے اس شخص کے حال پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو اپنا معبود بنا رکھا اور علم ہوتے ہوئے اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے۔ اور اس کے کانوں پر اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے۔ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تو خدا کے (گمراہ کئے) پیچھے کون اس کو ہدایت دے (سکتا ہے) کیا تم لوگ غور (فکر) کو کام میں نہیں لاتے ؟ ؎

وقال اللہ تعالیٰ۔ وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (اور نیز) اس کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں اور کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے ؎

وقال تعالیٰ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (کافروں کے دلوں پر خدا اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے۔

وقال تعالیٰ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں تو یہ لوگ (نصیحت کی بات) سنتے ہی نہیں ؎

وقال تعالیٰ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے (لگے) ہیں ؎

وقال تعالیٰ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ٭ (

Marfat.com

(ان میں سے اکثر پر تو فرمودہ (خدا) پورا ہو چکا ہے۔ تو یہ (کسی طرح) ماننے والے نہیں۔ ہم نے ان کی گردنوں میں (بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں۔ اور وہ ٹھوڑیوں تک پھنسے ہوئے ہیں۔ تو ان کے سر (ایسے) اُلل کر رہ گئے ہیں کہ ان کو رستہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اور ہم نے ایک دیوار (تو) ان کے آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے اور اوپر سے ان کو دیا ڈھانک تو یہ دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اور (اے پیغمبر) ان کے لئے یکساں ہے کہ تم ان کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ تو ایمان لانے والے نہیں) ٭

قدریہ اور جبریہ دونو گروہ نے ان آیات کی مراد و مطلب کو نہیں سمجھا۔ قدریہ نے تو ان کی طرح طرح کی باطل تاویلیں ٹھہرائیں۔ بلکہ ان کو اپنے اصلی معانی سے تحریف کیا۔ جبریہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو جبراً و قہراً کافر بنایا ہے۔ اس میں ان کے کسی فعل۔ ارادہ۔ اختیار اور کسب کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ کافر کے کسی گناہ اور جرم کے بدوں اس نے ہدایت کو اس سے روک دیا۔ اور اس کا امر کافر اور ہدایت کے درمیان حائل ہو گیا۔ اسے ہدایت کی توفیق اور قدرت نہ بخشی۔ اور اس کے واسطے ہدایت پانے کا کوئی ذریعہ و وسیلہ نہ بنایا بعض کا قول ہے۔ کہ اللہ نے کافر کے لئے گمراہی۔ کفر اور معاصی کو محبوب و پسند رکھا۔ متبعین رسولؐ یعنی اہل سنت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے وہ حق سوجھایا جس میں یہ دو نو گروہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور اللہ جس کو چاہے راہ راست پر لگائے۔ قدریہ کہتے ہیں کہ ان آیات کو اس معنی پر محمول کرنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان سے روک دیا۔ اور ایمان اور ان کے درمیان حائل ہو گیا ورنہ ان کے لئے حجت ثابت ہو جائے گی۔ وہ کہہ سکیں گے۔ کہ اللہ ہم کو ایسے کام کا کس طرح حکم کرتا ہے جس کے کرنے سے ہمیں خود ہی روک

Marfat.com

ہے۔ اور جب خود ہی روک دیا۔ تو پھر اس کے نہ کرنے سے عذاب کیسے دیگا اور جو کام ہماری قدرت و اختیار سے باہر ہے۔ اس کی بجا آوری کی ہمیں کیسے تکلیف دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور ان کے بجا نہ لانے پر سزا دینے کی مثال بالکل اس طرح ہوگی جیسے کوئی شخص اپنے غلام کو ایک دروازے سے اندر جانے کا حکم دے۔ پھر خود ہی وہ دروازہ اس طرح بند کر دے کہ وہ اندر جا نہ سکے اور پھر اندر نہ جانے پر اسے سخت سزا دے یا کوئی شخص اپنے غلام کو کہیں جانے کا حکم دے پھر خود ہی اس کے پاؤں کو بیڑی سے ایسا جکڑ دے کہ وہ ایک قدم نہ چل سکے۔ اور پھر بیچارے کو عدم تعمیل حکم پر سخت سزا دینے لگے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی آدمی اس قسم کی حرکت کرے تو وہ ظالم اور یہ کام اس کا نہایت برا فعل شمار ہوگا۔ جب مخلوق کے حق میں جو فقیر و محتاج ہیں یہ کام قبیح اور برا ہے۔ تو اس کو اس خالق کیطرف منسوب کرنا جس کی بے نیازی۔ علم۔ احسان اور رحمت بے پایاں ہے کیسے درست ہو سکتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارے دل غلاف یا پردوں میں ہیں۔ اور اُن پر مہر لگائی گئی ہے جھوٹا قرار دیا اور اس بات کے کہنے پر ان کی مذمت فرمائی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف ان باتوں کو منسوب کرنا درست نہیں بلکہ ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ کفار نے جب اس ہدایت کے قبول کرنے سے جس کو انبیاء لے کر آئے تھے اعراض کیا۔ اور اس سے نہایت درجہ متنفر رہے۔ تو رفتہ رفتہ یہ نفرت و طبعی خصلت اور جبلی عادت کی طرح ان کے نفوس میں متمکن و جاگزیں ہو گئے۔ اور ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہوگئی جو ہدایت سے روکا گیا اور اس سے باز رکھا گیا ہو اور یہی اعراض اُن کے کانوں میں بوجھ دلوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ ہوگیا۔ اور اُن کے دلوں میں

Marfat.com

ہدایت نہیں جا سکتی۔ اللہ سبحانہ نے ان چیزوں کو اپنی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ یہ نفرت اور اعراض ان کے نفوس میں ایسا مستحکم و مضبوط ہو گیا۔ کہ گویا وہ ان کی خلقت میں داخل ٹھہرا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے۔ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ) ان دلوں پر ان (ری) کے اعمال (بد) کے زنگ بیٹھ گئے ہیں)۔

وقال تعالٰی بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ (بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے) وقال تعم فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا نے ان کی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی)۔

وقال تعم فَاَعْقَبَھُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِھِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَہٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوْہُ وَبِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ (تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن تک کہ یہ خدا سے ملیں گے (یعنی روز قیامت تک) خدا نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہ کیا اور (نیز) اس لئے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے)۔

قدریہ کا یہ کلام اگرچہ اکثر صحیح ہے مگر کچھ غلط بھی ہے۔ اور انہوں نے اس مسئلہ کو کما حقہٗ نہیں سمجھا۔ ایک صفت کے لحاظ سے خدا تعم کی عظمت کو مانا لیکن دوسرے وصف کے لحاظ سے اس کا پورا حق ادا نہیں کیا۔ یعنی ذات الٰہی کو ظلم اور خلاف حکمت سے تو منزہ و مقدس ٹھیرایا مگر اس کی توحید، کمال قدرت، عموم مشیت کو کما حقہٗ نہ سمجھا۔ ران۔ ختم اور طبع کی نسبت جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس میں سے بعض تو قرآن کریم کے موافق اور صحیح اور بعض اس کے مخالف اور غلط ہے۔ ان کی اتنی بات تو صحیح ہے کہ کفار اپنے کفر اور دیدہ و دانستہ حق سے اعراض کرنے کی سزا میں ان چیزوں میں مبتلا کیے گئے۔ چنانچہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا نے ان کی سمجھ میں ٹیڑھی کر دی۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا)۔

وقال تعالیٰ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (نہیں بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان (ہی) کے اعمال (بد) کے زنگ بیٹھ گئے ہیں)۔

وقال تعالیٰ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ وَاَبْصَارَھُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖٓ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّنَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ (یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے (معجزے آنے پر بھی ایمان نہیں لائینگے) اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو الٹ دینگے اور ہم ان کو ان کی سرکشی (کی حالت) میں رہنے دیں گے کہ بڑے بھٹکا کریں)۔

وقال تعالیٰ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (پھر اٹھ کر چل دیتے ہیں (یہ لوگ پیغمبر کی مجلس سے کیا پھرے اللہ نے ان کے دلوں کو (دین حق سے) پھیر دیا)۔

بعض قدریہ اس بات کو مانتے ہیں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور کفار کے کفر اور اعراض سابق کی سزا ہیں۔ کیونکہ جب بندہ اپنی مرضی اور اختیار سے گمراہی پسند کرے تو اللہ تعالیٰ (دنیا ہی میں) اس کی سزا میں اسے گمراہی نصیب کرتا ہے اور اگر ہدایت اختیار کرے تو اس کے انعام میں ہدایت عطا فرماتا ہے جس طرح (قیامت کو) بدی کا بدلہ بدی یعنی عذاب اور نیکی کا بدلہ نیکی یعنی نعمتیں ملیں گی۔ اسی طرح دنیا میں بھی کفر اور اعراض کے عوض گمراہی اور قبول حق کے بدل ہدایت ملتی ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ (اور جو لوگ رو براہ ہیں (جب قرآن سنتے ہیں) ان کو خدا) اس قرآن کی برکت سے اور (زیادہ ہدایت دیتا اور (نیز) ان کو پرہیزگاری (کی توفیق) عطا فرماتا ہے) ٭

وقال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (مسلمانو اللہ سے ڈرتے رہو اور بات (بھی) کہو تو راہ کی اور سیدھی (سچی) ایسا کرو گے تو (خدا) تم کو اعمال صالحہ کی توفیق دے گا) ٭

وقال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (مسلمانو اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے ایک امتیاز پیدا کر دے گا۔ اور تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا) ٭

منجملہ فرقان وہ ہدایت ہے جو حق و باطل کے درمیان فرق کرے اور منافقین اور کفار کے حق میں فرمایا ہے۔ فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا (سو مسلمانو) تمہارا کیا حال ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہو حالانکہ اللہ نے ان کی کرتوتوں کی سزا میں ان کی (عقلوں) کو اوندھا کر دیا ہے) ٭

وقال تعالیٰ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (ان کے دلوں میں (پہلے ہی سے کفر کا) مرض تھا اب (قرآن نازل کر کے) اللہ نے ان کا مرض اور بھی بڑھا دیا) ٭

وقال تعالیٰ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (پھر اٹھ کر چل دیتے ہیں (یہ لوگ پیغمبر کی مجلس سے کیا پھرے) اللہ نے ان کے دلوں کو (دین حق سے) پھیر دیا) ٭

Marfat.com

مذکورہ بالا قول قدریہ کا صحیح قرآن کریم سے ثابت اور مقتضا ے عدل الٰہی ہے اور بندے کی نسبت اللہ کا حکم جاری اور اس کی قضا عدل کے موافق نافذ ہے۔ جب وہ اچھے بندے کو اپنی معرفت۔ محبت۔ ذکر اور شکر کی طرف بلائے اور بندہ اس سے برگردانی اور کفران کرے۔ تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرماتا ہے کہ اس کے دل کو اپنے ذکر سے غافل اور ایمان سے روک دینا اور قبول ہدایت اور اس کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ اس کا، عین انصاف ہے۔ اور دنیا میں اس کی سزا ختم۔ طبع اور ستر عن الایمان (ایمان سے روکنا)، کے ساتھ ویسی ہے جیسے قیامت میں مع اس سزا کے دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ (سنو جی یہی (لوگ ہیں جو) اس دن اپنے پروردگار کے سامنے نہیں آنے پائیں گے۔ پھر یہ لوگ ضرور جہنم میں داخل ہونگے) ؂

قیامت میں خدا تعالیٰ سے محجوب ہونے کا یہ مطلب ہے جیسے کہ کفار دنیا میں دولت ایمان سے بے بہرہ تھے اسی طرح قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دیدار اور کمال معرفت سے محروم رکھے گا قیامت میں یہی گمراہی ہو گی ؎ اور اسی طرح چونکہ دنیا میں وہ خدا کے آگے سر نہ جھکاتے تھے تو قیامت میں یہ بھی سزا ملے گی۔ کہ جب اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ یہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کو سجدہ کرنے سے روک دے گا۔ وہاں اس کے سامنے سجدہ نہیں کر سکیں گے اور قیامت میں یہ بھی سزا ملے گی کہ جیسے دنیا میں اندھے تھے اسی طرح وہاں بھی ہدایت سے اندھے ہونگے۔ دنیا میں ان گناہوں کے اسباب ان کی قدرت میں تھے اور ان کے اختیار ارادہ اور فعل سے وقوع میں

Marfat.com

آئے تھے اور جب یہ جرائم سزا کے طور پر واقع ہوئے۔ تو ان کی قدرت میں نہ رہے۔ بلکہ عدل کے مطابق قضاء الٰہی ان پر جاری ہوئی ؏

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيلًا۔ (اور جو اس (دنیا) میں دیدہ دانستہ) اندھا (بنا) رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور (نجات کے) رستے سے بہت دور بھٹکا ہوا) یہاں سے یہ مسئلہ (جو نہایت مفید اور عظیم الشان مسئلہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ بندے کے حق میں کفر اور معاصی کو بھی مقدر فرماتا ہے۔ حل ہو گیا کہ کفر و معاصی کا مقدر کرنا محض عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ عدل سے (جیسا کہ جبریہ کا زعم ہے۔) اس چیز کا مقدر کرنا نہیں جو بندے کے ذریعے ہو سکے۔ یعنی ان کا یہ خیال ہے کہ جو چیز بندہ کے ذریعے ہو سکے اس کا دینا یا اسے مقدر کرنا تو عدل ہے اور جو نہ ہو سکے اس کا مقدر کرنا ظلم ہے۔ اس فرقہ نے اشیاء کے اسباب اور ان کی حکمتوں میں کلام کرنے کے دروازہ کو اپنے اوپر بند کر دیا ہے۔ اور نہ عدل سے وہ مراد ہے۔ جس کے قدریہ قائل ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کو بندوں کے افعال ان کی ہدایت و اضلال میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ اس کی مشیت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور بندوں کے سب کام ان کے اپنے اختیار میں ہیں اللہ تعالیٰ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ؏

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اس کلام میں غور کرو مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ (اے اللہ میرے حق میں تیرا حکم نافذ اور تیری قضاء انصاف کے ساتھ جاری ہے) آپ نے حکم نافذ کے ساتھ قضا کے عدل و انصاف کو کیسے ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث میں قدریہ اور جبریہ دونوں گروہ کی تردید موجود ہے کیونکہ جس عدل کو قدریہ ثابت کرتے ہیں وہ توحید کے

Marfat.com

مخالف ہے۔ اور پروردگار کے کمال قدرت اور عموم مشیت کو بیکار ٹھہراتا ہے اور جس کے جبریہ قائل ہیں وہ حکمت و رحمت اور حقیقت عدل کے منافی ہے وہ عدل جو اللہ سبحانہ کی صفت اور اس کا اسم پاک ہے۔ ان دونوں گروہ کے عدل کے علاوہ ایک اور چیز ہے اور اس کو اس کے رسول اور ان کے پیرو لوگ ہی جانتے ہیں۔ اسی واسطے ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (میں تو اللہ ہی پر بھروسا رکھتا ہوں (کہ وہ) میرا (بھی) پروردگار (ہے) اور تمہارا (بھی) پروردگار (ہے) جتنے جاندار ہیں سب ہی کی چوٹی اس کے ہاتھ میں ہے بیشک میرا پروردگار (عدل وانصاف کے) سیدھے رستے پر ہے)

ہود علیہ السلام نے پہلے یہ بیان فرمایا۔ کہ اللہ سبحانہ کی قدرت تمام چیزوں کو شامل اور اس کی مشیت ہر ایک چیز میں نافذ ہے اور وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے اس کے بعد بیان فرمایا۔ کہ وہ اس تصرف اور حکم میں صراط مستقیم پر ہے۔

ابو اسحاق نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ سبحانہ کو اگرچہ یہ قدرت ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ مگر وہ جو کچھ کرتا ہے انصاف کے ساتھ کرتا ہے۔ ابن انباری کا قول ہے کہ ہود علیہ السلام نے جب جملہ ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا کہا۔ تو اس سے یہ سمجھا گیا۔ کہ ہر ایک جاندار اس کے قبضے میں ہے۔ اور وہ اپنے کمال قوت اور زور کے ساتھ ہر ایک پر قاہر اور غالب ہے تو اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کو اس کے بعد لا کر اس کے مطلب کو صاف کر دیا۔ کہ وہ کسی پر بیجا غلبہ ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ نہایت

Marfat.com

انصاف سے برتاؤ کرتا ہے۔ اور یہ جملہ عرب کے اس مقولہ کے انداز پر واقع ہوا ہے۔ جس کو جب کسی کی خوش خلقی۔ عدل و انصاف کے ساتھ تعریف کرنی منظور ہو۔ تو عرب لوگ بولتے ہیں فُلَانٌ عَلٰی طَرِیْقَۃٍ حَسَنَۃٍ یعنی فلاں شخص اچھے راستے پر ہے۔ درحقیقت کوئی راستہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ عدل و انصاف مراد ہوتا ہے۔

ابن انباری نے اس کی ایک اور وجہ بھی ذکر کی ہے کہ جب ہود علیہ السلام نے یہ بیان کیا۔ کہ اس کی قوت و سلطان ہر ایک جاندار پر ظاہر ہے۔ تو اس کے بعد اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کو اس لیے ذکر کیا۔ کہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہر ایک کو دیکھتا ہے اور کسی جانور کی چال اس سے مخفی نہیں۔ اور نہ کوئی اس سے بھاگ سکتا ہے۔ صراطِ مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جس پر ہر ایک کو چلنا پڑے۔ اس بنا پر یہ جملہ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تمہارا پروردگار نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے) سے مضمون میں موافق ہوگا۔ پہلے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ اپنے ملک میں عدل و انصاف کے ساتھ تصرف کرتا ہے نیکو کار کو نیکی کا بدلہ اور بدکار کو بدی کی سزا دیتا ہے۔ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا کسی کو بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا۔ اور کسی کے نیک عمل کو ضائع نہیں جانے دیتا ایک کا گناہ دوسرے کے سر پر نہیں ڈالتا کسی کو دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑتا۔ اور نہ کسی کو ایسے کام کی تکلیف دیتا ہے جو اس کی وسعت اور طاقت سے باہر ہو اور اس بنا پر یہ جملہ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ (اسی کیلئے ملک اور اسی کے لئے تعریف ہے) اور مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے مضمون میں موافق ہوگا۔ الحمد للہ رب العالمین کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ اپنی قدرت و مشیت کے ساتھ تمام جہان میں متصرف ہے اسی طرح

Marfat.com

وہ اپنے ان تمام تصرفات میں محمود ہے (کیونکہ اس کا ہر ایک تصرف انصاف پر مبنی ہے) اور دوسرے قول کے مطابق اس جملہ میں اس جملہ میں اس بات کی دھمکی اور تہدید ہے، کہ سب کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور سب کا راستہ یہی ہے کہ ایک دن اس کے پاس پہنچیں گے۔ اس کے عذاب سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ اور مقام میں فرمایا ہے هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ (بس یہی (خالص بندگی کی) ایک سیدھی سڑک ہے (جو) ہم تک (آ) پہنچتی ہے)۔

فرا کا قول ہے، کہ سب کا مرجع میری طرف ہے سو میں ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دوں گا۔ چنانچہ اور مقام میں ہے اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ یہ جملہ عرب کے اس جملہ کے مطابق ہے جسے دوسری کو دھمکی دینے کے وقت یوں بولتے ہیں۔ طَرِيقُكَ عَلَيَّ وَاَنَا عَلٰى طَرِيقِكَ۔ کلبی اور کسائی کا یہی قول ہے۔ اور نیز یہ جملہ ایک قول کی بنا پر وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ (اور دین کے رستے دو قسم کے ہیں ایک) سیدھا راستہ (جو دھر) خدا تک (پہنچتا) ہے کے موافق ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ حق کا مرجع اللہ کی طرف ہے۔ اور حق کا راستہ اللہ کی طرف جاتا ہے۔ لفظ وَمِنْهَا جَائِرٌ (اور بعض ٹیڑھے ہیٹرھے) کا یہ مطلب ہے کہ بعض راستے حق سے ادھر ادھر ہیں۔ وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ اور خدا چاہتا تو تم سب کو سیدھا رستہ دکھا دیتا) میں اللہ سبحانہ نے تبلایا ہے کہ اس کی مشیت ہر ایک چیز کو حاوی ہے اور حق کا راستہ اس کی طرف پہنچانے والا ہے جو اس پر چلے گا وہ اس کے پاس جا پہنچیگا۔ اور جو اس سے ادھر ادھر ہو گا وہ بہک جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان آیات سے اللہ سبحانہ کی توحید اور اس کا عدل ثابت ہوتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ وہ اپنی مخلوق میں مالکیت۔

Marfat.com

محمود بیت۔ عدل اور احسان کے ساتھ تصرف کرتا ہے پس وہ اپنے قول۔ فعل۔ شرح۔ قدر۔ ثواب و عقاب میں انصاف کی راہ پر ہے۔ حق بیان فرماتا اور عدل سے کام کرتا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَاللّٰہُ یَقُولُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیلَ (اور اللہ تو حق بات فرماتا ہے اور وہی لوگوں کو سیدھا رستہ دکھاتا ہے) یہ عدل اور توحید جن پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے آپس میں متناقض نہیں۔ البتہ وہ توحید اور عدل جس کے قدریہ و جبریہ قائل ہیں۔ باہم متناقض ہیں ؛

فصل ۔ قدریہ میں سے جن لوگوں نے اس طریق کو اختیار کیا ہے وہ نہ تو پورے قدریہ کے موافق ہیں۔ اور نہ بالکل اہلسنت کے ہم خیال ہیں۔ بلکہ ان کا عقیدہ بین بین ہے۔ لیکن ان کو قائلین تقدیر کی بات ضرور ماننی پڑے گی۔ ورنہ ان کی کلام باہم سخت متناقض ہوگی۔ کیونکہ جب وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گمراہی طبع۔ ختم۔ قفل۔ وقر اور جو کچھ ایمان اور بندے کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ وہ سب اللہ کے مخلوق اور اس کی قدرت و مشیت سے واقع ہیں تو اس لے اس بات کو مان لیا کہ افعال عباد اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور اس کی مشیت سے واقع ہیں۔ خواہ وہ پہلی دفعہ وقوع میں آئیں یا کسی پہلے فعل کی جزا سزا کے طور پر واقع ہوں۔ ان دونو میں کچھ فرق نہیں۔ اگر ایک قسم اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل اور اس کی مشیت سے واقع ہے تو دوسرا بھی اس طرح ہوگا۔ اور جو ایک قسم قدرت میں داخل نہیں۔ تو دوسرا قسم بھی داخل قدرت و مشیت نہ ہوگا۔ دونو قسم میں فرق نکالنا وہ متناقض باتوں کا قول کرنا ہے۔

ابو القاسم انصاری نے شرح ارشاد میں بعض قدریہ سے اس فرق کو بیان کیا ہے چنانچہ کہا ہے کہ بعض قدریہ اس بات کے معترف ہیں۔ کہ ختم اور طبع اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجرمین کے پہلے افعال کی سزا ہیں۔ اور عبد الواحد

Marfat.com

ابن زبد بصری اور بکر اس کا بھانجا اسی مذہب کے لوگوں میں سے ہیں۔ اور یہ سزا اسی قسم کی ہے۔ جیسے قیامت میں گنہگاروں کو عذاب دوزخ کی سزا ملیگی یہ لوگ اہل سنت کے مذہب کے قریب قریب ہیں صرف تھوڑا سا فرق ہے۔

فصل۔ بعض قدریہ کا قول ہے۔ کہ درحقیقت کافر نے خود ہی اپنے دل پہ مہر لگا دی اور اسے قبول ہدایت سے بند کر دیا۔ اور شیطان کا بھی یہی کام ہے کہ وہ کفار کے دلوں پہ مہر لگاتا ہے لیکن چونکہ بندے اور نیز شیطان کو اللہ سبحانہٗ نے اس فعل پر قدرت دی ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے کہ فاعل کو اس فعل پر اُسنے قدرت دی ہے، یہ فعل اللہ کی طرف منسوب ہوا نہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ خود اس فعل کا فاعل ہے۔ اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ کلام کچھ صحیح اور کچھ غلط ہے اس لیئے ہم نہ تو سب کو قبول اور نہ سب کو رد کرتے ہیں۔ یہ قول کہ اللہ سبحانہٗ نے کافر اور شیطان کو ختم اور طبع پہ قادر کیا بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالےٰ نے شیطان کو صرف برے کام اچھا کر دکھانے، وسوسہ ڈالنے اور کفر کی طرف بلانے پہ قادر کیا ہے۔ بندے کے دل میں کفر پیدا کرنے پہ اُسے ہرگز قدرت نہیں دی۔ اور شیطان کی کیا ہستی ہے کہ یہ کام اس سے ہو سکے۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں صرف خدا کی طرف بلانے اور اس کے احکام پہنچانے کے لیئے بھیجا گیا ہوں۔ ہدایت میرے اختیار میں نہیں ہے اور شیطان برے کاموں کو مزین کرنے کے لیئے پیدا کیا گیا ہے۔ گمراہی اس کے ہاتھ میں نہیں۔ غرض شیطان کو تو صرف اتنی ہی قدرت ہے کہ وہ بندے کو ان کاموں اور اسباب کے کرنے کی طرف بلائے۔ کہ جن کو جب بندہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کے دل اور کان پہ مہر لگا دیتا اور قبول سے اُسے بند کر دیتا ہے جیسا شیطان کو یہ قدرت ہے کہ بندے

Marfat.com

کو ایسے کاموں اور اسباب کی طرف بلائے کہ جب بندہ ان کا مرتکب ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کرے گا۔ دوزخ کا عذاب اور ختم۔ طبع کا عذاب (سزا ہونے میں) یکساں ہیں۔ اور سزا کا سبب بندے کا فعل اور ان کی ترغیب و تشویق شیطان کا فعل ہے اور سب کے سب، اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں ہاں یہ کہنا تمہارا صحیح ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے بندے کو ایسا فعل کرنے پر قدرت دی جو اس کے دل پر مہر لگانے اور اس کے بند کرنے کا موجب ہوا۔ اگر اس کو قدرت نہ دیتا تو وہ کبھی اس کو نہ کر سکتا۔ اتنی بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن قدریہ اس کے ساتھ اس کے ساتھ یہ لگاتے ہیں۔ کہ اللہ بندے کو ایسی قدرت دیتا ہے جو دو ضدوں کی صلاحیت رکھتی ہے یعنی اس فعل کو کرنا یا نہ کرنا دونو باتوں کی اس کو قدرت ہوتی ہے پھر وہ اپنے ارادے اور اس مشیت سے جو اللہ کی قدرت سے باہر ہے ایک بات اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ بندے کی قدرت جو دونو باتوں کی صالح ہے اللہ کی قدرت میں داخل ہے۔ لیکن اس کی مشیت اختیار اور فعل اللہ کی قدرت سے باہر ہیں۔ قدریہ کی یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں اس کی مخلوق اس کی قدرت میں داخل اور اس کی مشیت سے واقع ہیں۔ اس کی مشیت بغیر کوئی چیز وقوع میں نہیں آتی۔

قدریہ کہتے ہیں جب کفار نے یہ آیات الہٰی میں تدبر اور غور و کر نے سے اعراض کیا اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے ان پر حجت قائم کرنے کے ساتھ مقارن تھا تو اس معیت اور مقارنت کی وجہ سے انکے افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوئے اہل سنت اسکے جواب میں کہتے ہیں یہ بات غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف مقارنت کی وجہ سے اپنی ذات کیطرف ایسی چیز منسوب کرے جو درحقیقت اُسکی طرف منسوب نہ ہو۔ **ظاہر ہے کہ کبھی ایک چیز کے ساتھ اس کی ضد بھی مذکور ہوتی ہے۔ مثلاً**

Marfat.com

خیر کے ساتھ شر، حق کے ساتھ باطل، صدق کے ساتھ کذب، مقارن و مذکور ہوتے ہیں۔ اور اس مقارنت کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہوتا مگر ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف نسبت کر سکیں۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ کفر، فسق اور عصیاں اللہ تعالےٰ کی محبوب اور پسندیدہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان اور طاعۃ کے ساتھ مذکور اور بیان میں مقارن ہیں اور کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ شیطان بھی اللہ کا محبوب پیارا ہے کیونکہ وہ بھی فرشتوں کے ساتھ ہی پیدا ہوا تھا۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ مگر مقارنت و مصاحبت کی وجہ سے اس کو دوسری چیز کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (اور جس وقت کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو منافقوں میں سے بعض لوگ (ایک دوسرے سے) پوچھنے لگتے ہیں کہ بھلا اس (سورت) نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا۔ سو جو (پہلے سے) ایمان رکھتے ہیں اس (سورت) نے ان کا تو ایمان بڑھایا اور وہ (اپنی جگہ) خوشیاں مناتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو اس (سورت) نے ان کی (پچھلی) خباثت پر اور خباثت بڑھا دی اور یہ لوگ کفر ہی کی حالت میں مر گئے)۔

ظاہر ہے کہ سورت قرآن نے کفار منافقین کے کفر اور گندگی کو زیادہ نہیں کیا۔ صرف ان کی گندگی کفر کا زیادہ ہونا اور سورت کا نزول ایک وقت موجود و مقارن ہوئے۔ اسی مقارنت کی وجہ سے زیادت کفر کو سورت کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف دو ہی چیزوں میں جن کو تم نے ذکر

Marfat.com

کیا ہے یعنی سورت کا کفار و منافقین کی گندگی کا بڑھانے اور اُس کے نزول کے زیادتِ گندگی سے مقارن ہونے ہی انحصار نہیں بلکہ یہاں ایک تیسری چیز بھی موجود ہے کہ جب سورت نازل ہوئی۔ تو اس کے نزول کا مقتضا د منشار یہ تھا کہ بندے اس پر ایمان لائیں۔ اس کے اوامر و نواہی کا یقین کر کے ان پر کاربند ہوں۔ سو ایمان والوں نے تو جان و دل سے ایسا ہی کیا اور ان کی وجہ سے ان کے ایمان میں ترقی ہوئی۔ اور اس زیادت اور ترقی کو سورت کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا کہ وہ اس زیادت کا سبب ہوئی۔ اس کے برخلاف کافروں نے اس کی تکذیب و انکار کیا۔ اور سورت لانیوالے کو جھوٹا قرار دیا۔ اور اس کے احکام کی مخالفت و انکار پر کمربستہ ہو گئے۔ اس وجہ سے ان کی خباثت اور گندگی پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اور سورت کی طرف اس لئے منسوب کی گئی۔ کہ سورت کا نزول اس کا سبب ہوا۔ پس اس آیت میں جو زیادت ایمان اور کفر کو سورت کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ اس میں اور ان افعال قبیحہ کو جن کو تمہارے زعم میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اس کے علاوہ کفار کے افعال قبیحہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کئے گئے۔ وہ تو انہی کی طرف منسوب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس کے افعال حسنہ جو غایاتِ محمودہ اور حکم مطلوبہ پر مشتمل ہیں منسوب ہیں۔ اور ختم۔ طبع۔ قفل۔ اضلال اللہ تعالےٰ کے افعال حسنہ ہیں جن کو مناسب موقع میں اس نے رکھا ہے۔ جس جگہ میں اللہ تعو نے ان کو رکھا ہے وہ انہی کے قابل تھی۔ اور شرک۔ کفر۔ معاصی اور ظلم وغیرہ کفار کے افعال قبیحہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف فاعل ہونے کی حیثیت سے نسبت نہیں کئے جاتے۔ گو خالق ان کا بھی وہی ہے۔ یہ افعال اور چیز ہیں اور ان

Marfat.com

کا پیدا کرنا اور چیز ہے یعنی خلق اور مخلوق میں ایسا ہی فرق ہے جیسے فعل اور مفعول۔ قدر اور مقدور۔ قضا اور مقتضی میں ہے۔ اور انشاء اللہ باب اجتماع الرضاء بالقضاء وسخط الکفر والفسوق والعصیان میں یہ مسئلہ پوری طرح بیان ہوگا:

قدریہ کہتے ہیں جب کفار کفر میں اس حد کو پہنچ گئے۔ کہ جبراً و قہراً مومن بنانے کے سوا ان کے لئے ایمان کی طرف کوئی رستہ نہ رہا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا کہ ان کو جبراً مومن دے ورنہ سلسلہ تکلیف کی حکمت بیکار ہوجاتی۔ لہذا ان کو جبراً مومن نہ بنایا اور اسی جبراً مومن نہ بنانے کو ختم اور طبع سے اس لئے تعبیر کیا کہ وہ اس بات پر متنبہ ہوں کہ وہ کفر و اعراض میں اس حد کو پہونچ گئے ہیں کہ جبر کئے بغیر وہ باز نہ آئیں گے یہ گویا ان کی پرلے درجہ کی سرکشی اور کفر کا بیان ہے:

اہلسنت اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ کلام اول سے آخر تک غلط ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کو یہ قدرت ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان کی محبت۔ ارادہ اور اس کی مشیت پیدا کر دیتا۔ اور وہ بغیر جبر و قہر کے اپنے اختیار و طاعت سے ایمان لے آتے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (اور اے پیغمبر، تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے) اس کے علاوہ جبراً و قہراً ایمان لانے کو ایمان ہی نہیں کہتے۔ اسی واسطے قیامت میں سب لوگ ایمان لائیں گے۔ مگر چونکہ وہ ایمان اضطراری و مجبوری کی حالت میں ہوگا۔ اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (ہم چاہتے تو دنیا ہی میں ہر شخص کو (ایسی) سوجھ عنایت

Marfat.com

کرتے (کہ وہ سیدھے رستے پر آ جاتا) وہ معرفت اور تصدیق جو جبرًا و قہرًا حاصل ہو اس کو ہدایت نہیں کہتے۔ ایک اور مقام میں ارشاد ہوا ہے۔ اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا (تو کیا ابھی مسلمانوں کو صبر نہیں آیا کہ اگر خدا چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا) غرض تمہارا یہ کہنا کہ جبرًا مومن بنانے کے سوا ایمان کی طرف ان کے لئے کوئی رستہ نہ رہا بالکل غلط ہے بلکہ ایمان کی طرف ان کے لئے یہ رستہ موجود تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ہدایت کی طرف مائل کر دیتا اور ان میں ایمان کی مشیت و ارادہ بھر دیتا اور اپنی توفیق و الہام سے سرفراز کر کے صراط مستقیم پر انکو قائم رکھتا۔ رب العالمین مالک الملک سب کچھ کر سکتا ہے جیسے اسے یہ قدرت ہے کہ ان کی ذات و صفات وغیرہ حالات کو پیدا کیا ہے اسی طرح اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ ان کو راہ راست پر لگا دیتا۔ مگر ان کو اس لئے محروم رکھا کہ ان کو مومن بنانا اس کی حکمت و عدل کے خلاف تھا اور وہ اس نعمت و فضل کے اہل و مستحق نہ تھے اس کی مثال ایسی ہے کہ ہر ایک چیز کی تلچھٹ میں وہ خاصیتیں و فوائد نہیں رکھے گئے جو اس کے عطر و خلاصہ میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔ یا گرم چیز میں ٹھنڈی کے خواص اور پلید میں پاک چیز کے منافع پیدا نہیں کئے گئے۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ کسی چیز کو تلچھٹ اور کسی کو خلاصہ کسی کو گرم اور کسی کو سرد۔ کسی کو پاک اور کسی کو ناپاک کیوں بنایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اسماء و صفات اور اس کی مالکیت و ربوبیت کا یہی مقتضی ہے۔ کہ مختلف مراتب و متفاوت احوال پر اشیاء پیدا کرے اور پاک اور ناپاک حسن و قبیح۔ جید و ردی۔ بھلی اور بری چیز میں مساوات کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ حیوانات میں نر و مادہ بنانا اور مختلف حالات۔ اطوار او ر

Marfat.com

اور متباین اخلاق و عادات کی گوناں گوں مخلوقات کو پیدا کرنا یہ سب اس کی ربوبیت کے آثار و لوازم ہیں۔ پس یہ سوال کرنا کہ اللہ نے ناپاک۔ ردی اور بری چیزوں کو کیوں پیدا کیا۔ اس کے اسماء و صفات۔ ملک و ربوبیت سے نادانی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو مختلف حالات و مراتب پر پیدا کیا ہے۔ اور یہ اس کی کمال قدرت اور ربوبیت کی نشانی ہے بعض مخلوق تو ایسی بنائی ہے کہ وہ تمام ممکن کمالات کی قابل و صالح ہے اور بعض بالکل کسی کمال کی قابلیت نہیں رکھتی اور ان دونوں مرتبوں کے بیچ میں بہت مختلف مراتب ہیں۔ جن کو خلاق علیم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور ہر ایک متنفس کو ان چیزوں کے حصول کی طرف راہ نمائی کی ہے۔ جن کے وہ صالح و قابل ہے۔ اور قابل مقبول۔ قبول سب اس کے مفعول مخلوق اور اس کے فعل و خلق کا اثر ہیں۔ یہی مسئلہ ہے جس کی جبریہ و قدریہ نہیں سمجھا اور راہ حق سے دور ہو گئے توفیق خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قدریہ کہتے ہیں کہ ختم طبع سے یہ مراد ہے کہ اللہ سبحانہ نے خود ان کی نسبت اور نیز ان کے کانوں اور دلوں کی نسبت یہ شہادت دیدی کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور نہ حق بات سنیں گے۔ اور نہ اسے قبول کریں گے :

اہلسنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بات تمہاری ویسی ہی جیسے پہلے کہہ چکے ہو کہ کفار کے دلوں اور کانوں پر اللہ تعالے کے ختم و طبع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی اس بات کی خبر دیتا ہے کہ ان پر ختم و طبع ہو چکا ہے ورنہ در حقیقت ختم و طبع کا فاعل اللہ نہیں۔ اور اس کا جواب کافی طور پر ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیا لغت کے رو سے کسی محاورہ میں یوں بولتے ہیں۔ کہ میں نے فلاں شخص کے دل پر مہر لگا دی اور اس کا یہ معنی ہو کہ

Marfat.com

متکلم اس کے مہر شدہ ہونے کی خبر دے رہا اپنے فعل کو نہیں بیان کر رہا۔ ہرگز کسی محاورے میں ایسا نہیں آیا بلکہ لغت اور قرآن کریم پر تم افترا باندھتے ہو:

بعض قدریہ کہتے ہیں کہ کفار کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کے مہر لگانے سے یہ مراد ہے کہ اللہ ان کی دلی باتوں یعنی کفر وغیرہ سے واقف و آگاہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ ان کی دلی باتوں کو لکھوا رہا ہے تا کہ قیامت میں ان کو سزا دے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ نے ان پر ایسی نشانی اور علامت رکھدی ہے۔ کہ جس سے ملائکہ معلوم کر لیں کہ فلاں لوگ کافر ہیں۔ اور ان سب خرافات کا جواب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ختم۔ طبع اور قفل ایمان لانے سے مانع ہوں۔ بلکہ یہ ایک گونہ غفلت اور بلادت اور گہری نظر سے نہ دیکھنے کے قسم سے ہیں۔ جو حق سے اعراض اور روگردانی کا موجب ہوتے ہیں۔ یہ غفلت بلادت وغیرہ جیسا کہ قدریہ کہتے ہیں جائز ہے کہ شروع اور ابتداء میں ہو۔ اگر کفار ابتدائی حالت میں بنظر غور دیکھتے اور تدبر کرتے تو ضرور ایمان کو اختیار کرتے اور جب یہ چیزیں دل میں مستحکم اور مضبوط طور سے متمکن ہو جائیں۔ تو پھر ایمان لانا محال ہے۔ اور یہ ختم۔ طبع وغیرہ بندے کے فعل اور اس کے اعراض۔ غفلت اور حق و ہدایت کے مقابل شہوات نفسانی کو اختیار کرنے کا اثر اور نتیجہ ہیں۔ یہی غفلت جب دل میں متمکن و مستحکم ہو گئی تو ایک صفت راسخہ طبع۔ ختم۔ قفل اور ران بن گئی۔ ابتدائی حالت میں کفار اور ایمان کے درمیان حائل نہ تھی اور اس کے ساتھ ایمان لانا ممکن تھا۔ ابتدائی حالت میں اگر ایمان لانے کا ارادہ کرتے تو ان موانع کے موجود ہوتے بھی ایمان اختیار کر لیتے۔ مگر جب یہ موانع خوب مستحکم ہو گئے۔ تو پھر ایمان لانے کی کوئی صورت نہ رہی۔

Marfat.com

اس کی مثال ایسی ہے کہ آدمی کو جس چیز کی محبت ہوتی ہے۔ اوّل اول اس کی خوبی و عمدگی اس کے دل میں جلوہ گر ہوتی ہے جس سے اس کے دل میں اس چیز کی طرف کشش اور میلان ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس حالت میں اس کشش اور میلان کو روک دے تو وہ رک سکتا ہے۔ کیونکہ ابھی تک اس کے اسباب مستحکم و مضبوط نہیں ہوئے اور اگر وہ اس میلان کو بند نہ کرے تو رفتہ رفتہ اس کے اسباب قوی ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس قدر زور پکڑ جاتا ہے کہ پھر اس کا ہٹانا اور دور کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اس چیز کی محبت اور عشق دل میں ایسا گھر بنا لیتے ہیں۔ کہ اس کا دل صرف اسی چیز کی طرف لگا رہتا ہے۔ اور محبوب کے سوا اور کسی چیز کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہتی۔ اور اب اس سے باز آنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اور شروع شروع میں اس کام سے باز آجانا اس کے اختیار میں تھا۔ چنانچہ اس مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی سے باندھا ہے ؎

تَوَلَّعَ بِالْعِشْقِ حَتّٰی عَشِقْ ۔۔۔ فَلَمَّا اسْتَقَلَّ بِهٖ لَمْ یُطِقْ

رَأیٰ لُجَّةً ظَنَّهَا مَوْجَةً ۔۔۔ فَلَمَّا تَمَكَّنَ مِنْهَا غَرِقْ

(ترجمہ) پہلے تو نے عشق کو اپنی حرص اور خواہش سے اختیار کیا یہاں تک کہ جب اس نے اپنے پاؤں جما لیے اور اس کو اس کا بوجھ اٹھانا پڑا تو برداشت نہ کر سکا۔ دریا کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ پانی کی ایک معمولی لہر ہے مگر جب اس کے بیچ پہنچا تو اس میں ڈوب مرا اسی طرح کفار بھی اگر ابتدائی حالت میں ان امور اور اسباب کی مخالفت کرتے جو ہدایت سے مانع تھے تو آسانی کے ساتھ ان کو ہٹا سکتے اور ایمان لانا ان پر دشوار نہ ہوتا جیسے کہ اگر بیماری کے شروع ہوتے ہی اس کے علاج کی فکر کی جائے تو وہ آسانی کے ساتھ دور ہو سکتی ہے۔ اور اگر علاج میں سستی اور غفلت روا رکھیں اور بیماری اپنا زور پکڑ جائے تو پھر طبیب پر

Marfat.com

اس کا علاج نہایت دشوار ہوجاتا ہے اور اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص کیچڑ میں گھسنا شروع کرے تو وہ جب تک اس کی گہرائی میں نہ پہونچے اس سے نکل سکتا اور اپنی جان بچا سکتا ہے اور جب گہرائی میں پہونچ جائے۔ تو پھر اس سے نکلنا مشکل اور دشوار ہوجاتا ہے۔ غرض ابتدائی حالت میں بندے کو قدرت اور اختیار ہوتا ہے اور جب کسی چیز کے اسباب مضبوط ہوجائیں اور وہ چیز زور پکڑلے۔ تو پھر آدمی بے بس ہوجاتا ہے۔ اس مقام کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ تقدیر کے باب میں اس کا سمجھنا نہایت ضروری اور مفید ہے۔ اور بہتری کی توفیق اللہ کے اختیار میں ہے ؛

کفر۔ ایمان کا جاعل اور خالق اللہ سبحانہ ہے اور ان کے اسباب بندوں سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہ اسباب کبھی تو عدمی امور ہوتے ہیں اور ان کے لئے ان کی اضداد کے پیدا کرنے کی مشیت کا ہونا کافی ہے یعنی اسباب ہدایت کے پیدا کرنے سے اللہ سبحانہ کی مشیت متعلق نہیں ہوتی اور بندہ اصلی عدم اور پہلی حالت میں رہتا ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہ کسی بندے کو ہدایت کرنی چاہے تو اپنی طرف سے اُسے اعانت اور توفیق دیتا ہے جبتک اس کی اعانت و توفیق نہ ہو ہدایت کبھی حاصل نہیں ہوسکتی ؛

فصل۔ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ طبع۔ ختم اور تفصیل کے ساتھ ایمان کا حاصل ہونا محال اور ممتنع نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ اس بات پر قادر ہے۔ کہ جس دل پر طبع۔ ختم اور قفل لگا ہے۔ ان کو کھول کر اُسے ضلال کی بجائے ہدایت جہل کے بدل علم اور غی کے عوض رشد عطا فرمائے۔ اور اپنی توفیق کی کنجیوں سے جو اس کے ہاتھ میں ہیں اس کے دل کے تمام قفل کھول دے اگر اس کی پیشانی پر شقاوت اور کفر لکھا گیا ہے۔ تو اللہ سبحانہ کو یہ قدرت

Marfat.com

ہے کہ اسے مٹا کر اس کی جگہ سعادت اور ایمان لکھ دے اور اللہ کی قدرت کے سامنے یہ امر کوئی محال نہیں حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس ایک قاری نے اس آیت کو پڑھا اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں اس وقت آپ کی مجلس میں ایک جوان بیٹھا تھا) اس نے کہا اے اللہ ان پر تالے لگے ہیں مگر ان کی کنجیاں بھی تیرے ہاتھ میں ہیں۔ ان کو تو ہی کھول سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کی اس بات کو سمجھ گئے اور اس سبب سے اس کی قدر افزائی فرمائی۔

اور حضرت عمرؓ اپنی دعاؤں میں کہا کرتے تھے۔ اے اللہ اگر تو نے مجھ کو شقی لکھ دیا ہے تو اس کو مٹا کر مجھے سعید لکھ دے۔ بیشک تو جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ جو چاہے کر سکتا ہے اسے کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور اس مسئلہ میں بھی دونو گروہ قدریہ و جبریہ راہ صواب سے دور جا پڑے ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر اور اس کے فعل و اختیار سے خارج ہے کیونکہ اگر اللہ کی قدرت میں ہو اور بندہ اسے نہ کرے تو اللہ کے جود و لطف کے خلاف کہ جس کو نعمت ہدایت و ایمان دے سکتا تھا اس کو اس نعمت سے محروم رکھا۔

اور جبریہ کہتے ہیں کہ یہ تبدیل و تغیر اللہ تعالیٰ نہیں کرتا کیونکہ جب وہ کوئی چیز مقدر کر دے تو پھر اس میں تغیر و تبدیل نہیں کرتا۔ اور نہ اپنے علم، تقدیر کے برخلاف اس میں کوئی تصرف کرتا ہے۔ دونو گروہ نے اس ذات پاک تصرف و قدرت کو محدود اور بند کر دیا ہے۔ جس پر کسی کی رکاوٹ اور بندش نہیں۔ اور تمام مخلوق شرعًا و قدرًا اس کے حکم کے تابع ہے یہ مسئلہ بھی تقدیر کا بڑا اہم اور ضروری مسئلہ ہے انشاء اللہ باب المحو والاثبات میں کماحقہ بیان

Marfat.com

ہوگا۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ طبع ختم اور قفل لگنے کے بعد بھی ان کے کھلنے کے لئے کوشش کرے۔ تو اس ختم۔ طبع اور قفل کو وہ اللہ جس کے ہاتھ میں سب چیزوں کی کنجیاں ہیں کھول سکتا ہے۔ اگرچہ ان چیزوں کو کھولنا بندے کے اختیار میں نہیں۔ لیکن اس کے اسباب بندے کی قدرت و اختیار میں ہیں۔ جیسے دوا کا پی لینا تو بندے کے اختیار میں ہے گو بیماری کا دور ہونا اور صحت کا حاصل ہونا اس کے اختیار میں نہیں۔ اور جب مرض زور پکڑ جائے۔ تو پھر اسباب و تدابیر صحت کے عمل میں نہ لانے کی نسبت اس کا کوئی عذر مسموع نہیں کیونکہ اگرچہ صحت اس کے اختیار میں نہ تھی۔ لیکن اسباب کا عمل میں لانا تو اس کے قدرت میں تھا جب مرض سے اس کو تنفر نہ ہوا اور اس کے دور ہونے اور حصول صحت کے لئے کوشش نہ کی حالانکہ اسے دونوں میں تفاوت بھی معلوم تھا۔ تو اس نے دیدہ دانستہ اپنے آپ پر صحت کا دروازہ بالکلیہ بند کر دیا۔ اللہ سبحانہ نے بعض اپنے گمراہ بندوں کو جو یہ سمجھے ہوتے ہیں۔ کہ وہ راہ راست پر ہیں راہ حق پر لگا دیتا ہے۔ اور جب ایسے لوگوں کو (اصلی) ہدایت کا پرتو نظر آتا ہے تو چونکہ ان کے نفس کو اس سے کمال مناسبت اور محبت ہوتی ہے اس لئے اس سے ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ اور جب کوئی بندہ ہدایت کو سمجھ کر اسے پسند نہ کرے اور ہدایت کے منافع اور خوبی اور گمراہی کے نقصان اور برائی، معلوم ہونے کے بعد گمراہی کو اختیار کرے تو اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ پر ہدایت کا دروازہ بند کر دیا۔ اس حالت میں بھی اگر ہدایت کا طلبگار ہو اور اس پروردگار کی بارگاہ میں اپنی محتاجی ظاہر کرے جس کے سوا کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ اور یہ سمجھے کہ اگر اللہ ہدایت نہ کرے تو وہ خود بخود کبھی ہدایت نہیں پا سکتا۔ ہمیشہ گمراہی میں مبتلا رہے گا۔ اور اللہ سے یہ سوال کرے کہ اللہ اس کے دل کو پھیر دے

Marfat.com

اور اُسے نفس کے شر سے بچائے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرماتا اور اپنی توفیق رفیق کر دیتا ہے۔ بلکہ اگر اتنا بھی کرے کہ گمراہی کو برا اور ایسا مہلک مرض سمجھے کہ اگر اللہ اس کو شفا نہ دیگا تو یہ مرض اس کو ہلاک کر ڈالیگا تو یہ تنفر اور کراہت ہی اُس کی شفا اور ہدایت کا ذریعہ ہو جائیگا۔ شقاوت اور گمراہی کا بڑا سبب یہ ہے کہ آدمی کو اُس سے محبت ہو اور اُسے اچھا جانے۔ اور ہدایت اور حق کو بُرا سمجھے۔ غرض اگر کوئی گم گشتہ جس کے دل پر کفر کی مہر لگی ہے اس کو برا سمجھ کر خدا تعالےٰ کی طرف راغب ہو۔ اور حتی الوسع کفر سے نکلنے کی کوشش کرے تو ہدایت اس سے دور نہیں اور جب طبع اور ختم اس کے دل پر مضبوط ہو جائے تو پھر اسے کفر سے نفرت نہیں رہتی اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے سے مانع ہو جاتی ہیں۔

فصل۔ اگر کوئی یہ شبہ پیدا کرے۔ کہ طبع۔ ختم اور قفل تو تمہارے بیان کے موافق گناہوں کی سزا ہے اور کفر و اعراض عن الحق تو گناہوں سے سابق اور پہلے ہے تو اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہت سے لوگ غلطی میں پڑے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی نسبت اس کے اسماء و صفات کے مقتضیٰ کے خلاف گمان کرتے ہیں۔ قرآن اوّل سے آخر تک اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ پہلے پہل جب بندے کو ایمان کا حکم دیتا اور اس پر ایمان ظاہر کرتا ہے تو اسی وقت طبع۔ ختم اور غشاوہ میں مبتلا نہیں کرتا۔ بلکہ بار بار بیان اور دعوت الی الایمان کرنے اور بندے کی طرف سے مکرر روگردانی اور کفر و عناد میں مبالغہ کرنے کے بعد اللہ اس کے دل کو بند کر دیتا اور اس پر مہر لگا دیتا ہے جس سے ہدایت کو قبول نہیں کرتا۔ اور وہ کفر و اعراض جو اس سے پہلے تھا وہ ختم و طبع سے خالی تھا۔ بلکہ وہ ایک اختیاری امر تھا۔ لیکن جب بندہ اس پر جم گیا تو اس کے لئے جبلی اور فطری چیز کی طرح لازم ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ (اے پیغمبر) جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا ان کے حق میں یکساں ہے کہ تم ان کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ تو ایمان لانے والے ہی نہیں۔ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا) ہے اور (آخرت میں) ان کو بڑا عذاب ہونے (والا ہے) ظاہر ہے کہ یہ حکم تمام کفار کے حق میں نہیں۔ بلکہ جو لوگ ایماندار اور رسولوں کے مصداق گذرے ہیں وہ اکثر ایمان لانے سے پہلے کافر تھے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر نہیں لگائی تھی۔ بلکہ یہ آیات کفار کے ایک خاص گروہ کے حق میں ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے دنیا میں اس قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جیسے کہ بعض لوگوں کی صورتیں بدل کر ان کو بندر اور سؤر بنا دیا۔ اور بعض کی آنکھیں بند کردیں۔ غرض اللہ سبحانہ جس طرح آنکھیں بند کردینے کے ساتھ سزا دیتا ہے اسی طرح کبھی دلوں کے بند کردینے سے عذاب کرتا ہے۔ اور یہ سزا یعنی حق سے دور رکھنا کبھی دائمی اور مستمر ہوتی ہے اور کبھی ایک وقت تک بندے کو اس میں مبتلا رکھ کر پھر اسے اس سے نجات بخشتا اور ہدایت نصیب فرماتا ہے۔ جیسا کہ اور قسم کے عذاب میں بھی یہی دستور جاری ہے۔

فصل۔ ان چیزوں کے بیان میں۔ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفار کو معذب کرتا اور ان کے سبب ان کو ایمان سے باز رکھتا ہے۔ وہ چند چیزیں ہیں یعنی ختم طبع۔ اکنہ۔ غطا۔ غلاف۔ حجاب۔ وقر۔ غشاوہ۔ رین۔ غل۔ سد۔ قفل۔ صُم۔ بکم۔ عمی۔ صد۔ صرف۔ شد علی القلب۔ ضلال۔ اغفال۔ مرض۔ تقلیب افئدہ (دلوں کا پھیرنا)

Marfat.com

حول بین المرء وقلبہ (آدمی اور اس کے دل کے بیچ حائل ہونا) ازاغۃ القلوب (دلوں کا ٹیڑھا کرنا) خذلان۔ ارکاس تثبیط تزیین۔ ہدایت اور تطہیر کا ارادہ نہ کرنا۔ اماتۃ القلوب یعنی دلوں میں حیاتی پیدا کرنے کے بعد ان کو مار ڈالنا جس سے وہ اپنی اصلی موت پر رہجائیں۔ نور کو ان سے روک دینا جس سے ظلمت اصلی میں پھنسے رہیں۔ دل کو ایسا سخت کر دینا کہ اس میں ہدایت کی صورت نہ جم سکے۔ اور سینے کو ایسا تنگ کر دینا جو ایمان کو قبول نہ کر سکے۔

مندرجہ بالا چیزوں میں سے بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کا تعلق دل سے ہے جیسے ختم۔ طبع۔ قفل۔ اکنہ۔ اغفال مرض وغیرہ اور بعض ایسے ہیں جو دل کے قاصد اور ہدایت کو اس تک پہنچانے والے یعنی کان سے متعلق ہیں جیسے صمم۔ وقر اور بعض وہ ہیں جن کو دل کے پاسبان اور چوکیدار یعنی آنکھ سے تعلق ہے جیسے عمی اور غشاوہ اور بعض وہ ہیں۔ جو دل کے ترجمان قاصد اور اس کی طرف سے پیغام پہنچانے والے یعنی زبان سے متعلق ہیں جیسے زبان کا گونگا ہونا جو دل کے گونگا ہونے کا نتیجہ ہے۔ کہ جب دل گونگا ہو جائے۔ تو زبان بھی گونگی ہو جاتی ہے۔ اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ختم۔ طبع وغیرہ یہ تمام الفاظ استعارہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ اور ان کے مجازی معنے مراد ہیں۔ ان کی بات قابل التفات نہیں۔ یہ اللہ و رسول کے شان کو نہیں سمجھتے۔ بس ان کی سمجھ اور علم اسی قدر ہے کہ قفل لوہے کا ہوتا ہے اور مہر لگا کر بند کرنا موم لاکھ یا مٹی سے ہوتا ہے۔ اور بیماری ان کے نزدیک تپ جاڑے قولنج وغیرہ امراض بدن پر منحصر ہے۔ اور موت روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے اور نابینائی یہ ہے کہ آنکھ کی وہ روشنی جاتی رہے۔ جس سے انسان محسوسات کو دیکھتا ہے۔ یہ فرقہ بھی گمراہی کے چاہ میں پڑا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں جس شے

Marfat.com

کی طرف منسوب ہوں گی۔ اسی کے مناسب ان کے معنے مراد ہوں گے قفلاً دل کا قفل دل کے اور دروازے کا قفل دروازے کے مناسب اور اسی طرح دل کو بند کرنا اور اس پر مہر لگا دینا اس کے موافق اور صندوق اور دروازے وغیرہ کو بند کر کے ان پر مہر کرنا ان کے حسب حال ہوگا۔ اور اسی طرح کان کا بہرہ اور آنکھوں کا اندھا ہونا بھی حسب حال مراد ہوگا۔ دل کی موت اور زندگی بدن کی موت اور زندگی سے جدا اور اس کے موافق ہوگی۔ بلکہ ان امور کو بدن کی نسبت دل سے زیادہ لگاؤ ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور دل کی نسبت حقیقت اور اجسام محسوسہ کی نسبت مجاز ہیں۔ تو اس کا قول بھی صحیح نہیں۔ غرض عمی۔ بکم۔ موت قفل۔ حقیقت دل کے لئے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ نابینائی کی جڑ اور اصل دل کا اندھاپن ہے۔ اور یہ آنکھوں کے اندھاپن سے اور زیادہ سخت ہے۔ یہ آیت ان احادیث کے طرز پر ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّمَا الرِّبَا فِی النَّسِیْئَةِ یعنی بھاری سود نسیہ اور ادھار میں ہے۔ وَاِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ یعنی خواب کی صورت میں نہانا ضروری تب ہوتا ہے۔ جب منی نکلے۔ وَلَیْسَ الْغِنَا عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰی عَنِ النَّفْسِ یعنی مال اسباب کے بہت ہونے سے آدمی پورا غنی نہیں ہوتا پورا غنی وہی ہے۔ جس کا جی بھر جائے۔ اور نیز فرمایا ہے پورا مسکین وہ نہیں جو دربدر بھیک مانگ کر ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں لیتا پھرتا ہے کامل مسکین وہی ہے جو محتاج ہو اور سوال نہ کرے کہ کوئی اس کی حالت معلوم کر کے اس کو کچھ دیدے۔ اور فرمایا ہے وہ

Marfat.com

شخص جو دوسروں کو پچھاڑ دے کوئی بڑا پہلوان و زور آور نہیں۔ بڑا پہلوان اور شاہ زور وہی ہے جسے غضب کے وقت اپنے نفس پر قابو ہو۔ ان سب جملوں میں جن جن چیزوں سے ان کے اسماء کو آپ نے نفی فرمایا ہے۔ تو نفی بالکلیہ مراد نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بالمقابل ذکر فرمائی ہیں وہ ان اس کی زیادہ مستحق اور وہ اس معنی میں کامل ہیں۔ اسی طرح لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ کا یہی مطلب ہے اور اللہ تعالےٰ کا قول لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الاٰية (نیکی یہی نہیں کہ (نماز میں) اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو، یا مغرب کی طرف کر لو۔ بلکہ (اصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے) آخر آیت تک اسی طرز پر وارد ہے۔ غرض بہر حال نابینائی وغیرہ جو صفتیں دل کی طرف نسبت کی گئی ہیں وہ دل کے لئے حقیقۃً ثابت ہیں۔ اور چونکہ دل تمام اعضائے بدن کا بادشاہ ہے اور وہ سب اس کا لشکر ہیں اور اسی کی اجازت سے وہ چلتے جلتے اور تمام کاروبار کرتے ہیں۔ نیز ارادہ قوی اور حرکت اختیار یہ سب دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے عمی۔ بکم وغیرہ صفات میں بھی دل اصل اور متبوع ہے اور دوسرے اعضاء فرع اور اس کے تابع ہیں۔ اب ہم ان سب امور کو تفصیلاً بیان کرتے اور بتلا دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں کس کس موقع پر ان کو ذکر کیا ہے۔ ختم تو آیت خَتَمَ اللّٰهُ الاٰیہ میں مذکور ہو چکا ہے۔ ازہری نے اس کے معنی کی نسبت کہا ہے کہ ختم کا معنی ڈھانپ دینا ہے۔ چنانچہ عرب کا محاورہ ہے خَتَمَ الْبَذْرَ فِى الْاَرْضِ یعنی بیج کو زمین میں ڈھانپ دیا۔

عطاءؒ کا قول ہے کہ ختم اور طبع کا معنی لغت میں ایک ہی ہے یعنی کسی چیز کو

Marfat.com

ڈھانپ دینا اور اس طرح بند کر دینا کہ کوئی اس کے اندر نہ جا سکے۔ کما قال تعالی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا وقولہ تعالے طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے) میں کہتا ہوں کہ ختم اور طبع اس معنی میں جو اوپر ذکر ہوا ہے دونو شریک ہیں۔ لیکن ایک اور معنی کے لحاظ سے دونو میں فرق ہے۔ یعنی طبع وہ بند کرنا ہے جو فطری اور طبع کی مانند لازم ہو جائے اور کبھی مفارق نہ ہو۔ اور ختم مطلق بند کرنا ہے۔ اکنتہ آیت وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ان کے دلوں پر ہم نے (غفلت اور ہٹ دھرمی کے) پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ثقل تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں) میں مذکور ہے۔ لفظ اکنہ کنان کی جمع ہے جیسے اعنہ عنان کی جمع ہے۔ اس کے مادہ کے معنی بھی پوشیدہ کرنے اور ڈھانک دینے کے ہیں۔ مجرد اور مزید کے عموماً ایک ہی معنے ہیں۔ میں کہتا ہوں بلکہ ان دونو میں فرق ہے مزید کے معنی ہیں پوشیدہ اور مخفی کرنا۔ قولہ تعالے اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ (یا تم اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو) اور مجرد کے معنے ہیں محفوظ اور نگاہ رکھنا۔ کقولہ تعالی بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ اور پوشیدہ کرنے میں دونوں شریک ہیں۔ کنان اس چیز کو کہتے ہیں جو غلاف کی طرح ہو اور دوسری چیز کو چھپا دے۔ کفار نے خود اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالے نے ان کا قول بیان فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (اور اے پیغمبر یہ لوگ یہ بھی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو۔

ہمارے دل تو اس سے پردوں میں ہیں (کہ تمہاری بات دل کو نہیں لگتی) اور ہمارے کانوں میں (ایک طرح کی) گرانی ہے (کہ تم جو کہتے ہو سنائی نہیں دیتا) اور

Marfat.com

ہم میں اور تم میں (ایک طرح کا) پردہ (حائل) ہے کفار نے دل۔ کان اور آنکھ تینوں کے پردوں یعنی کِنّہ۔ وَقر اور حجاب کو ذکر کیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اے پیغمبر ہم تیری بات کو سمجھتے۔ سنتے اور تجھے دیکھتے نہیں یعنی تیری بات قبول نہ کرنے میں ایسے ہیں جیسے کوئی شخص تیری بات نہ سمجھتا اور نہ تجھے دیکھتا ہو۔ ابن عباس نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل ایسے تھیلوں میں بند ہیں۔ جو تیروں کے ترکش کی مانند ہیں۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہے۔ سو اس لئے ہم تیری بات کو سمجھ نہیں سکتے ؛

فصل۔ غطا کا ذکر اس آیت میں ہے۔ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا (اور اسی دن دوزخ کو بھی) کافروں کے سامنے لا پیش کریں گے۔ جن کی آنکھیں ہمارے ذکر (یعنی قرآن کی طرف) سے غفلت کے پردے میں تھیں اور (حق کی طرف سے ان کے کانوں میں گرانی تھی) کہ وہ (اس کو) سن نہ سکتے تھے) ؛

اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ قرآن کریم کی آیات۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیلیں اور عجائبات قدرت کے دیکھنے سے ان کی ظاہری آنکھوں پہ پردہ پڑا ہے۔ دوم یہ کہ قرآن کریم کے سمجھنے۔ اس میں تدبر فکر کرنے اور اس کے ذریعہ ہدایت پانے سے ان کے دلوں کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہ پردہ پہلے دل پر پڑا اور اسی کا اثر آنکھ میں بھی پہنچا ؛

فصل۔ غلاف وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ (اور کہتے ہیں ہمارے دل محفوظ ہیں (نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے

Marfat.com

ان کو پھٹکار دیا ہے ۔ میں مذکور ہے کفار کے قول قُلُوْبُنَا غُلْفٌ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ کفار کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل علم و حکمت کے خزانے اور محل ہیں باوجود اس کے (جب) تیری بات کو نہیں سمجھتے (تو معلوم ہوا کہ تیرا دین علم و حکمت کے اصول پہ قائم نہیں) یا یہ مطلب ہے۔ کہ چونکہ ہم خود علم و حکمت میں ماہر ہیں۔ اس لئے ہمارے دل تیری تعلیم کے محتاج نہیں۔ اس قول کے مطابق غلف لفظِ غلاف کی جمع ہو گی۔ اور اکثر مفسرین کا یہ قول ہے اور یہی صحیح ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل تیری بات سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور اس صورت میں لفظ غلف لفظ اغلف کی جمع ہو گی جیسے اَحمر کی جمع حُمر ہے۔ ابوعبیدہ کا قول ہے جو چیز غلاف میں ہو۔ اس کو اغلف کہتے ہیں جیسے سیفٌ اَغلَفُ وہ تلوار جو نیام میں بند ہو قوسٌ اَغلَفُ وہ کمال جس پہ غلاف چڑھا ہوا ہو۔ رَجُلٌ اَغلَفُ وہ آدمی جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ ابن عباس قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہمارے دلوں پر پردہ ہے یعنی وہ تھیلیوں میں بند ہیں۔ اس لئے تیری بات کو سمجھ بوجھ نہیں سکتے اس آیت کا یہی معنی صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں کثرت سے اس کے نظائر موجود ہیں جیسے قُلُوْبُنَا فِیْ اَکِنَّةٍ وقولہ تعالیٰ کَانَتْ اَعْیُنُھُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ (جن کی آنکھیں ہمارے ذکر (یعنی قرآن کی طرف) سے (غفلت کے پردے میں تھیں) ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نظائر موجود ہیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ غلف کے معنی علم و حکمت کے خزانے ہیں۔ ان کے قول پہ عبارت میں کوئی قرینہ موجود نہیں اور نہ قرآن میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ جو اس معنی پر محمول ہو۔ اس کے علاوہ علم و حکمت کے ساتھ اپنی تعریف کرنے کے موقع پر انسان ایسا لفظ نہیں بولتا۔ کسی محاورے یا استعمال میں یہ نہیں دیکھا کہ کسی اہل علم نے کہا ہو کہ میرا دل غلاف ہے یا مومنین عالمین کے

Marfat.com

دل غلف یعنی علم کے خزانے ہیں۔ غلاف ہر چیز کے لئے ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ اچھی اور عمدہ یا ردی اور خراب ہو۔ پس دل کے غلاف ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ علم وحکمت ہی کا غلاف ہو۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ پہلے قول کے مطابق تو لفظ بل کے ساتھ اضراب وتردید صحیح ہے کیونکہ اس کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے دل علم وحکمت کے خزانے نہیں۔ بلکہ ان پر مہر لگائی گئی ہے۔ اور صحیح قول کی بناء پر اضراب وتردید کیسے صحیح ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اضراب وتردید کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ کفار نے یہ حجت پیش کی تھی۔ کہ اللہ نے رسول کا کلام سمجھنے کے لیے ان کے واسطے کوئی سبیل نہیں بنایا۔ بلکہ ان کے دلوں کو غلافوں میں بند کردیا ہے۔ اس لئے وہ قرآن کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یعنی انہوں نے یہ دعوے کیا کہ ان کے دل خلقۃً ہی غلافوں میں ڈالے گئے ہیں۔ اس لئے وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہیں اور رسول کی تبلیغ ان پر حجت نہیں۔ اللہ تعالی نے ان کے دعوے کی تردید کے لئے فرمایا بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ (بلکہ اللہ تعالی نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے) ایک اور آیت میں ہے۔ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (بلکہ بات یہ ہے کہ) اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے) غرض اللہ سبحانہ نے یہ جواب دیا کہ یہ لعنت یعنی اپنے فضل وتوفیق سے محروم رکھنا اور ان کے دلوں کو بند کردینا ان کے اس کفر کی سزا ہے جس کو انہوں نے پہلے اپنے لئے پسند کیا۔ اور ایمان پر اسے ترجیح دی یعنی یہ طبع اور لعنت بطور سزائے کفر سابق ہے نہ یہ کہ ان کے دل خلقۃً غلاف میں ڈالے گئے ہیں جو کچھ سمجھ بوجھ نہ سکیں۔ پھر اللہ ان کو ایمان لانے کا حکم دے۔ اور ان میں اس کے سمجھنے کا مادہ نہ ہو بلکہ کفار نے خود پہلے کفر

Marfat.com

اختیار کر کے ایسے اعمال کئے جس سے طبع اور ختم علی القلوب کی سزا میں مبتلا ہوئے ؛

فصل۔ حجاب۔ آیت وَمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ (اور ہم میں اور تم میں (ایک طرح کا) پردہ حائل ہے) اور اللہ تعالیٰ کے قول وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (اور اے پیغمبر) جب تم قرآن پڑھتے ہوتے ہو۔ تو ہم تم میں اور ان لوگوں میں جن کو آخرت کا یقین نہیں ایک گاڑھا پردہ (حائل) کر دیتے ہیں) میں مذکور ہے۔ دوسرا آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر جب آپ قرآن پڑھتے ہیں۔ تو ہم کفار اور قرآن کے درمیان ایک حجاب ڈال دیتے ہیں جو ان کو اس کے سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے اور اس پر ایمان لانے سے روک دیتا ہے اور یہ آیت وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ان دلوں پر ہم نے (غفلت اور ہٹ دھرمی کے) پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں) اس کی مؤید و مبین ہے اور یہ تینوں یعنی اکنہ۔ وقر اور حجاب وہی ہیں جو آیت وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ (اور اے پیغمبر یہ لوگ یہ بھی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ہمارے دل تو اس سے پردوں میں ہیں (کہ تمہاری بات دل کو نہیں لگتی) اور ہمارے کانوں میں (ایک طرح کی) گرانی ہے (کہ تم جو کہتے ہو سنائی نہیں دیتا) اور ہم میں اور تم میں (ایک طرح کا) پردہ (حائل) ہے) میں مذکور ہے۔ اللہ سبحانہ نے ان آیات میں تبلا دیا کہ یہ سب چیزیں اسی نے بنائی ہیں۔ سو حجاب حق کے دیکھنے سے اور اکنہ اس کے سمجھنے سے اور وقر اس کے سننے سے مانع ہے۔ کلبی کا قول ہے

Marfat.com

کہ یہاں حجاب سے رعب وغیرہ ایسی چیزیں مراد ہیں جو کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا اور تکلیف رسانی سے مانع ہوتی تھیں۔ اور مستور بمعنے ساتر ہے یا نسبی معنے مراد ہیں یعنی صاحب ستر اور صحیح یہ ہے کہ مستور اپنے اصلی معنے پر ہے ایسا پردہ جو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتا اور اُسے کوئی دیکھ نہ سکتا تھا۔ اسم مفعول کا اسم فاعل کے معنے میں آنا اہل لغت سے ثابت نہیں۔ اور نسبی معنی اس اسم مفعول کا آتا ہے جو اپنے فعل سے مشتق ہو جیسے مکانٌ مَہولٌ (ہولناک مکان) رَجلٌ مَرطُوبٌ (مرطوب المزاج آدمی) اس کے سوا جتنے اسم مفعول ہیں، وہ اپنے اصلی معنی مفعولیت میں مستعمل ہیں۔ جیسے مَضرُوبٌ (مارا ہوا) مجروحٌ (زخم کیا ہوا) مستورٌ (چھپایا ہوا)۔

فصل۔ رین کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (نہیں بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان (ہی کے) اعمال (بد) کے زنگ بیٹھ گئے ہیں) ابوعبیدہ کا قول ہے کہ کفار کے اعمال ان کے دلوں پر ایسے غالب آ گئے جیسے شراب متوالوں کی عقل پر اور موت آدمی کی زندگی پر غالب آجاتی اور اسے نابود کر دیتی ہے۔ اسیفع جہینہ کی حدیث اور حضرت عمرؓ کا یہ قول فَاَصْبَحَ قَدْ رِيْنَ بِهٖ یعنی وہ مغلوب ہو گیا اور رین نے ہر طرف سے اس کو گھیر لیا اسی قبیل سے ہیں۔ ابومعاذ نحوی کا قول ہے کہ رین یہ ہے کہ دل گناہوں سے سیاہ ہو جائے۔ اور طبع یہ کہ دل پر مہر لگا دی جائے اور طبع بہ نسبت رین کے سخت ہے اور اقفال یعنی دل پر قفل لگایا جانا طبع سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فرا نے کہا ہے رین کا یہ مطلب ہے کہ کفار سے اس قدر گناہ اور معاصی سرزد ہوئے۔ کہ انہوں نے ان کے دلوں کو گھیر لیا۔ ابو اسحاق نے نے کہا ہے ران کا معنی ہے ڈھانپ لیا۔ محاورہ میں بولتے ہیں فلاں شخص کے

Marfat.com

دل کو گناہ نے ڈھانپ لیا۔ رین اور غین وہ پردہ ہے جو دل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں ابواسحاق نے غلطی کی ہے کیونکہ غین تو ایک نہایت لطیف اور رقیق چیز ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے دل پر غین آجاتا ہے اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ ران اور رین تو دل کے نہایت غلیظ اور کثیف پردے ہیں۔ مجاہد نے کہا ہے رین یہ ہے کہ بندہ گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے یہاں تک کہ گناہ اس کے دل ہر طرف سے گھیر کر ڈھانپ دیں اور وہ مردہ ہو جائے۔ مقاتل کا قول ہے کہ کفار کے اعمال خبیثہ نے ان کے دلوں کو ڈھانپ لیا۔ سنن۔ نسائی اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر اس گناہ سے باز آجائے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اور گناہ میں ترقی کرے تو وہ نکتہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ وہ اس کے دل پر غالب آجاتا ہے اور یہی ران ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے۔ کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اور گناہ میں مشغول رہنے سے وہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس سے تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ کفار کے وہ گناہ جو انہوں نے کمائے تھے۔ ان کے دلوں کے رین کے موجب ہوئے۔ اور رین کے سبب یعنی ان گناہوں کا خالق تو بے شک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کا صدور ان سے ہوا۔ پس سبب اور مسبب دونوں کا خالق اللہ ہے مگر فرق اتنا ہے کہ سبب بندے

Marfat.com

کی قدرت و اختیار سے ظہور میں آتا ہے اور مسبب کا وجود اس کی قدرت و اختیار سے باہر ہے ؛

فصل ۔ غل کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۔ (ان میں سے اکثر پر تو فرمودہ (خدا) پورا ہو چکا ہے تو یہ (کسی طرح) ماننے والے نہیں ۔ ہم نے ان کی گردنوں میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں، تو ان کے سر (ایسے) الل کر رہ گئے ہیں (کہ ان کو رستہ دکھائی ہی نہیں دیتا) اور ہم نے ایک دیوار (تو) ان کے آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے اور اوپر سے اُن کو ڈھانک دیا تو دیکھ ہی نہیں سکتے) اس کی تفسیر کے متعلق فرا نے کہا ہے کہ ہم نے اُن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روک دیا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ہم نے کئی ایک موانع کے ساتھ ان کو ایمان سے روک دیا۔ اگر کوئی شخص اس پر یہ شبہ کرے کہ جو طوق ایمان سے مانع ہے۔ اس کا تعلق اور لگاؤ تو دل سے ہے۔ پس یہاں گردن کا طوق کیسے مذکور ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ دستور ہے کہ طوق گردن میں ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے تشبیہاً قلب (دل) کو عنق (گردن) کے لفظ سے تعبیر کیا ورنہ مراد لفظ عنق (گردن) سے قلب ہے اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ (اور ہم نے ہر ایک کی برائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کر کے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے)، اور محاورے میں بولتے ہیں میرا گناہ تیری گردن پر ہے اور یہ گناہ تیری گردن پر ہے۔ ایک اور مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ کہ

Marfat.com

دگویا) گردن سے بندھا ہے) اس آیت میں بخل اور خرچ نہ کرنے کو ہاتھ کے گردن کے ساتھ جکڑا ہوا ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی سے اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ اَغۡلٰلًا کی تفسیر میں فراد نے کہا ہے ہم نے ان کو خرچ کرنے سے روک دیا۔ ابو اسحاق کا قول ہے کہ جب کوئی چیز کسی شخص کے لازم حال ہو تو وہاں بولتے ہیں کہ یہ چیز فلاں شخص کی گردن میں ہے یعنی گلے کے ہار کی طرح اس کو لازم ہے۔ ابو علی نے کہا ہے کہ یہ جملہ عرب کے اس محاورے کے مطابق ہے طَوَّقۡتُكَ كَذَا (میں نے فلاں چیز تیرے گلے کا طوق بنا دی) اور قَلَّدۡتُكَ كَذَا (میں نے فلاں چیز تیرے گلے کا ہار بنا دی) اور اسی محاورہ کے موافق یہ فقرہ بھی ہے یعنی قَلَّدَهُ السُّلۡطَانُ كَذَا (یعنی بادشاہ نے عہدہ حکامی گلے کے ہار یا گردن کے طوق کی طرح اُسے لازم کر دیا) اور عرب کا مقولہ قَلَّدۡتُ فُلَانًا حُكۡمًا كَذَا وَكَذَا۔ یعنی میں نے یہ حکم فلاں شخص پر گردن کے طوق کی طرح لازم کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے تکالیف شاقہ کو اغلال سے تعبیر فرمایا ہے وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ (اور (احکام سخت کے) بوجھ جو ان لوگوں (کے سروں) پر (لدے ہوئے) تھے اور پھندے جو ان پر (پڑے ہوئے) تھے (ان سب کو ان پر سے دور کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے تکالیف کی شدت اور دشواری کے لحاظ سے ان کو اغلال سے تشبیہ دی ہے۔ حسن نے کہا ہے اغلال سے وہ تکالیف مراد ہیں۔ جو پہلی اُمتوں کی عبادت میں داخل تھیں جیسے جو کپڑا پیشاب سے ناپاک ہو جائے اس کے ناپاک حصے کو کاٹ دینا۔ توبہ کے لئے جان کو مار ڈالنا۔ جن اعضاؤں سے گناہ سرزد ہوا ان کو قطع کرنا۔ اور کھانے کے گوشت میں سے رگوں اور پٹھوں کو نکال ڈالنا۔ ابن قتیبہ کا قول ہے اغلال سے یہ مراد ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے ان پر بہت سی وہ چیزیں جو امت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے لیے حلال فرمائی ہیں حرام کردی تھیں۔ اور یہ بات ان کے واسطے طوق کے قائم مقام تھی کیونکہ جیسے طوق زنجیر ہاتھ روک دیتے ہیں اسی طرح حرام کر دینا استعمال کو روک دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے قول فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ کی تفسیر کے متعلق ایک جماعت نے کہا ہے کہ ضمیر ھی لفظ اَيْدِي (ہاتھ) کی طرف راجع ہوتی ہے گو وہ لفظ میں مذکور نہیں۔ مگر سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ طوق گردن میں ہوتا ہے اور ہاتھ کو گردن کے ساتھ جکڑ دیتا ہے۔ اسی واسطے اس کو جامعہ بھی کہتے ہیں۔ اس صورت میں اس کا معنے یہ ہوگا کہ ان کے ہاتھ یا داہیں ہاتھ ان کی ٹھوڑیوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ فرا اور زجاج کا یہی قول ہے۔ ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ ضمیر مذکور لفظ اغلال کی طرف راجع ہوتی ہے اور یہی ظاہر بھی ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوگا کہ وہ طوق ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے اور ان سے پیوستہ ہیں یعنی اس قدر چوڑے ہیں کہ گردن کو گھیر کر ٹھوڑی تک پہنچ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول فَهُمْ مُقْمَحُونَ کی تفسیر کے متعلق فرا اور زجاج نے کہا ہے مُقْمَح وہ شخص ہے جو اٹھانے کے بعد اپنی نگاہ کو نیچے کرے۔ اقماح کا معنی لغت میں یہی ہے سر اٹھانا اور نظر کو پست کرنا محاورے میں بولتے ہیں۔ اَقْمَحَ الْبَعِيْرُ وَقَمَحَ یعنی اونٹ نے سر اٹھایا۔ اصمعی نے کہا ہے بَعِيْرٌ قَامِحٌ وہ اونٹ جو حوض سے سر اٹھائے اور پانی نہ پیئے۔ ازہری نے کہا ہے جب کفار کے ہاتھ گردنوں کی طرف جکڑے گئے۔ تو طوقوں کی وجہ سے ان کے سر اور ٹھوڑیاں سر اٹھانے والے اونٹوں کی طرح اوپر کی طرف ہو گئے جو نیچے نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دل کو ہدایت اور ایمان سے روکنے اور گردنوں میں طوق ڈالنے میں کونسا مشترک امر ہے۔ جس کی وجہ سے یہ تشبیہ دی گئی ہے تو اس

Marfat.com

کا جواب یہ ہے کہ یہاں وجہ شبہ نہایت ظاہر اور مناسب چیز ہے۔ کیونکہ جب طوق گردن میں اور ہاتھ اس کے ساتھ جکڑا ہوا ہو تو ہاتھ اپنے کام یعنی چیزوں کے پکڑنے سے رکا ہوتا ہے اور جب طوق اس قدر چوڑا ہو کر گردن سے بڑھ کر ٹھوڑی تک پہونچ جائے تو وہ سر کو نیچے نہ ہونے دے گا۔ اور ایسے شخص کا سر اوپر کی طرف اٹھا رہے گا۔ اس کو ادھر ادھر نہیں ہلا سکے گا۔ پھر اس مضمون یعنی بندش و رکاوٹ کو اللہ تعالیٰ نے وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا کو لاکر اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔ ابن عباس نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت سے اس لیئے روک دیا۔ کہ اس کے علم سابق میں وہ ہدایت سے بے بہرہ تھے۔ اور وہ دیوار جو ان کے آگے اور پیچھے آڑ کر دی اس نے ان پر ہدایت کا رستہ بند کر دیا۔ سو اللہ سبحانہ نے وہ موانع جن کے ساتھ سزا کے طور پر کفار کو ایمان سے روکا بیان فرما دیئے ہیں اور اسی مضمون کو نہایت عمدہ اور بلیغ مثال کے پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ ان لوگوں کی بعینہ یہی حالت ہے۔ جن کی گردنوں میں اس قدر چوڑے طوق ڈالے گئے جو ٹھوڑیوں تک پہنچتے ہوں اور ان کے ہاتھ ان کے ساتھ جکڑ دیئے گئے۔ اور وہ دو دیواروں کے درمیان رکھے گئے ہوں کہ ادھر ادھر آجا نہ سکیں اور ان کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ کہ ان کو کوئی چیز نظر نہ آئے جب اس کافر کے حال پر غور کیا جائے جس نے حق کو سمجھ کر دیدہ دانستہ اس سے کفر و انکار کیا اور اس کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ تو یہ مثال بالکل اس کے حال کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس کافر اور ایمان کے درمیان ایسی ہی بندش و رکاوٹ کی گئی ہے۔ جیسے مذکور الصدر طوق ڈالے ہوئے شخص اور اس کے کام و کاج میں رکاوٹ کی گئی ہے

فصل۔ قفل کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ

Marfat.com

اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں) ابن عباس نے کہا ہے اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر قفل لگے ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ ان کے دل بند کئے گئے ہیں گویا کہ ان کے دل اس بند کئے ہوئے دروازے کی مانند ہیں۔ جس پر قفل لگا ہو کہ جب تک قفل نہ کھولا جائے اس دروازے کے اندر جانا اور جو چیزیں اس کے اندر رکھی ہوں۔ ان تک پہنچانا ناممکن اور دشوار ہے۔ اسی طرح جب تک دل کی مہر اور اس کا قفل نہ توڑے جائیں۔ تو اس میں ایمان اور قرآن داخل نہیں ہو سکتے۔ لفظ قلوب کے نکرہ اور لفظ اقفالہا کے معرفہ لانے میں جو نکتہ ملحوظ رکھا گیا ہے وہ قابل غور ہے لفظ قلوب اس لئے نکرہ لایا گیا ہے کہ اس زمانے کے کفار اور دیگر تمام ایسے کفار کے دل اس میں داخل ہو جائیں جو ان کی چال پر ہوں۔ اگر تعریف کے ساتھ علی القلوب کہا جاتا۔ تو اس زمانے کے کفار کے علاوہ باقی کفار کے دل اس میں داخل نہ ہوتے۔ اور لفظ اقفالہا اس لئے معرفہ لایا گیا ہے۔ کہ اضافت سے یہ بات سمجھی جائے۔ کہ اقفال سے وہ قفل مراد ہیں جو دل کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ اور اس میں ایک گونہ مناسبت پائی جاتی ہے اگر اقفال نکرہ ہوتا تو متعارف و مشہور قفل کی طرف وہم چلا جاتا۔ اضافت سے اس وہم کو دور کر دیا ؂

فصل۔ صمم اور وقر کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے صُمٌّ بُکۡمٌ عُمۡیٌ۔ (بہرے، گونگے، اندھے)۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمۡ وَاَعۡمٰٓی اَبۡصَارَهُمۡ (یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور ان کو (حق بات کے سننے سے) بہرا اور (راہ راست کے دیکھنے سے) ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے) ؂

Marfat.com

وقال تعالےٰ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (اور ہم نے بہتیرے جن اور انسان جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل تو ہیں (مگر) ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں (مگر) ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام نہیں لیتے (غرض) یہ لوگ چار پایوں کی طرح کے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہوئے یہی وہ لوگ ہیں۔ جو (دین سے بالکل) بے خبر ہیں) ؛

وقال اللہ تعالےٰ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ (اور جو ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں (کے حق ہیں گرانی اور وہ ان (کی آنکھوں) کے حق میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ (قرآن سے ایسی بے پرواہی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ گویا) بڑی دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں (کہ ان کو کچھ سنائی نہیں دیتا)) ابن عباس نے کہا ہے۔ ان کے کان قرآن کے سننے سے بہرے ہیں۔ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ سو وہ قرآن سمجھ نہیں سکتے۔ أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سے یہ مراد ہے کہ گویا ان کو ان جانوروں کی طرح جو آواز اور پکار کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔ اور دور سے پکارا جاتا ہے مجاہد نے کہا ہے۔ کہ وہ مکان ان کے دلوں سے دور ہے۔ فرا نے کہا ہے۔ عرب اور اپنے محاورے میں بے سمجھ آدمی کو کہا کرتے ہیں۔ ارے تو دور سے پکارا جاتا ہے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اس کی تفسیر میں آیا ہے۔ کہ وہ آسمان سے پکارے جاتے ہیں۔ وہ نہیں سنتے مطلب یہ ہے کہ وہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ جیسے وہ شخص

Marfat.com

جو دور سے پکارا جائے کچھ سنتا سمجھتا نہیں :۔

فصل۔ بکم۔ کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ۔ وبُکْمٌ۔ لفظ اَبْکَمُ کی جمع ہے اور ابکم اس شخص کو کہتے ہیں جس میں قوت نطق ہو۔ گویائی پر قادر ہو۔ اور جس طرح نطق اور گویائی دو قسم ہے۔ یعنی نطق زبان و نطق قلب اسی طرح اس کے مقابل عدم گویائی یعنی گونگا ہونا بھی دو قسم ہے۔ یعنی دل کا گونگا ہونا اور زبان کا گونگا ہونا۔ اور جیسے کہ دل کا اندھاپن اور بہرہ پن آنکھ کی نابینائی اور کان کے بہرہ پن سے زیادہ برا ہے اسی طرح اس کا گونگا پن بھی زبان کے گونگا ہونے سے زیادہ برا ہے۔

اللہ سبحانہ نے کفار کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ کہ نہ ان کے دل حق کو سمجھتے ہیں اور نہ ان کی زبانیں اس کو بیان کرتی ہیں۔ بندے کے لئے حصول علم کے تین ہی ذریعے ہیں۔ یعنی کان۔ آنکھ اور دل سو یہ تینوں ذریعے اور رستے کفار کے لئے بند کئے گئے ہیں۔ کانوں کو بہرہ۔ آنکھوں کو نابینا اور دل کو گونگا کر دینے سے تینوں رستے بند کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَعْقِلُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا اسی کا ہم معنے ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے ان تینوں کو اس آیت وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ (اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل (سب ہی کچھ) دیئے تھے۔ لیکن ازبسکہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار رکھتے تھے نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل) میں بھی اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ سو جب اللہ سبحانہ اپنے بندے کو ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل کان اور آنکھ کو کھول دیتا ہے اور جب اسے گمراہ کرنا چاہتا ہے

Marfat.com

تو اس کے کانوں کو بہرہ۔ آنکھوں کو اندھا اور دل کو گونگا کر دیتا ہے ؛

فصل۔ غشاوہ کا بیان۔ غشاوہ سے وہ پردہ مراد ہے جو آنکھ کو بند کر دے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً (اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے) یہ پردہ اسی پردے کا اثر ہوتا ہے جو دل پر پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھلائی برائی دل میں ہو وہ آنکھ پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس گویا آنکھ دل کا آئینہ ہے کہ جو کچھ دل میں ہو وہ اس میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ دیکھو کہ جب تم کو کسی آدمی سے دشمنی ہو۔ اس کی بات چیت اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کو برا سمجھتے ہو۔ تو اس کے دیکھنے اور اس کی ملاقات سے آنکھ پر ایک پردہ سا آجاتا ہے۔ سو یہ اسی دلی عداوت اور نفرت کا اثر ہے۔ کفار کے اعراض اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نفرت کرنے کی سزا میں ان کی آنکھوں پر غلیظ پردہ ڈالا گیا۔ جبکہ وہ اللہ کے ذکر یعنی قرآن کریم سے جس کو اللہ تعالٰے نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل فرمایا اندھے ہو گئے تو آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا گیا۔ جس نے ان کی تمام آنکھیں بند کر دیں جس سے وہ مواقع واسباب ہدایت کو نہ دیکھ سکیں۔

فصل۔ صَدَّ کا بیان۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ (اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو بھلی بھلی کر دکھائی گئی تھیں اور اس کو راہ (راست سے) روک دیا گیا تھا۔) اہل کوفہ نے صُدَّ کو زُیِّنَ کی موافقت کے لحاظ سے بصیغہ مجہول پڑھا ہے باقی قراء نے فتح صاد کے ساتھ اور معروف پڑھا ہے۔ معروف کی صورت میں اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ فرعون نے (حق سے) اعراض کیا اور اس صورت میں یہ فعل لازم ہوگا۔ دوم یہ کہ فرعون نے اور لوگوں کو (حق

سے) روک دیا۔ اور اس وقت یہ فعل متعدی ہو گا۔ اور دونو قرائیتں آپس میں کچھ متناقض نہیں اور شد علی القلب سو وہ آیت وَقَالَ مُوسٰی رَبَّنَا اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَءَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا.... فَاسْتَقِیْمَا (اور موسیٰ نے دعا مانگی کہ ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو (اس) دنیا کی زندگی میں (بڑی) شان وشوکت اور دولت دے رکھی ہے (اور) اے ہمارے پروردگار (یہ سازوسامان تو نے ان کو اسی غرض سے دے رکھا ہے) کہ (لوگوں کو) تیرے رستے سے بہکائیں۔ تو اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں پر جھاڑو پھیر دے۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ یہ لوگ عذاب دردناک کے دیکھے بدوں ایمان ہی نہ لائیں (خدا نے) فرمایا کہ تم دونو (بھائیوں) کی دعا قبول ہوئی۔ تو تم دونو ثابت قدم رہو) ۔

شد علی القلب بمعنے صدو منع (روکنا) ہے۔ اسی واسطے ابن عباس نے کہا ہے وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ سے یہ مراد ہے کہ ان کے دلوں کو روک دے یعنی ان پر مہر لگا دے۔ اور ان کو ایسا سخت کر دے کہ وہ قبول ایمان کے لئے کشادہ اور نرم نہ ہوں توراۃ شریف میں بھی اسی کے موافق آیا ہے کہ اللہ سبحانہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ تم فرعون کے پاس جاؤ میں اس کے دل کو سخت کر دوں گا۔ سو وہ ایمان نہیں لائے گا۔ اور میری قدرت کے عجیب نشان مصر میں ظاہر ہوں گے۔ دلوں کو سخت کر دینا اور ان کو (قبول ایمان سے) روک دینا خدا تعالےٰ کے نافرمانوں کے ساتھ اس کا کمال عدل ہے یہ ان کے کفر و اعراض کی سزا ہے جیسے اللہ تعالےٰ اور مصائب کے ساتھ سزا

Marfat.com

دیتا ہے۔ یہ بھی اسی طرح کی ایک سزا ہے اسی واسطے یہ محمود اور حسن ہے اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ عدل و حکمت۔ اور کفار کا اعراض و روگردانی ظلم اور بے وقوفی ہے۔ پس قضا و قدر اس اللہ کا کام ہے۔ جو عادل۔ حکیم۔ غنی اور علیم ہے خیر اور شر کو ان کے مناسب موقع میں رکھتا ہے۔ اور وہ فعل جو مقدر اور مقتضی ہو چکا ہے۔ کبھی ظلم۔ جور اور سفاہت ہوتا ہے۔ اور اس کا مرتکب ظالم جاہل اور سفیہ ہے۔

فصل۔ صرف کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے ایک کی طرف ایک دیکھنے لگتا ہے پھر (یہ کہہ کر) کہیں تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں (اٹھ کر) چل دیتے ہیں (یہ لوگ پیغمبر کی مجلس سے کیا پھرے اللہ نے ان کے دلوں کو (دین حق سے) پھیر دیا) اللہ سبحانہ نے ان کا فعل یعنی پھر جانا اور نیز اپنا فعل یعنی قرآن کے ماننے اور اس کے سمجھنے سے ان کے دلوں کو پھیر دینا دونوں بیان فرمائے ہیں ان کے دل اس لئے پھیر دیئے کہ وہ اس کے اہل نہ تھے یعنی قرآن کریم کے لئے وہ محل صالح اور قابل نہ تھے کیونکہ ایسی چیز کیلئے محل کی قابلیت وہ چیزوں سے ہوتی ہے۔ حسن فہم اور حسن ارادہ سو ان کے دل بے سمجھ اور ان کے ارادے گندے تھے چنانچہ اللہ نے ایک اور مقام میں اس مضمون کو صراحتہً بیان فرمایا ہے وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (اور اگر اللہ ان میں (کچھ بھی) بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا۔ لیکن (یہ ایسے کج سرشت ہیں کہ) اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدی ہوئی بات ہے کہ یہ لوگ منہ پھیر کر الٹے بھاگتے) دیکھو اللہ سبحانہ نے ان کی عدم قابلیت کو بیان فرمایا ہے کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے۔ جس

Marfat.com

کے سبب قرآن و ایمان ان کے دلوں میں داخل ہوں. سو اللہ تعالےٰ نے ان کو اس طرح قرآن نہیں سنایا. کہ اُسے سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے گو ویسے تو انہوں نے سن لیا اور اُن پر اللہ کی حجت قائم ہو گئی۔ مگر وہ سننا کہ جس طرح ایمان والوں نے سنا اور سمجھا ان کو نصیب نہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ سبحانہٗ نے ایک دوسرا سبب جو ان کے دلوں کو قبول ایمان سے مانع ہوا بیان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح قرآن سنا دیتا جس سے وہ سمجھ بھی لیتے. تب بھی وہ اپنے تکبر. نفرت اور اعراض کی وجہ سے ایمان نہ لاتے. سو پہلا امر تو قرآن کے سمجھنے سے اور دوسرا انقیاد اور پیروی سے مانع ہوا. غرض ان کی عقلیں خراب اور ارادے گندے اور ردی ہیں۔ اور یہی گمراہی کا نسخہ اور بدبختی کی علامت ہے چنانچہ ہدایت کا نسخہ اور سعادت کی یہ نشانی ہے. کہ فہم صحیح اور ارادہ صالح ہو واللہ المستعان،

ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ میں غور کرنا چاہیئے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کے ساتھ کیسا برمحل واقع ہوا. خواہ یہ نفس الامر سے خبر ہو یا اللہ نے ان کی سزا کو بیان فرمایا ہو یعنی چونکہ وہ خود پھر گئے۔ اس لئے اللہ نے ان کے دلوں کو حق سے پھیر دینے کی سزا میں مبتلا کیا. پہلے ان کا پھرنا اس لئے ہوا کہ ان کی عدم قابلیت اور نااہل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کا ارادہ مشیت ان کے قبول حق اور ایمان اختیار کرنے سے متعلق نہ ہوا پس جب ان کے دل اپنی جہالت اور ظلم کی وجہ سے قرآن سے منحرف ہو گئے تو اللہ نے سزا کے طور پر ان کو قبول حق سے دور کر دیا. جیسے کہ دلوں کی کجی کے بعد ٹیڑھا کر دینے کی سزا میں ان کو مبتلا کیا چنانچہ فرمایا ہے. فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اور اسی طرح جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اعراض

Marfat.com

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ سزا دیتا ہے کہ اس کو اپنی طرف سے روگردان کر دیتا ہے پھر اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا شیطان کا قصہ قابل عبرت ہے۔ دیکھو جب اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کا حکم نہ مانا اور عدول حکمی پر اصرار کیا۔ تو اللہ نے اُسے یہ سزا دی کہ لوگوں کو ہر ایک گناہ اور بدی کی طرف بلانے والا اسے ٹھیرایا۔ پس پہلی نافرمانی کی یہ سزا پائی۔ کہ تمام گناہوں صغائر اور کبائر کی طرف داعی ٹھیرا۔ اور یہ سرکشی اور کفر پہلے کفر اور اعراض کی سزا ہے۔ بدی کی سزا بدی ہے۔ دنیا ایسی ہی ہے جیسے نیکی کی جزا نیکی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے۔ کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے ان کو پھیر دیا۔ اور انکو اعراض کرنے والے اور روگردان بنا دیا۔ تو پھر ان کے اعراض اور پھر جانے پر انکار کیسے ظاہر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ (پھر کدھر پھیرے جاتے ہیں۔ اور نیز اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ (پھر کدھر بہکے جا رہے ہیں) اور نیز فرمایا ہے فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ (مگر اب ان لوگوں کو کیا ہو گیا (بلا مار گئی) ہے کہ نصیحت سے (اس طرح) روگردانی کرتے ہیں۔) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے کفار کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا اور ان پر اپنی حجت کو قائم کیا ہے سو پہلے ان کو قوت اور قدرت بخشی۔ ان کے لئے سب دروازے کھول دیئے تمام راہیں آسان کر دیں اور سب سامان و اسباب مہیا کر دیئے۔ انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ کتابیں نازل فرمائیں۔ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ایمان کی طرف بلایا اور ایسی عقلیں بخشیں جو خیر و شر اور نفع و ضرر۔ ہلاکت اور کامیابی کے اسباب میں تمیز کر سکیں۔ سننے کو کان اور دیکھنے کے لئے آنکھیں عنایت فرمائیں۔ ان سب باتوں کے ہوتے جب تقویٰ کو چھوڑ کر ہوائے نفس کو اختیار کیا اور ہدایت کے بجائے گمراہی کو اچھا سمجھا۔ اور کہنے لگے کہ اے اللہ تیری طاعت سے ہم کو تیری نافرمانی

Marfat.com

بھلی معلوم ہوتی ہے اور توحید سے ہمیں شرک پیاری لگے۔ اور تیرے غیر کی پرستش تیری عبادت سے دنیا میں ہمیں زیادہ مفید ہے۔ پس ان کے دل اپنے پروردگار خالق اور مالک کی طرف سے ہٹ گئے۔ اور اس کی طاعت اور محبت سے پھر گئے۔ یہی اللہ کا عدل اور ان پر حجت کو پورا کرنا ہے۔ پس کفار نے پہلے ارادۃً جان بوجھ کر اپنی مرضی و اختیار سے اپنے اوپر ہدایت کا دروازہ بند کیا۔ اس کے بعد اللہ نے جبراً ان کو ہدایت سے روک دیا اور ان کو ان کے اپنے پسندیدہ کام میں رہنے دیا۔ اور جس چیز کو انہوں نے چاہا تھا۔ اسی کی حکومت میں ان کو چھوڑ دیا اور ان کی مرضی مطابق چیزیں ان کو برقرار رکھا اور جس دروازے کی طرف پہلے خود دوڑ گئے تھے اس میں ان کو داخل کر دیا۔ اور جس سے منہ پھیر کر چلے گئے وہ ان پر بند کر دیا۔ ان کا یہ فعل ایسا برا ہے کہ کوئی چیز اس سے بڑھ کر بری نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ نہایت عمدہ اور اچھا ہے۔ اگر وہ چاہتا۔ تو ان کو اس صفت کے سوا کسی اور صفت پر پیدا کرتا اور اس خلقت کے سوا کسی دوسری خلقت میں ظاہر کرتا۔ لیکن وہ اللہ سبحانہ جو بلندی و پستی۔ نور و ظلمت۔ نافع و ضار طیب و خبیث ملائکہ و شیاطین۔ بکری اور بھیڑیئے۔ وغیرہ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس کے سب کام حکمت سے ہیں۔ اس نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے موافق۔ سامان و آلات۔ صفات اور قوی دیئے ہیں۔ اور جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس سے وہی کام لیتا ہے۔ سو بعض چیزیں تو فطرۃً اس کام میں لگی ہیں اور بعض ارادے اور مشیت سے اپنے کام کو پورا کرتی ہیں۔ اور جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی حکمت کے موافق ہو رہا ہے۔ جو اس کی حمد کا موجب اور اس کے مقدس کمال اور ملک تام کا مقتضی ہے۔ اس کی حکمتوں کے متعلق مخلوق کو جس قدر علم حاصل ہے اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں جو ان کو حاصل نہیں ہوا۔ اس کی مثال ایسی ہے

Marfat.com

جیسے چڑیا ایک بار اپنی چونچ میں سمندر میں سے پانی اٹھا ہے۔

فصل - اِغفال کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی نے پیچھے پڑا ہے اور اس کی دنیا داری حد سے بڑھ گئی ہے اکسی نے ابو العباس تعلب سے مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ کا مطلب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔ اغفلتہ کا معنی محاورے میں میں نے اس کا نام غافل رکھا یا میں نے اس کو غافل پایا بھی ہے۔ میں کہتا ہوں غفل اس چیز کو کہتے ہیں جو خالی اور فارغ ہو۔ زمین غفل وہ زمین جس میں کوئی نشان نہ ہو اور مکتوب غفل وہ خط جس پر کوئی پتہ نہ ہو۔ اس بنا پر اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا کا یہ معنی ہو گا۔ کہ ہم نے اس کے دل کو اپنے ذکر سے فارغ اور خالی رکھا یعنی وہ اپنے عدم اصلی اور پہلی حالت پر قائم رہا۔ اس کے ذکر کو اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق نہ ہوئی۔ اس لیے وہ غافل کا غافل رہ گیا۔ پس غفلت بندے کی صفت اور غافل کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو اللہ کے ارادے اور اس کے حق میں قبول ذکر کی عدم مشیت سے ظہور میں آیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے لیے غفلت کا ارادہ ہونا یا اس کے قبول ذکر کا ارادہ نہ کرنا دونوں اس کی غفلت کا موجب ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ غفلت۔ کفر۔ اعراض وغیرہ اس قسم کی چیزیں اللہ تعالیٰ کے ان کے وقوع کا ارادہ کرنے کی طرف منسوب ہوتی ہیں یا ان کی اضداد یعنی ذکر۔ قبول حق۔ ایمان وغیرہ کا ارادہ نہ ہونے کی طرف مضاف ہوتی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے قرآن کریم سے دونو باتیں ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ یہ وہ لوگ ہیں

Marfat.com

کہ خدا بھی ان کے دلوں کو (معصیت کی گندگی سے) پاک کرنا نہیں چاہتا) وقال تعالےٰ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (اور اے پیغمبر، جس کو اللہ بے دینی کی بلا میں مبتلا رکھنا چاہے تو اس کے لئے خدا پر تمہارا کچھ بھی زور نہیں چل سکتا اور وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ (اور جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے)

سوال- ایک چیز کی ضد کے سبب موجب کا نہ ہونا اس چیز میں کیسے اثر پیدا کر سکتا ہے یعنی ایک ضد کے سبب کا عدم دوسری کے وجود میں کیونکر موثر اور اس کا مقتضی ہو سکتا ہے۔

جواب- اگر اثر وجودی چیز ہے۔ تب تو ضرور ہے۔ کہ اس کا سبب مؤثر وجودی ہوگا۔ اور اگر عدمی چیز ہے تو اس کے لئے اس کی ضد سبب موجب کا نہ ہونا کافی ہے۔ وہ اپنے عدم اصلی پہ باقی رہے گی۔ اور اگر عدم سبب کی طرف مضاف ہو گی۔ تو یہ اضافت الی الیس ہوگی۔ سبب کا نہ ہونا مسبب کے نہ ہونے کی دلیل ہے پس اگر عدم سبب کو اس لحاظ و اعتبار سے موثر و موجب کہہ دیں تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔ یہ بات بیشک صحیح ہے کہ عدم فی حد ذاتہ اثر و موثر کچھ نہیں ہو سکتا اور اسے غافل کر دینے کے سبب کافر اپنی خواہش نفس کا متبع اور حق کے قبول کرنے سے قاصر رہا۔ مجاہد نے وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (اور اس کی دنیا داری حد سے بڑھ گئی ہے) کی تفسیر میں کہا ہے۔ ضیاعًا یعنی اس کا کام برباد و ضائع ہوا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس نے اپنا کام نہایت تباہ و برباد کر دیا۔ سدی نے کہا ہلاک ہوا۔ ابو الہیثم کا قول ہے امر فرط اس کام کو کہتے ہیں جسے لاپرواہی سے ضائع کر دیا جائے۔

لغت میں تفریط کا معنی ہے عاجزی پیش کرنا۔ اسی بنا پر ابو اسحاق نے کہا ہے کافر نے اس کام میں عاجزی پیش کی جس کو ضائع اور برباد کر دیا تھا۔ لیث کا قول

Marfat.com

ہے فرط وہ کام ہے جس میں کوتاہی کی جاتی ہے۔ عرب محاورے میں کہتے ہیں کُلُّ اَمْرِ فُلَانٍ فُرُطٌ۔ یعنی فلاں شخص کے سب کام ناقص ہیں۔ فراء کہتے ہیں فرط کا معنی ترک کیا ہوا۔ یعنی کافر کا یہ حال ہے کہ جس بات میں کوتاہی کرنی روا نہ تھی۔ اس میں کوتاہی اختیار کی۔ اور جس کام کے پیچھے پڑنا جائز نہ تھا۔ اس کے پیچھے ہو لگا۔ اور جس چیز سے غفلت درست نہ تھی۔ اس سے غافل رہا۔

فصل مرض کا بیان۔ اللہ تعالے نے فرمایا۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (ان کے دلوں میں (پہلے ہی سے کفر کا) مرض تھا اب قرآن نازل کر کے) اللہ نے ان کا مرض (اور بھی) بڑھا دیا) وقال تعالے۔ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ (تو دبی زبان سے (کسی کے ساتھ) بات نہ کیا کرو (کہ ایسا کرو گے) تو جس کے دل میں (کسی طرح کا) کھوٹ ہے (وہ خدا نے تم سے کسی طرح کی) توقعات پیدا کرے گا) وقال تعالیٰ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ط (اور اہل کتاب اور مسلمان (ان باتوں میں کسی طرح کا شبہ نہ لائیں اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور جو (کھلم کھلا) کافر ہیں (سن کر) بول اٹھیں۔ کہ ایسی باتوں کے کہنے سے خدا کی کیا غرض ہے۔) دل کا مرض یہ ہے۔ کہ وہ اپنی صحت اور حالتِ اعتدال سے باہر ہو جائے۔ اور صحت یہ ہے کہ اپنے رب کا عارف۔ اس کا محب اور سب معبودوں کو چھوڑ کر اسی کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہو۔ سو جب اللہ تعالے کی ذات یا صفات میں شک کیا یا اس کے سوا کوئی اور معبود ٹھیرا لیا۔ تو مہلک مرض میں مبتلا ہوا۔ منافق تو شک اور ریب کے مرض میں مبتلا تھے۔ اور بدکار لوگ شہوت پرستی اور سرکشی کے مرض میں گرفتار ہیں۔ اللہ سبحانہ نے شک اور

Marfat.com

شہوت پرستی دونو کو مرض کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ابن انباری کا قول ہے کہ لغت میں مرض کا اصلی معنے فساد ہے۔ عرب بولتے ہیں۔ مَرِضَ فُلَانٌ یعنی فلاں شخص کا جسم بگڑ گیا۔ اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ اسی طرح مَرِضَتْ بِالْمَرَضِ کا معنی ہے کہ وہ بگڑ گئی اور اس کی حالت متغیر ہو گئی۔ عرب کی ایک شاعر عورت لیلیٰ خیلیہ نے کہا ہے۔ شعر

اِذَا هَبَطَ الْحَجَّاجُ اَرْضًا مَرِيْضَةً تَتَبَّعَ اَقْصٰى دَائِهَا فَشَفَاهَا

(یعنی حجاج جب کسی بیمار زمین پر اترتا ہے۔ تو اس کی بیماری کی حد معلوم کر کے اس کو درست کر دیتا ہے) ایک اور شاعر نے حضرت امام حسینؓ کے غم میں کہا ہے شعر

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْاَرْضَ فَاَصْبَحَ مَرِيْضَةً بِفَقْدِ الْحُسَيْنِ وَالْبِلَادُ اقْشَعَرَّتِ

(کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے سبب تمام روئے زمین بیمار اور سب شہر مصیبت کے مارے پریشان ہیں۔ عرض میں چار باتیں پائی جاتی ہیں۔ فساد۔ ضعف۔ نقصان اور ظلمت۔ عرب بولتے ہیں فلاں شخص اس کام میں مریض یعنی کمزور ہو گیا اور اس میں کوشش نہیں کر سکا اور آنکھ مریض النظر یعنی سست نظر ہے اور ہوا مریض یعنی آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ رَاحَتْ لِاَرْبُعِكَ الرِّيَاحُ مَرِيْضَةً

ترجمہ (یعنی تیری منازل پر دھیمی دھیمی ہوائیں چلیں جو ان کے نشان کو نہ مٹائیں)

ابن الاعرابی کا قول ہے کہ مرض کا اصلی معنی ہے نقصان بدن مریض وہ بدن ہے جس میں قوت کم ہو اور دل مریض وہ جس کے دین میں نقصان ہو۔ اور محاورے میں آتا ہے۔ میرے کام میں مرض ہے یعنی اچھی طرح نہیں چلتا۔ ازہری نے منذری سے نقل کیا ہے کہ وہ اپنے کسی دوست سے نقل کرتے تھے مرض یہ ہے کہ طبیعت صفائی کے بعد سیاہ تاریک اور خراب ہو جائے اور

Marfat.com

کہا کہ مرض ظلمت کو کہتے ہیں چنانچہ یہ شعر پڑھا۔ شعر

وَلَیْلَۃٍ مَرِضَتْ مِنْ کُلِّ نَاحِیَۃٍ فَمَا یُضِیْئُ لَھَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ

(ترجمہ مجھ پر کئی ایسی راتیں بھی گذری ہیں۔ جو ہر طرف سے تیرہ و تاریک تھیں۔ ان میں سورج اور چاند کی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔)

لفظ مرض کے لغوی معنی یہی ہیں اور جو معنی یہاں مراد ہیں وہ بھی انہیں کے قریب قریب ہیں چنانچہ شک۔ جہل۔ حیرۃ ضلال سرکشی اور شہوت پرستی کے خیالات کا دل میں پیدا ہونا انہی معنوں کے قریب قریب ہے۔ سو پہلے بندہ اسباب مرض کو خود اختیار کر کے مریض بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ اسے یہ سزا دیتا ہے کہ اس کا مرض بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ اس نے دیدہ و دانستہ اسباب مرض کو پسند اور اختیار کیا تھا۔

فصل۔ تقلیب افئدہ (دلوں کے پھیر دینے) کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ وَاَبْصَارَھُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّنَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ (اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو الٹ دینگے اور ہم ان کی سرکشی (کی حالت) میں رہنے دیں گے کہ پڑے بھٹکا کریں) یہ آیت اِنَّھَا اِذَا جَاءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے معجزے آئے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے) پر معطوف ہے یعنی ہم کفار اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ اگر ان کے پاس آیات آئیں۔ مگر وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖ اَوَّلَ مَرَّۃٍ کے معنے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بہت سے مفسرین کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر کفار کے پاس آیات آئیں تو ہم ان کے اور ایمان کے درمیان اسی طرح حائل ہو جاتے۔ جس طرح پہلے ان کے اور ایمان کے درمیان ہم حائل ہو چکے ہیں۔ اور

Marfat.com

ابن عباسؓ کا قول جسے عطا نے روایت کیا یہ ہے کہ ہم کفار کے دل اور ان کی آنکھیں پھیرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس چیز کی طرف آجاتے ہیں۔ جو پہلے سے میرے علم میں ان کے لیئے مقدر ہو چکی ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ (اور جانے رہو کہ اللہ کو ایسی قدرت ہے کہ وہ) آدمی اور اس کے دل (کے ارادے) میں آڑے آجاتا ہے) کے موافق ہے۔ بعض نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے دل اور آنکھیں، اس لیئے راہ حق سے پھیرتے ہیں کہ انہوں نے پہلے قرآن کو نہ مانا تھا اس لیئے ہم نے یہ سزا دی کہ ان کے دلوں اور آنکھوں کو حق سے پھیر دیا اور یہ نہایت اچھے معنی کیونکہ کاف تشبیہ معنی تعلیل (بیان علت) کا مفید ہوتا ہے چنانچہ اَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ احسان کر) اور کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ۔

(جیسا کہ ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجے جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور تمہاری اصلاح کرتے ہیں۔ اور تم کو کتاب یعنی قرآن اور عقل کی باتیں سکھاتے اور تم کو ایسی ایسی باتیں بتاتے ہیں جو (پہلے سے) تم کو معلوم نہ تھیں تم ہماری یاد میں لگے رہو۔ کہ ہمارے ہاں بھی تمہارا ذکر خیر ہوتا رہے) تعلیل اور تشبیہ کے جمع ہونے کی یہ خوبی ہے۔ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جزا خیر وشر میں عمل کے موافق ہے۔ تقلیب کا لغوی معنی یہ ہے۔ کہ کسی چیز کا ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دینا۔ اور چونکہ آیات کے نازل کرنے اور کفار کے سوال وخواہش کے مطابق ان کے نزول کا یہ مقتضی تھا۔ کہ جب وہ آیات ان کے پاس کفار کی پہنچیں اور ان کے صدق وحقیقت کو معلوم کر لیں تو وہ ضرور ایمان لائیں۔ مگر جب وہ ایمان

Marfat.com

نہ لائے۔ تو ان کی آنکھیں اور دل اس طرف سے جس طرف ان کو ہونا چاہیئے۔ تھا پھیر دیئے گئے ۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں اس طرح ہیں جس طرح کہ ایک دل وہ جیسا چاہے اسے پھیرتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے اور جامع ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ان کلمات یعنی یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ (اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پہ ثابت رکھ) کو بہت کہا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ پہ اور اس کتاب پہ جسے آپ اللہ کی طرف سے لائے ہیں ایمان لا چکے ہیں۔ تو کیا آپ کو ہمارے پھر جانے کا اندیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں سب کے سب دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں۔ وہ جیسے چاہے انہیں پھیر دے۔ ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ اور حماد نے ایوب ہشام اور یعلی بن زیاد سے انہوں نے حسن سے روایت کیا ہے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا ایک ایسی دعا ہے جس کو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم بہت پڑھا کرتے تھے یعنی یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ. میں نے عرض کیا یارسول اللہ، آپ اس دعا کو بہت پڑھا کرتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا۔ ہر ایک بندے کا دل اللہ تعالےٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے درست کرنا چاہے۔ تو اسے درست کر دیتا ہے۔ اور جب اُسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ.

Marfat.com

اور ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں ٹانگ ٹوٹے مارا کریں) کی تفسیر میں ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ ہم ان کی مدد چھوڑ دیتے۔ اور ان کو اپنی گمراہی میں بڑھنے دیتے ہیں ؛

فصل - ازاغۃ القلوب (دلوں کو مائل کرنے) کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا نے ان کی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی) اور اپنے مومن بندوں کی دعا کو بیان فرمایا ہے کہ وہ یوں کہا کرتے ہیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا (اے ہمارے پروردگار ہم کو راہِ راست پر لائے پیچھے ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر) لغت میں زیغ یعنی میل ہے محاورے میں بولتے ہیں۔ زَاغَتِ الشَّمْسُ (سورج ڈھل گیا)، پس ازاغۃ انقلب کا معنی ہے دل کو ہدایت سے گمراہی کی طرف مائل کر دینا۔ اور زیغ قلب کا معنی ہے اس کا مائل ہو جانا۔ زیغ کے ساتھ جس طرح دل موصوف ہوتا ہے۔ اُسی طرح آنکھیں بھی اس کے ساتھ موصوف ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (اور تمہاری آنکھیں پھری (کی پھری) رہ گئیں تھیں۔ اور کلیجے مونہوں کو آ گئے تھے) اس آیت کی تفسیر کے متعلق قتادہ اور مقاتل نے کہا ہے۔ کہ ڈر کے مارے آنکھیں اوپر کو نکلنے لگیں۔ انہوں نے یہ حاصل مطلب بیان کیا ہے۔ کہ ڈر ورنہ شخوص اور زیغ میں فرق ہے۔ شخوص کا یہ معنی ہے۔ کہ آنکھیں کھول کر ایک چیز کی طرف ٹکٹکی لگا دے۔ نگاہ کو نیچے نہ کرے۔ محاورے میں بولتے ہیں مُردے کی آنکھیں اوپر کی طرف کھلی رہ گئیں۔ چونکہ جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو صرف اپنی مخالف جماعت یعنی کفار کی طرف خیال تھا۔ اور نگاہ ہر طرف سے اللہ کر انہی کی طرف متوجہ ہو رہی تھی۔ اس لئے وہ سب چیزوں سے مائل ہو کر لشکر کفار کی طرف

Marfat.com

کلبی کا قول ہے کہ مسلمانوں کی آنکھیں ہر ایک چیز سے مائل ہو کر صرف لشکر کفار کی طرف متوجہ تھیں۔ فرام کا قول ہے۔ کہ ہر ایک چیز سے مائل ہو کر حیرت کے ساتھ اپنے دشمن کو دیکھ رہی تھیں میں کہتا ہوں کہ جب دل میں کسی چیز کا رعب یا خوف پیدا ہو تو وہ اس چیز کے خیال کے سوا تمام چیزوں کے خیالات کو ہٹا دیتا ہے۔ پس آنکھ اس چیز کے دیکھنے سے حالانکہ وہ سامنے موجود ہو پھر جاتی ہے

فصل۔ خذلان (ترک اعانت) کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِہٖ اے مسلمانوں اگر خدا تمہاری مدد پر ہے تو پھر کوئی بھی تم پر غالب آنیوالا نہیں۔ اور اگر وہ تم کو چھوڑ بیٹھے تو اس کے (چھوڑے) پیچھے (دوسرا) کون ہے۔ جو تمہاری مدد کو کھڑا ہو۔

خذلان کا لغوی معنی ترک اور چھوڑنا ہے وہ گائے یا بکری جو اپنے ساتھ والوں کو چھوڑ کر اکیلی بچے سمیت چراگاہ میں پیچھے رہ جاوے۔ اس کو خَذُوْل کہتے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے یعنی اے پیغمبر اگر اللہ آپ کی مدد کرے۔ تو کوئی آدمی آپ پر غالب نہیں آئے گا۔ اور جو لوگ آپ کی مدد چھوڑ دیں۔ اُن کے مدد چھوڑ دینے سے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ اور اگر اللہ آپ کی مدد نہ کرے تو پھر کسی آدمی کی مدد کچھ کام نہیں آتی۔ مطلب یہ کہ کسی آدمی کی خاطر یا اس کے ڈر سے میرے احکام کی تبلیغ و تعمیل میں کچھ فرق نہ آئے اور میرے احکام کے مقابل کسی کی ذرا پرواہ نہ کرو۔ خذلان سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے نفس کے سپرد کر دے۔ اور اپنی طرف سے اس کی مدد نہ فرمائے۔ اور توفیق اس کی ضد ہے یعنی اس کو اس کے نفس کے سپرد نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ لطف و احسان فرمائے اور اس کی اعانت فرما کر اس سے مکروہات کو دفع کرے

Marfat.com

اوراس کی اس طرح حفاظت فرمائے۔ جس طرح مہربان باپ اپنے صغیرالسن اور کمزور بچے کی خبر گیری کرتا ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے سپرد کردے وہ ضرور ہلاک اور تباہ ہوجاتا ہے۔ اسی واسطے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَّلَا اِلٰٓی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ (اے حیّ۔ اے قیوم۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیوالے۔ اے بزرگی واکرام کے مالک تیری ذات کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ میں تیری رحمت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ تو میرے تمام کام درست کردے۔ اور ایک لحہ بھی مجھے میرے نفس یا اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہ کر) سو بندہ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور دشمن خدا شیطان کے اغوا کے بیچ میں ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے تو شیطان اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اعانت نہ فرمائے تو شیطان بندے کو اس طرح شکار کر لیتا ہے جس طرح بھیڑیا بکری کو۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب گڈریا بکری کو بھیڑیے سے نہ بچائے تو اس بیچاری کا اس میں کیا قصور ہے۔ بکری میں یہ طاقت نہیں کہ وہ بھیڑیے کا مقابلہ کر سکے اور اس سے اپنی جان بچالے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک شیطان آدمی کا ایسا ہی دشمن ہے جیسا بھیڑیا بکری کا دشمن ہے چنانچہ حضرت صادق ومصدوق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملعون بھیڑیے یعنی شیطان کو اس کمزور بکری یعنی انسان سے غالب اور زبردست نہیں بنایا۔ ہاں جب (یہ بکری) خود بخود اپنا ہاتھ اُسے دیدے۔ اس سے دوستی پیدا کرنے لگے۔ جب وہ بلائے جھٹ بات ماننے کے لئے حاضر ہو۔ اس کا حکم بجا لائے۔ کچھ انکار نہ کرے۔ دوڑ کر اس کے پاس آئے۔ ہر طرح سے اطاعت

Marfat.com

اختیار کرے۔ اور اس محفوظ چراگاہ کو جہاں بھیڑیے پھٹکنا نہیں پاتے چھوڑ کر بھیڑیوں کے بیچ جا گھسے اور ایسی جگہ جا پہنچے کہ وہاں جو جاتے شکار ان کا بن جاتا ہے۔ تو اس صورت میں سب قصور بکری کا ہے۔ خاص کر جب گلہ بان نے بھیڑیوں سے اُسے ڈرا دیا۔ ان کی طرف سے چوکس کر دیا۔ اور ان بکریوں کے مارا جاتے کی جگہ دکھلا دی ہوں۔ جو گلہ بان سے الگ ہو کر بھیڑیوں کے بیچ میں جا گھسی تھیں۔

احمد بن مروان مالکی نے کتاب المجالسہ میں لکھا ہے کہ میں نے ابن ابی الدنیا سے یہ سنا کہ اللہ سبحانہ، کو وہ علوم حاصل ہیں جن کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی مخلوق میں سے ہر ایک چیز کو وہ علم بخشتا ہے۔ جو دوسرے کو نہیں بخشتا۔ ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن سعید قطان نے ہم سے بیان کیا کہا کہ ہم سے عبید اللہ بن بکر سہمی نے بیان کیا وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ چند لوگ سفر میں تھے۔ ان میں ایک شخص ایسا بھی تھا۔ کہ جب وہ کسی پرندوں کو بولتے سنتا۔ تو اپنے ساتھیوں سے کہتا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ پرندے کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ۔ وہ کہتے کہ ہم تو ان کی بولی نہیں سمجھتے۔ پھر وہ ہر ایک پرندے کی باتیں بتلاتا۔ کہ فلاں یہ بات کہہ رہا ہے اور فلاں وہ بات کہتا ہے۔ اس کے ہمراہی کہتے ہیں۔ وہ ایسی باتیں بتلاتا جن کی تصدیق کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لیے ہم اس کو سچا یا جھوٹا کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اتفاقاً بکریوں کے ایک ریوڑ کے پاس سے ان کا گذر ہوا۔ ایک بکری اپنے بچے سمیت اس ریوڑ سے پیچھے رہ گئی تھی۔ اس بکری کو دیکھا کہ اپنے بچے کی طرف گردن جھکائے چلا رہی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کیا تم جانتے ہو کہ یہ بکری کیا کہتی ہے اس کے ہمراہی کہتے ہیں ہم نے کہا ہم تو کچھ نہیں جانتے اس نے کہا اپنے بچے سے یہ کہتی ہے اٹھو ریوڑ سے چل ملو۔ ایسا نہ ہو کہیں تمہیں وہ بھیڑیا نہ کھا جائے۔ جس نے گذشتہ سال تیرے بھائی کو اسی جگہ کھا

Marfat.com

ڈالا تھا۔ اتنے میں اس ریوڑ کا پالی ہمارے پاس آ نکلا۔ اس سے ہم نے پوچھا کیا تیری اس بکری نے گذشتہ سال بھی بچہ جنا تھا اس نے کہا ہاں گذشتہ سال یہ بچہ جنی تھی۔ اور اسی جگہ پر اس کو بھیڑیا کھا گیا تھا۔ اس کے بعد چند آدمیوں کا گروہ ہمیں راستے میں ملا۔ ان میں ایک عورت اونٹ پر سوار تھی۔ اونٹ زور سے چلاتا اور اپنی گردن اس عورت کی طرف بڑھاتا تھا۔ اس شخص نے کہا۔ تم جانتے ہو یہ اونٹ کیا کہہ رہا ہے۔ ہم نے کہا ہم تو کچھ نہیں سمجھتے۔ اس نے کہا یہ اپنی سواری کو گالیاں دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے کوہان میں ایک سوئی چبھی ہوئی ہے اور یہ عورت اس پر بیٹھی ہے۔ راوی کہتا ہے لوگوں نے اسی وقت اس اونٹ کو بٹھا کر اس کا پالان اتار کر دیکھا۔ تو واقعی اس کے کوہان میں سوئی چبھی ہوئی تھی۔ دیکھو کہ اس بکری نے اپنے بچے کو صرف ایک بار بھیڑیئے سے ڈرایا اور وہ چوکس ہو گیا۔ مگر ابن آدم کی یہ حالت ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ نے اس کو اس کے بھیڑیئے یعنی شیطان سے بارہا ڈرایا مگر یہ باز نہیں آتا۔ اور شیطان جب بلاتے۔ اس کی اطاعت کے لئے حاضر ہے۔ اور رات دن اسی کے ساتھ بسر کرتا ہے:

قرآن کریم میں ہے۔ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (اور جب (آخیر) فیصلہ ہو چکے گا۔ (اور لوگ شیطان کو الزام دیں گے) تو شیطان کہے گا کہ خدا نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا (سو اس نے پورا کیا) اور وعدہ تم سے میں نے بھی کیا تھا۔ مگر میں نے تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔ اور تم پر میری زبردستی تو تھی نہیں بات تو اتنی تھی۔ کہ میں نے تم کو (اپنی طرف) بلایا

Marfat.com

اور تم نے میرا کہا مان لیا۔ تو اب مجھے الزام نہ دو بلکہ اپنے تئیں الزام دو آج ا نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں ورنہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو میں تو اس سے) مانتا ہی نہیں۔ کہ تم مجھ کو (اس سے) پہلے (دنیا میں) شریک (خدا) بناتے تھے اس میں شک نہیں۔ کہ جو لوگ نافرمان ہیں ان کو (قیامت کے دن) بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

فصل۔ ارکاس کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا (مسلمانو) تمہارا کیا حال ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہو حالانکہ اللہ نے ان کے کرتوتوں کی سزا میں ان (کی عقلوں) کو اوندھا کر دیا ہے۔ جس سے وہ مرتد ہو گئے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کر دیا اس کو راہ راست پر لے آؤ اور جس کو اللہ گمراہ کرے۔ ممکن نہیں کہ تم اس کے لئے رستہ نکال سکو) فرا نے کہا ہے أَرْكَسَهُم کا یہ معنی ہے کہ ان کو یعنی منافقین کو کفر کی طرف لوٹا دیا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ رکس مجرد اور ارکاس مزید دونو کا ایک ہی معنی ہے یعنی لوٹانا۔ اصل میں رکس کسی چیز کو سر کے بل الٹانے یا اس کے اول کو آخر کی طرف لوٹانے کو کہتے ہیں۔ اور ارتکاس اس کا لازم ہے یعنی لوٹنا یا الٹا ہونا امیہ نے کہا ہے۔ ؎

فَأُرْكِسُوا فِي حَمِيمِ النَّارِ إِنَّهُمْ   كَانُوا عُصَاةً وَقَالُوا الْإِفْكَ وَالزُّورَا

ترجمہ) یعنی کفار دوزخ کے گرم پانی میں الٹائے یا لوٹائے جائینگے کیونکہ یہ لوگ (دنیا میں اللہ تعالیٰ کے) نافرمان تھے اور جھوٹ ان کا پیشہ تھا۔)

گوبر کو اسی لئے رکس کہتے ہیں۔ کہ وہ نجاست کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ اور اسی واسطے اس کو رجیع بھی کہتے ہیں۔ رِکس۔ نکس۔ مرکوس۔ منکوس چاروں لفظوں

Marfat.com

کا ایک ہی معنی ہے۔ یعنی وہ چیز جو لوٹائی جائے۔

زجاج نے کہا ہے ارکسہم کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اوندھا اور الٹا کر دیا۔ یعنی کفار کی حالت کو ذلت و خواری کی طرف لوٹا دیا۔ سو اللہ سبحانہٗ نے ان کے بارے میں اپنے حکم۔ قضا اور عدل کو بیان فرمایا ہے۔ اور یہ سزا ان کو ان کے اعمال اور کمائی کے بدلے ملی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے عدل کا یہی معنی ہے جیسے قدریہ کا زعم ہے۔ کہ توحید اللہ تعالیٰ کے صفات کے انکار اور تقدیر کے نہ ماننے کا نام ہے:

فصل تثبیط کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ (اور اگر یہ لوگ (دل میں گھر سے) نکلنے کا ارادہ رکھتے ہوتے تو اس کے لئے کچھ تیاری کرتے پر کرتے مگر اللہ کو ان کا جگہ سے ہلنا ہی ناپسند ہوا تو اس نے ان کو احدی بنا دیا اور (گویا ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں اور ہارے ، ماندے بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو):

تثبیط کا یہ معنی ہے کہ آدمی جس کام کو کر رہا ہو۔ اس سے اس کا ہٹا دینا۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کو جانے کے لئے منافقین کی اعانت نہ فرمائی اور ان کو اس کام کے کرنے سے کاہل اور سست بنا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کو روک دیا۔ مقاتل کا قول ہے۔ کہ ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی۔ کہ وہ گھروں میں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہیں۔ اللہ سبحانہٗ نے اس تثبیط اور خذلان کی حکمت بھی اس آیت کے ما قبل اور ما بعد بیان فرما دی ہے:

چنانچہ فرمایا ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

Marfat.com

الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ (پیچھے رہ جانے کے لئے تم سے خواہاں اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو اللہ کا اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں تو اپنے شک (کی حالت) میں حیران ہیں (کہ کیا کریں نہ کریں) الخ"

جب وہ اللہ اور دن قیامت پر ایمان نہ لائے۔ اس چیز میں شک وشبہے کرنے لگے جس میں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے کام اور اس کی طاعت میں جانے کا ارادہ نہ کیا۔ اور نہ اس کے لئے مستعد و آمادہ ہوئے۔ اور نہ ہی اس کی خاطر کسی قسم کا کوئی سامان تیار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا جہاد میں جانا پسند نہ فرمایا۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ۔ اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کو نہ مانے۔ اللہ کا وہ دین جس کو تمام مخلوق میں سے اپنے زیادہ پیارے اور بزرگ تر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ظاہر فرمایا ہے قبول نہ کرے اس بے بہا نعمت کا قدر نہ سمجھے۔ اور اس کا شکر بجا نہ لائے۔ بلکہ اس کا انکار وکفران کرے۔ تو ایسے شخص کی طاعت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس کے جہاد میں جانے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں رکھتا۔ اس لئے اللہ سبحانہ نے اس کو روک دیا۔ تاکہ جہاد میں اس کا جانا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے وقوع میں نہ آئے اور تقدیر میں اس کے دل میں یہ ڈال دیا کہ وہ اور بیٹھنے والوں کے ساتھ گھر میں بیٹھ رہے اس کے بعد، اللہ سبحانہ نے ان کو روک دینے کی مصلحت اور حکمت بیان فرمائی ہے۔ جو مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ (اگر یہ لوگ تم (مسلمانوں) میں (ملکر) نکلتے بھی تو بس تم میں اور زیادہ خرابیاں ہی ڈالتے اور تم میں فساد پھیلانے کی

Marfat.com

غرض سے تمہارے درمیان اِدھر کے اُدھر اور اُدھر کے اِدھر دوڑے دوڑے پھرتے، خبال بمعنے فساد و اضطراب ہے۔ یعنی اگر منافقین مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں جاتے تو ان کو خرابی میں ڈالتے اور ان کے درمیان اختلاف و اضطراب پیدا کر دیتے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی عاجزی اور بزدلی بڑھاتے یعنی مسلمانوں کے سامنے مخالفین کی عظمت و شوکت بیان کر کے ان کے دلوں میں ان کا رعب بٹھا دیتے۔ اور اس طرح وہ ان کے مقابلے سے بزدل ہو جاتے۔ پھر کہا ہے "وَلَاَوْضَعُوْا خِلَالَکُمْ" کا یہ معنی ہے کہ اے مسلمانو! منافقین تمہارے درمیان تفرقہ اور فساد ڈالنے کی غرض سے تمہارے بیچ جلدی جلدی اِدھر اُدھر گھومتے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ وہ تمہارے درمیان اختلاف و تفرقہ اندازی سے تمہاری قوت و شجاعت کو کمزور کر دیتے۔ جس سے مسلمان دشمن کے مقابلہ سے جی ہار دیتے۔ حسن نے کہا ہے کہ تمہارے معاملے کو بگاڑنے کے لیے تمہاری جماعت میں نمیمت اور چغلخوری کے ساتھ دوڑتے۔ کلبی کا قول ہے کہ تمہاری عیب جوئی کے لیے تمہارے مجمع میں گھومتے پھرتے۔ لبید نے کہا ہے "اَرَانَا مُوْضِعِیْنَ لِحَتْمِ غَیْبٍ ؛ وَنُسْحَرُ بِالطَّعَامِ وَبِالشَّرَابِ" ؛ یعنی موضعین کا معنی یہاں مُسْرِعِیْنَ تیز دوڑنے والے ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ کے اس شعر میں بھی ایضاع بمعنی اسراع ہے ؎

تَبًّا لَهُنَّ بِالْعِرْفَانِ لَمَّا عَرَفْنَنِیْ ۔۔۔ وَقُلْنَ امْرُءٌ بَاغٍ اَکَلَّ وَاَوْضَعَا

(یعنی میری پہچان والی عورتیں ہلاک ہوں جب انہوں نے مجھے پہچان لیا تو کہنے لگیں یہ شخص کسی چیز کی تلاش میں ہے۔ اور اس نے تیز رفتاری سے اپنی سواری کو تھکا اور ماندہ کر دیا ہے) ؛

وَفِیْکُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ (اور تم میں ایسے بھی ہیں جو ان کی سن لیتے ہیں۔)

Marfat.com

۱ قتادہؒ کا قول ہے کہ اے مسلمانو! تمہارے بیچ ایسے شخص بھی ہیں جو منافقین کی بات کو سنتے اور جو کچھ کہیں اس کو مان لیتے ہیں۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو منافقین سے محبت رکھتے اور ان کی بات اس لئے مان لیتے ہیں کہ وہ ان کو شریف سمجھتے ہیں۔ اس قول کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے بیچ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کفار کی بات کو مانتے ہیں اگر منافق ساتھ ہوتے۔ تو ایسے لوگوں کو تم سے بگاڑ دیتے۔ میں کہتا ہوں اس وقت لفظ سماعون قبول کرنے کے معنے کو متضمن ہوگا۔ مجاہد ابن زید اور کلبی نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو منافقین کے جاسوس ہیں جو باتیں تم سے سن جاتے ہیں وہ جا کر ان کے پاس بیان کرتے ہیں۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ یعنی بعضے مسلمان ایسے ہیں جو منافقوں کی جھوٹی باتیں قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے درمیان منافقوں کے کوئی جاسوس نہیں رہتے تھے۔ کیونکہ منافقین خود مسلمانوں کے ساتھ ہر وقت ملے جلے رہتے تھے۔ سفر میں ساتھ ہوتے۔ نمازیں مل کر پڑھا کرتے۔ اور مجلسوں میں شریک ہوتے۔ اور وہ کوئی علیحدہ نہیں رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کے بیچ اپنے جاسوس بھیج دیتے جو ان کی باتیں ان کے پاس آ کر بیان کرتے۔ جاسوس چھوڑنے کی اس شخص کو ضرورت پڑتی ہے جو خود کسی جماعت سے علیحدہ رہتا اس سے میل جول نہ رکھتا ہو۔ اور اس کے معاملات و حالات دریافت کرنے اسے مطلوب ہوں) غرض قتادہؒ اور ابن اسحاق کا قول صحیح ہے واللہ اعلم۔

اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ منافقین کا اللہ کی اطاعت کے لیے جانا تو اور، کہ

Marfat.com

فرمانبرداری و طاعت تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسے ناپسند فرمایا۔ اور جب اس کو ناپسند کیا تو اس کی ضد ضرور اس کو محبوب و پسندیدہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ جب کوئی چیز کسی کو ناپسند اور مکروہ معلوم ہو تو اس کی ضد ضرور اسے مرغوب و پسند ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ منافقین کا جہاد سے بیٹھ رہنا اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسند تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے اس کام پہ انہیں کیونکر معذب کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال بیشک بہت بڑا سوال ہے اور ہر ایک گروہ اپنے اصول کے مطابق اس کے جواب دیتے ہیں۔

جبریہ یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکمتوں اور مصالح پر مبنی نہیں ہیں۔ اور ہر ممکن کام کو وہ کر سکتا ہے۔ وہ چاہے تو پسندیدہ و محبوب کام کے کرنے اور ناپسند اور مکروہ افعال کے ترک کرنے پر بھی بندے کو عذاب میں مبتلا کرے سب کچھ اس کے نزدیک یکساں ہے اس فرقے نے حکمت اور تعلیل کا دروازہ اپنے اوپر بند کر دیا ہے۔

قدریہ اپنے اصول کے مطابق یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ در حقیقت اللہ سبحانہ نے ان کو نہیں روکا اور نہ ان کو جہاد میں جانے سے بند کیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو جہاد میں جانے سے روک دیا۔ اور اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے خلاف کام کیا۔ چونکہ ان کے جانے میں وہ فساد تھا۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اس لئے ان کے دلوں میں رسول کے ساتھ جہاد میں جانے کی کراہت ڈال دی تھی۔ اور اسی القاءِ کراہتِ خروج کو کراہت مشیت قرار دیا یعنی یہ کہ اللہ تعالےٰ کے ارادے میں جہاد کے لئے ان کا جانا ناپسند تھا ورنہ در حقیقت اللہ نے ان کے جانے کو ناپسند نہیں رکھا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے خود ان کو اس کام کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہو۔ اس کی

Marfat.com

بجاآوری کا حکم نہیں فرمایا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت روشن عطا فرمائی ہے وہ خوب سمجھتا ہے۔ کہ یہ دونو جواب کیسے بیہودہ اور کلام الہٰی کی دلالت سے بالکل بعید اور مخالف ہیں ؞

صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنی طاعت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اور نصرت اور مومنین کی امداد کے لئے ان کو جہاد میں جانے کا حکم دیا۔ اور ان کا یہ کام اللہ کو محبوب و پسند تھا اور ساتھ ہی اس کے اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ اگر وہ جائیں گے۔ تو ان کا جانا نصرت و امداد کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمراہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کا جانا آپ کے اور مومنین کے حق میں مضر ہوگا۔ اور ان سے ایسے حرکات سرزد ہونگے جو اللہ کو نا پسند۔ مبغوض اور مکروہ ہوں گی۔ اس لئے اس طور پر ان کا جانا اللہ کو نا پسند تھا گو جس ارادے اور کام کے لئے مسلمان جائیں گے ان کا جانا اللہ کو محبوب و پسند تھا۔ لیکن چونکہ اسے معلوم تھا کہ منافقین اس کام و ارادے کے لئے نہیں جائیں گے۔ جس کے لئے مسلمان گئے تھے اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ان کا جانا ناپسند رکھا۔ اور مسلمانوں کے موافق شامل جہاد نہ ہونے پر ان مستحق عذاب ٹھیرایا۔ یہ نہیں کہ جس طور پر ان کا جانا اللہ کو ناپسند تھا اس کے ترک کرنے پر عذاب میں گرفتار کرے گا۔ غرض افساد کی نیت سے جہاد میں شامل ہونا اللہ کی طاعت نہیں ہے اور نہ اس کی بجاآوری میں وہ ثواب کے مستحق ہو سکتے تھے اور نہ ہی یہ اللہ کو پسند و محبوب تھا۔ اور اس طور پر جہاد میں جانا جو اللہ کو ناپسند ہے اس کی دو ضدیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی اطاعت اور دین کی نصرت و حمایت کے لئے جانا جو اللہ کو محبوب پسند ہے۔ دوسرا یہ کہ جہاد میں شامل نہ ہونا اور گھر میں بیٹھ رہنا یہ کام بھی اللہ کو ناپسند و مبغوض

Marfat.com

ہے اور خروج بہ نیت فساد کا مکروہ اور مبغوضِ خدا ہونا اس کی مکروہ مبغوض ہونے کے منافی نہیں ہے. تو ہم سائل سے کہتے ہیں. کہ گھروں میں ان کا بیٹھ رہنا اللہ کو ناپسند ہے. لیکن یہاں دو چیزیں ایسی ہیں جو دونوں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں. لیکن ایک ان میں سے اسے اس لیئے زیادہ ناپسند ہے کہ اس میں زیادہ خرابی ہے. یعنی گھروں میں بیٹھ رہنا بھی بیشک اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے مگر بہ نیت فساد جہاد میں شامل ہونا اسے اور زیادہ ناپسند ہے اور وہ ان دونو بڑے کاموں میں سے ایک کام ضرور کرلے والے تھے. اس لیئے اللہ سبحانہٗ نے اس کام کو جو بُرائی میں بڑھا ہوا تھا ہٹا کر دوسرے کو ان سے سرزد کرایا یعنی ، منافقین کے گھر میں بیٹھ رہنے میں اس قدر خرابی نہ تھی جو ان کی شمولیت کی صورت میں تھی کیونکہ ان کا جانا مسلمانوں کے لیئے باعث تفرقہ و فساد و خرابی تھا. اس لیئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو گھروں میں بٹھا دیا. یہ مقام غور کرنے کے قابل ہے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالےٰ نے اُس طور پہ جہاد میں جانے کی انہیں توفیق کیوں نہ بخشی. جس طور پہ اس کو محبوب و پسند تھا. اور جس طریق پہ مسلمان لوگ گئے تھے. میں کہتا ہوں ایسے سوالات کا جواب پہلے کئی دفعہ گذر چکا ہے. اللہ تعالےٰ کی حکمت کا یہ تقاضا نہیں. کہ وہ ایسے لوگوں کو توفیق عطا فرماتے. جو اس کے اہل نہ ہوں. اللہ تعالےٰ جس کو اپنی ہدایت. توفیق اور فضل سے سرفراز کرتا ہے. اس کی قابلیت کو وہی خوب جانتا ہے. اور ہر شخص ان نعمتوں کے قابل نہیں. اور کسی چیز کو اس کے مناسب محل میں نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے. اس پہ اگر یہ شبہ کیا جائے. کہ سب آ[illegible]یوں کو یکساں ان نعمتوں کا قابل و اہل کیوں [illegible] بنا دیا. تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کی مساوات کر دینا اس کی ربوبیت و ملک کے کمال اور خلق اور امر میں اس کے اسماء و صفات

Marfat.com

کے آثار کے ظہور کے خلاف ہے اگر وہ اس طرح کر دیتا تو بیشک سب لوگوں کا ہدایت اور اس کی طاعت میں ہونا اس کو محبوب و پسندیدہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنے ذکر، شکر، طاعت، توحید اور عبادت کو پسند فرماتا ہے لیکن اس میں وہ باتیں نہ پائی جاتیں جو اس کو تمام مخلوق کے یکساں مومن و مطیع ہونے سے زیادہ پسند و محبوب ہیں یعنی وہ ان باتوں کو پسند رکھتا ہے کہ اس کے نافرمان لوگوں سے جہاد کیا جائے۔ اور ان سے انتقام اور بدلہ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں اور اولیاء کے قدر و شرف کو بڑھائے۔ اور ان کو اپنے فضل کے ساتھ خاص فرمائے اور وہ اس کے نافرمانوں کی دشمنی میں اپنی جانیں بھی ہار دیں۔ اس کی عزت، قدرت سطوت اور مخالفین پر سخت گیری ظاہر ہو۔ ان کے علاوہ مساوات نہ کرنے میں اس قدر بیشمار حکمتیں ہیں۔ جن کے احاطہ کرنے سے بڑے سے بڑے صاحب علم و معرفت قاصر ہیں۔ اور جس قدر حکمتیں معلوم کی ہیں ان سے ان کی نسبت یہی ہے جیسے کہ ایک چڑیا سمندر میں سے ایک بار اپنی چونچ میں پانی اٹھا لے۔

فصل - تزئین کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (اسی طرح ہم نے ہر فریق کے اعمال اُن کو عمدہ کر دکھائے ہیں) وقال تعالےٰ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (تو کیا وہ شخص جس کو اس کا عمل بد را غوائے شیطانی کی وجہ سے) اچھا کر دکھایا گیا ہے اور وہ (خواہش نفسانی کی پیروی کر کے) اس کو اچھا سمجھتا ہے (کہیں ایماندار نیکوکار کے برابر ہو سکتا ہے) بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔ قال تعالےٰ) زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور شیطان نے

اپنے برے کاموں کو خوبصورت کر دکھانا ۱۲

Marfat.com

ان کے بُرے) کام ان کو اچھے کر دکھائے) اللہ سبحانہ نے کبھی اس لحاظ سے کہ تزیین اس کی مشیت و خلق سے ہے اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے جیساکہ پہلی آیت میں ہے اور کبھی اس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا جیساکہ دوسری آیت میں اور کبھی اس کے سبب اور اس شخص کی طرف منسوب کر دیا جس کے ذریعہ اس کا ظہور ہوا۔ تزیین اللہ سبحانہ کی طرف سے نہایت حسن اور عمدہ چیز ہے کہ اس طرح بندوں کا امتحان اور ان کی آزمائش ٹھیک طور ہو جاتی ہے مطیع - عاصی - مومن اور کافر میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (جو کچھ روئے) زمین پر ہے ہم نے اس کو (روئے زمین کی رونق کا موجب) بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون اچھے عمل کرتا ہے) اور یہی تزیین شیطان کی طرف سے قبیح ہے۔ اس کے علاوہ اللہ سبحانہٗ کا اپنے بندے کو کوئی بُرا کام اچھا کر دکھانا۔ اس کے توحید و عبودیت سے اعراض کرنے اور نیک کام چھوڑ کر بُرا کام پسند کرنے کی سزا ہوتی ہے یہ ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ پہلے بندے کو نیک و بد سب تبلا دیتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ خود بُرے کام کو پسند اور اختیار کرے اور وہی اسے بھلا معلوم ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کی نظر میں اُس کام کو مزیّن کر دیتا۔ اور بعد اس کے کہ اس کی قباحت اس کو بتا دی تھی۔ اس کی بُرائی پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ ہر ایک ظالم۔ فاجر اور فاسق کی نسبت اللہ کا یہی دستور جاری ہے کہ پہلے اس کو اس کے ظلم۔ فجور اور فسق کی برائی جتا دیتا ہے۔ مگر جب وہ سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے۔ تو ان کی برائی اس کی نظر سے اٹھ جاتی ہے۔ اور سزا کے طور پر اللہ تعالٰے اس کی نظر میں ان کو مزیّن و خوبصورت کر دیتا ہے۔ ظلم وغیرہ کی برائی اس نورِ عقل کے ذریعہ اس پر ظاہر کرتا ہے جو اس

Marfat.com

کے دل میں رکھا گیا۔ بندے پر اللہ کی حجت ہے لیکن جب بندہ سرکشی اور ظلم میں حد سے بڑھ جائے۔ تو وہ نور چلا جاتا ہے اور بندہ جہالت فسق اور ظلم کی تاریکیوں میں پڑ کر اس کی برائی کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور باوجود اس کے انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کرنے اور نور عقل کے ذریعہ نیک و بد پر آگاہی بخشنے سے اللہ تعالٰے کی حجت بندے پر قائم ہو چکی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا بُرے کاموں کو مزین کرنا عین عدل اور اس سے بندے کو سزا دینا سراپا حکمت ہے۔ اور شیطان کا بُرے کاموں کا مزین کر دکھلانا اغوا اور ظلم ہے اور شیطان کا یہ فعل ایک ایسا سبب ہے جو خود بندے کی ذات سے خارج اور باہر ہے اور ایک سبب ایسا بھی موجود ہے جو بندے کی ذات میں داخل ہے یعنی بندے کا اپنی مرضی سے کسی کام کو پسند یا ناپسند کرنا اور اس کے ساتھ محبت یا اس سے اعراض کرنا۔ اور سب کا خالق وہی اللہ سبحانہ ہے اور سب کچھ اس کی مشیت اور قدرت سے وقوع میں آتا ہے۔ اگر چاہتا تو سب مخلوق کو ہدایت کر دیتا۔ معصوم وہی ہے جسے اللہ معصوم رکھے اور مخذول (گناہ گار) وہی ہے جس کی اللہ اعانت نہ کرے خلق۔ امر کا وہی مالک ہے۔ اس کی ذات بابرکت ہے۔ اور وہ سب جہان کا پروردگار ہے ؛

فصل۔ بعض بندوں کی ہدایت کی نسبت اللہ سبحانہ کی مشیت و ارادہ نہ ہونے کے بیان میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی ان کے دلوں کو معصیت کی گندگی سے پاک کرنا نہیں چاہتا) وقال تعالٰے وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (ہم چاہتے تو دنیا ہی میں ہر شخص کو ایسی سوجھ عنایت کرتے کہ وہ سیدھے رستے پر آجاتا) وقال تعالیٰ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ

تمہیں مجبور کرو گے (اور) اے پیغمبر، تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، اور کسی چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی عدم مشیت اس کے عدم وجود کو مستلزم ہے جیسا کہ کسی چیز کی مشیت اس کے وجود کو مستلزم ہے۔ پس جس چیز کا وجود اللہ کی مشیت میں ہے وہ ضرور موجود ہوگی۔ اور جس کا وجود اس کی مشیت میں نہیں اس کا موجود ہونا محال ہے۔ اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ بندے جس چیز کی مشیت و ارادہ کرتے ہیں یا کوئی کام ان سے سرزد ہوتا ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بعد ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (اور تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے) وقال تعالیٰ وَمَا يَذْكُرُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (اور بے مشیت الٰہی تو یہ لوگ) سوچنے (سمجھنے) والے نہیں ہیں) اگر کوئی یہ سوال کرے کہ بندے کے کسی کام کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو تو کیا اس وقت اس کام کا کرنا بندے کی قدرت میں ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بندے کی قدرت سے یہ مراد ہو کہ اس کے وہ آلات جن کے ذریعے وہ کام کر سکتا ہے۔ سالم اس کے اعضا صحیح اور اس کے تمام قویٰ برقرار ہوں اور نیز اس کام کے اسباب بہم پہنچانے پر وہ قادر ہو اور اس کے سرانجام کی راہیں اس کے لیے سہل و آسان ہوں۔ تو اس اعتبار سے اس کام کا کرنا بندے کی قدرت میں ہے اور اگر قدرت سے وہ قدرت مراد ہو جو مقارن فعل اور اس کی موجب ہوتی ہے۔ اور جب وہ موجود ہو تو فعل کا وقوع میں آنا ضروری ہو جاتا ہے۔ تو اس اعتبار سے وہ کام بندے کی قدرت میں نہیں ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قدرت افعال دو قسم ہے۔ ایک قدرت مصحح[1] یعنی افعال کے اسباب

[1] یعنی وہ قدرت جو احکام الٰہی کے ساتھ مکلف ہونے کو صحیح کرنیوالی ہے ۱۲ مترجم

Marfat.com

شروط اور آلات کا صحیح وسالم و مہیا و موجود ہونا۔ اور احکام الہٰی کے مکلف ہونے کی مدار اسی قدرت پر ہے۔ اور یہ فعل سے پہلے ہوتی اور اس سے فعل کا وقوع میں آنا ضروری نہیں ہوتا۔ دوم وہ قدرت جو فعل کے مقارن اور اس کو مستلزم ہوتی ہے اس کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وقوع ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہ قدرت احکام الہٰی کے ساتھ مکلف ہونے کی شرط نہیں اور نہ تکلیف کی صحت اور حسن اس پر موقوف ہے۔ پس اس شخص کا ایمان اور اس شخص کی طاعت کہ جن کا ایمان و طاعت اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہ ہوں۔ قدرت کے پہلے معنی کے لحاظ سے بندے کی قدرت و اختیار میں ہیں۔ اور دوسرے معنے کے اعتبار سے بندے کی قدرت میں نہیں۔ امید کہ اس تحقیق سے وہ شبہ جو تکلیف مالا یطاق کے متعلق پیدا ہوتا ہے دور ہو جائے گا اور انشاء اللہ اپنے موقع پر وہ بیان ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جس شخص کی نسبت اللہ تعالےٰ کو معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ اس کے واسطے اللہ تعالےٰ نے ایمان لانے کی قدرت پیدا کی ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے واسطے قدرت مصحح جو فعل سے متقدم اور امر و نہی کے ساتھ مکلف، ہونے کی مدار ہے پیدا فرمائی ہے اور اس کے واسطے وہ قدرت پیدا نہیں فرمائی جو فعل کی موجب اور مستلزم ہوتی ہے اور جس سے فعل کا تخلف درست نہیں۔ پس یہ دوسرے قسم کی قدرت بخشنا محض اس کا فضل ہے۔ جسے چاہے عنایت کرے اور وہ پہلی قدرت عطا کرنا اس کا عدل ہے۔ جس سے بندوں پر اس کی حجت قائم ہوتی ہے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب کسی بندے کے لئے یہ قدرت اللہ تعالےٰ نے پیدا نہ فرمائی ہو تو وہ کوئی کام کرسکتا ہے تو کہا جائے گا کہ یہ وہی پہلا سوال ہے اور اس کا جواب بیان ہو چکا ہے۔

Marfat.com

فصل۔ اماتت قلوب (کفار کے دلوں کو مردہ کر دینے) کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (بے شک تم مردوں کو (اپنی باتیں) نہیں سنا سکتے) وقال تعالیٰ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (کیا (ایک شخص) جو (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس میں جان ڈالی اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں (خاص طرح) چلتا پھرتا ہے (کیا) وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں (گھر پڑا) ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا) وقال تعالیٰ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (کہ جو زندہ (دل ہوں ان کو عذاب خدا) سے ڈرائے) وقال تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ((اور اے پیغمبر) جو لوگ قبروں میں (مدفون) ہیں تم ان کو (اپنی باتیں) سنا نہیں سکتے) سو اللہ تعالیٰ نے کافر کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ مردہ اور اصحاب قبور کی مانند ہے۔ اور دل زندہ وہی ہے جو حق کو پہچانے اُسے قبول کرے۔ اس سے اس کو محبت ہو۔ اور اس کے مقابل تمام چیزیں چھوڑ کر اسے اختیار کرے۔ جب دل مر جاتا ہے۔ تو اس میں کسی قسم کا حق و باطل کو محسوس کرنے اور ان کے درمیان امتیاز کرنے کا مادہ نہیں رہتا۔ اس لئے وہ حق کا ارادہ اور باطل سے نفرت نہیں کرتا جس طرح جسد مردہ کہ وہ کھانے پینے کی لذت اور ان کے نہ ملنے کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتا۔ اور اس کے بالمقابل اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب اور وحی کی نسبت یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ وہ روح ہے جس سے دل کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ ہر ایک دل فطرۃً زندہ ہوتا ہے پھر جس نے نور وحی کو قبول کیا تو روح وحی سے اس کی حیاتی اور زیادہ ہو جاتی اور حیاتی پر حیاتی اور نور پر نور حاصل ہو جاتے ہیں یعنی پہلے ایک تو نور فطرت

Marfat.com

حاصل تھا۔ اور اس کے ساتھ نور وحی ملکر نورٌ علی نور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یُلْقِی الرُّوحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ (اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے اختیار سے وحی بھیجتا ہے) وقال تعالیٰ وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنَاہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا (اور (اے پیغمبرؐ) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے (دین کی) جان (یعنی یہ کتاب) تمہاری طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے تم نہیں جانتے تھے۔ کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ (یہ جانتے تھے کہ) ایمان (کس کو کہتے ہیں) مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنا دیا ہے۔ کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں (دین کا) راستہ دکھا دیتے ہیں) پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو روح اس لئے فرمایا ہے۔ کہ اس سے دل کو حیاتی حاصل ہوتی ہے۔ اور نور اس لئے فرمایا۔ کہ اُس کے ذریعہ ہدایت اور روشنی ملتی ہے۔ یہ نور اور حیات فطرت کے علاوہ ہیں۔ پس یہ نورٌ علی نور اور حیات بعد حیات ہیں۔ اسی لئے، اللہ سبحانہٗ نے اس شخص کی نسبت جو نور و حیات وحی سے محروم ہو مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ کہ یہ اس شخص کی طرح ہے جو آگ کو روشن کرے جب آگ سے آس پاس کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ تو وہ آگ بجھ جائے یا اس شخص کی مانند ہے۔ جس کو بارش کے منافع کے بجائے کڑک۔ اندھیرے۔ گرج اور بجلی حصے میں آئے۔ آگ جلانے والے نے آگ سے روشنی حاصل کر کے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اور دوسرا شخص پانی کی خاصیت حیات سے مستفید نہ ہوا۔ اسی واسطے سورہ رعد میں ان دونو مثالوں کو بیان فرما کر سمجھایا ہے۔ کہ جس نے قرآن کو مان لیا اس کو زندگی اور نور حاصل ہو گئے۔ اور جس نہ مانا وہ تاریکی میں پڑا رہا۔ اور وہ مردوں میں داخل ہے۔ جس شخص سے اللہ سبحانہٗ نور وحی

Marfat.com

روک دے اس کی نسبت بیان فرمایا ہے کہ وہ تاریکی میں پڑا ہے۔ اپنی طرف سے اُسے کوئی نور حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِ اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ (ہی کے نور سے) آسمان و زمین کی روشنی ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے (اور) طاق میں ایک چراغ (رکھا ہے اور) چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے (اور) قندیل (اس قدر شفاف ہے کہ) گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے (وہ چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ جو نہ پورب کے رخ واقع ہے نہ پچھم کے رخ (اس کا تیل اس قدر صاف ہے کہ) اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ (آپ سے آپ) جل اٹھیگا (غرض ایک نور نہیں بلکہ) نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (یعنی نور پر نور) اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے) ؛ اس کے بعد اس شخص کا حال بیان فرمایا ہے ؛ جو اس نور سے بے بہرہ ہے :۔

چنانچہ فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰیٓ اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا وَّوَجَدَ اللّٰہَ عِنْدَہٗ فَوَفّٰہُ حِسَابَہٗ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰىھَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ (اور جو لوگ منکر (اسلام) ہیں ان کے اعمال (نرے دھوکے کی ٹٹی ہیں) جیسے چٹیل میدان میں چلکتا ہوا ریت کہ پیاسا اس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے۔

Marfat.com

یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا۔ تو اس کو کچھ بھی نہ پایا (اور پیاسا تڑپ تڑپ کر مر گیا) اور (دیکھا تو) خدا کو اپنے پاس موجود پایا اور اس نے (اس کے اعمال کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ جھٹکے بھر میں حساب کرنے والا ہے دیا ان کے اعمال کی مثال (بڑے گہرے دریا کے اندرونی اندھیروں کی سی رہے) کہ دریا کو لہر نے ڈھانک رکھا ہے اور (لہر بھی ایک نہیں بلکہ) لہر کے اوپر لہر اس کے اوپر بادل (غرض) اندھیرے ہیں۔ ایک کے اوپر ایک کہ (دریا کی تہ میں کوئی آدمی) اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ اس کو دیکھ سکے اور جس کو اللہ ہی نور (یعنی ہدایت) نہ دے تو اس کو (کسی طرف سے بھی) نور (کا سہارا نہیں)

مسند میں عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنے نور کا پرتو ڈالا۔ سو جس شخص کو اسی نور سے حصہ ملا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جو اس سے بے بہرہ رہا وہ گمراہ ہوا۔ اسی واسطے تو میں یہ کہتا ہوں۔ کہ اللہ کے علم کے مطابق سب کچھ لکھا گیا ہے۔ نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ مَنْ یَّشَاءِ اللّٰہُ یُضْلِلْہُ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْہُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں (ان کی مثال ایسی ہے جیسے) اندھیروں میں بہرے اور گونگے (رہتے ہیں) خدا جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے اُسے راہ راست پر لگا دے) اور یہ تاریکیاں جو کفار کے لئے ہیں ان انوار کی ضد ہیں۔ جن سے مومن مالا مال ہیں۔ اوّل تو مومن کے دل میں نور ایمان بھرا ہے اس کے بعد کی آمد و رفت۔ رفتار۔ گفتار سب نور ہی نور ہیں۔ مومن کا علم بھی سراسر ہدایت و نور ہے اور اس کا مآل کار بھی نور کی طرف ہے۔ اور کافر کے تمام امور مومن

Marfat.com

کے برخلاف ظلمت اور تاریکی ہیں۔ اور چونکہ نور اللہ سبحانہٗ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات پاک میں سے ہے۔ اس لئے ایمان والوں کا دین۔ رسول۔ کلام اور گھر سب روشن اور نور ہیں۔ اور یہ نور اس کے ایمان والے بندوں کے دلوں میں چمکتا۔ ان کی زبانوں پر جاری اور ان کے چہروں پر نمایاں ہوتا ہے اور اسی طرح چونکہ مومن اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک میں سے ہے۔ اس لئے نعمت ایمان اس شخص کو عطا فرماتا ہے جو اس کا محبوب ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس چونکہ احسان اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا نام محسن ہے اس لئے محسنین سے محبت رکھتا ہے اور وہ صابر ہے۔ شاکر۔ عفو۔ (معاف کرنے والا) صاحب حیا۔ پردہ پوش۔ قوی۔ علیم۔ جواد۔ جمیل۔ بر (نیکی کرنے والا) رحیم عدل۔ رشید ہے۔ اور صابرین۔ شاکرین۔ درگذر کرنے والوں۔ حیاداروں پردہ پوشوں۔ قوی مومنین اپنے علم والے بندوں۔ سخی لوگوں۔ اہل جمال نیکوکاروں۔ رحم کرنے والوں۔ انصاف پرستوں اور اہل رشد سے اسے محبت ہے۔ اور وہ (اپنی مخلوق میں سے) جسے چاہے ان اوصاف میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف کرے اور جسے ان صفات سے محروم رکھے اور ان کے برخلاف بری اوصاف اس میں پیدا کرے۔ اگر کوئی نیک صفت کسی بندے میں پیدا کردے۔ تو یہ اس کا محض فضل ہے اور وہی فضل عظیم کا مالک ہے اور اگر کسی کو محروم رکھے تو یہ اس کا عین عدل ہے؛

فصل بعض دلوں کو سخت کردینے کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (پس ان ہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو پھٹکار دیا اور ان کے دلوں کو سخت کردیا

Marfat.com

ذکر تورات کے) لفظوں کو ان کی جگہ (یعنی اصلی معنوں) سے پھیرتے ہیں اوران کو جو نصیحت کی گئی تھی۔ اس میں ایک (بڑا) حصہ یعنی (پیغمبرِ آخرالزمان پہ ایمان لانا) بھلا بیٹھے) ؛

قسوت بمعنے شدت و صلابت ہے ۔ عرب کہا کرتے ہیں۔ حجر قاس (سخت پتھر) ارض قاسیۃ وہ زمین جس میں کوئی روئیدگی پیدا نہ ہو۔ ابن عباس نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰے نے کفار کے دلوں کو ایسا سخت کر دیا۔ کہ وہ ایمان قبول نہیں کر سکتے۔ حسن کا قول ہے کہ وہ بند کر دیئے گئے ہیں۔ دل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک خشک اور سخت جو حق کی صورت کو قبول نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں منقش ہو سکتی ہے۔ اور دوسرا اس کی ضد ہے جو نرم محفوظ رکھنے والا اور مرض سے سالم ہو۔ یہ اپنی ملائمت اور نرمی کی وجہ سے حق کی صورت قبول کر لیتا اور تماسک کی وجہ سے اُسے محفوظ رکھتا ہے۔ تیسرا وہ جو بیمار ہو۔ وہ اپنی سستی کی وجہ سے جو کچھ اس میں منتقش ہو۔ اُسے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ جیسے تمام سیال چیزوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی نرمی کی وجہ سے دوسری چیز کی صورت قبول کر لیتی ہیں۔ لیکن سیال ہونے کی وجہ سے اس کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ بہترین دل وہ ہے جو مضبوط۔ صفا اور نرم ہو کیونکہ وہ اپنی صفائی کی وجہ سے حق کو دیکھتا اور نرمی کی وجہ سے اُسے قبول کر لیتا اور قوت کے سبب اُسے محفوظ رکھتا ہے ؛

مسند وغیرہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ بندوں کے دل اللہ تعالٰے کے برتن ہیں جو اس زمین میں رکھے ہیں۔ ان میں جو دل کہ زیادہ مضبوط۔ رقیق اور صفا ہو وہ اللہ کو بہت پیارا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے دل کی تمام قسمیں اپنے اس قول میں ذکر فرمائی ہیں۔ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ

Marfat.com

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ (ایسے معاملات میں منظور خدا یہ رہا ہے کہ اس (وسوسے) کو جو شیطان نے ڈالا ہے ان لوگوں کی آزمائش (کا ذریعہ) گردانے جن کے دلوں میں (بدعقیدگی کا) مرض ہے اور ان کے دل سخت ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ (یہ) ظالم (یعنی کافر) تو پرلے درجے کی مخالفت میں (پڑے) ہیں اور (اسے پیغمبر نیز ایسے معاملات میں خدا کو یہ منظور (رہا) ہے کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جان لیں کہ (وحی برحق رہی ہے) اور تمہارے پروردگار (کی طرف) سے (نازل ہوئی) ہے اور (یہ سمجھ کر) اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل خدا کے آگے گڑگڑانے لگیں)،،

اللہ سبحانہ نے پہلے اس بیمار دل کا ذکر کیا ہے۔ جو کمزور اور ناتوان ہے جس میں حق کی صورت ثابت اور قائم نہیں رہ سکتی۔ اور نیز اس سخت اور خشک دل کا بیان ہے جو صورتِ حق قبول نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں منتقش ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں دل شقی ہیں جو عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اس کے بعد دل کے تیسرے قسم کا ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور کی یاد سے مطمئن ہوتا ہے۔ اور یہی قرآن سے منتفع ہوتا اور اس کے ذریعہ پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ کلبی نے فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ کی تفسیر میں کہا ہے۔ کہ ان کے دل قرآن کے سامنے نرم ہو جاتے ہیں۔ اور خود اللہ سبحانہ نے اخبات کی حقیقت اور مخبتین کے اوصاف اپنے اس قول میں بیان فرما دیئے ہیں۔ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ

Marfat.com

عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (اور (اے پیغمبرؐ) عاجزی کرنے والے بندوں کو جنت کی خوشخبری سنا دو (جو) ایسے (نیک ہیں) کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جو مصیبت (ان پر آپڑے اس پر صبر کرتے اور نمازیں پڑھتے اور جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں) ؛

اللہ تعالیٰ نے مخبتین کی چار علامتیں ذکر فرمائی ہیں (۱) یہ کہ اللہ کی یاد کے وقت ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ یعنی ہیبت اور محبت کے ساتھ ان کے دلوں پر خوف طاری ہوتا ہے (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہوکر مصائب میں صبر اختیار کرتے ہیں (۳) یہ کہ نماز کو ظاہری اور باطنی ارکان کے ساتھ قائم رکھتے ہیں (۴) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے اور اس کے بندوں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک سے پیش آتے ہیں یہ سب باتیں اسی دل کو حاصل ہوتی ہیں جو صفت اخبات سے موصوف ہو۔ ابن عباسؓ نے مخبتین کی تفسیر میں متواضعین مجاہد نے مطمئنین الی اللہ اخفش نے خاشعین اور ابن جریر نے خاضعین کہا ہے۔ زجاج نے کہا ہے اخبات خبت سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ہیں زمین پست۔ پس مخبت بمعنے متواضع ہے اور اخبات سے یہ مراد ہے کہ تواضع اور خشوع سے اللہ کے سامنے تمام اعضا ساکن و برقرار ہوں۔ اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ جب اخبات بمعنے تواضع و خشوع ہے۔ تو وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ الی کے ساتھ کیسے متعدی ہوا۔ تو یہ اس کا جواب ہے کہ یہاں انابت۔ توبہ اور اطمینان کے معنی کو متضمن ہے۔ اس مقام میں سلف صالحین کے اسی قسم کے اقوال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قلب مخبت قلب مریض اور قاسی کی ضد ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہٗ کے اختیار میں ہے کہ جن دلوں کو چاہے

Marfat.com

مخبت بنا دے اور جن کو چاہے قاسی کر دے اور اسی نے قسوت اور اخبات کی علامتیں اور آثار بنائے ہیں۔ قسوت قلب کی ایک یہ نشانی ہے۔ کہ کلمات الہی کو اپنے معانی سے پھیرنا جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ غلط فہمی اور برے ارادے سے کرتے ہیں اور ان دونوں کا منشاء دل کی سختی ہے۔ قسوت قلب کی ایک یہ نشانی ہے کہ وعظ و نصیحت اور احکام الہی کو بھول جانا یعنی علماً و عملاً ان کو ترک کر دینا۔ اور اخبات کے علامات سے یہ چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کے وقت دلوں کا کانپ اٹھنا۔ تقدیر الہی پر صابر رہنا۔ اخلاص، عبودیت۔ احسان الی الخلق یہ سب پہلے مذکور ہو چکی ہیں :

فصل۔ سینے کے تنگ اور ضیق کرنے کا بیان۔ کہ اللہ تعالیٰ کفار کے سینوں کو ایسا تنگ کر دیتا ہے۔ کہ وہ ایمان کو قبول نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے راہ راست دکھائے اس کے سینے کو (قبول) اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اسکے سینے کو تنگ (اور گھٹا ہوا) کر دیتا ہے۔ گویا اس کو آسمان میں چڑھنا پڑھتا ہے) تمام اہل لغت کا یہی قول ہے کہ حَرَج اس چیز کو کہتے ہیں جو نہایت تنگ ہو۔ رَجُلٌ حَرِجٌ وہ آدمی جس کا سینہ نہایت تنگ ہو ایک شاعر نے کہا ہے لَا حَرِجُ الصَّدْرِ وَلَا عَنِيفٌ یعنی وہ شخص تنگ سینہ اور سخت طبع نہیں۔ عبید بن عمیر کا قول ہے کہ ایک دن عباسؓ نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا یہاں قبیلہ بنی بکر کا کوئی آدمی موجود ہے ایک آدمی بولا میں حاضر ہوں۔ ابن عباسؓ نے پوچھا تمہاری بولی میں حرجہ کس کو کہتے ہیں۔ اس نے کہا حرجہ اس وادی کو کہتے ہیں جس میں اس قدر گھنے درخت ہوں کہ اس میں چلنے کا راستہ نہ ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا کافر کا دل بھی

Marfat.com

اسی طرح ہوتا ہے کہ اس میں ایمان کا راستہ نہیں ہوتا۔ اور ایک دن عمرؓ بن خطاب نے اس آیت کو پڑھا تو فرمانے لگے کہ بنی کنانہ کو کوئی ایسا شخص میرے پاس لاؤ۔ جس نے کبھی گلہ بانی کی ہو لوگ ایک آدمی کو بلا لائے۔ امیر المومنین نے اس سے دریافت کیا اے جوان تمہاری زبان میں حرجہ کس کو کہتے ہیں اس نے کہا حرجہ اس درخت کو کہتے ہیں جس کے آس پاس کے درخت اسے اس طرح گھیر لیں۔ کہ اس تک کوئی چرندہ اور جنگلی جانور بھی نہ جا سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کافر کا دل بھی اسی طرح ہوتا ہے کہ اس تک کوئی چیز نہیں پہونچ سکتی یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کی تفسیر میں ابن عباس نے کہا ہے کہ کافر جب اللہ کا ذکر سنتا ہے تو اس کا منقبض اور تنگ ہوتا ہے اور جب بتوں کی عبادت کا ذکر سنتا ہے تو شاداور خوش ہو جاتا ہے اور چونکہ دل معرفت۔ علم۔ محبت اور انابت کا محل ہے اور یہ چیزیں اس میں تب داخل ہوتی ہیں کہ وہ ان کے لئے فراخ و کشادہ ہو۔ اسلئے اللہ سبحانہ جب کسی بندے کو ہدایت کرنی چاہتا ہے تو اس کے سینے کو فراخ اور کشادہ کر دیتا ہے اور یہ چیزیں اس میں داخل ہو کر اس میں ٹھیر جاتی ہیں۔ اور جب کسی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور یہ چیزیں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے لوٹ جاتی ہیں اور اس کے دل میں سکون نہیں پکڑتیں۔ ہر ایک برتن کا یہ دستور ہے۔ اگر پہلے خالی ہو پھر اس میں کوئی چیز ڈالی جائے تو اس کی مقدار کے موافق وہ چیز اس میں سما سکے گی۔ اور اگر اس مقدار سے زیادہ ڈالی جائے تو برتن کی تنگی کی وجہ سے وہ چیز اس میں نہیں سما سکتی اور وہ تنگ ہو جاتا ہے مگر مومن کے نرم دل کا یہ حال ہے کہ اس میں جس قدر ایمان اور علم ڈالا جائے تو وہ اسی قدر وسیع اور فراخ ہوتا جاتا ہے اور یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے جامع ترمذی وغیرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب (مومن کے) دل میں نور (ایمان) داخل ہوتا ہے تو وہ وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے

Marfat.com

صحابہ نے عرض کیا اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نشانی ہے آپؐ نے فرمایا دارِ آخرت کی طرف متوجہ ہونا. دنیا سے پہلو تہی کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے آمادہ ہونا انشرح قلب کی علامت ہے سینے کا کشادہ ہونا ہدایت کا بڑا سبب اور اس کا تنگ ہونا گمراہی کا بھاری موجب ہے۔

انشراح صدر اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے اور اس کی تنگی نہایت سخت مصیبت ہے۔ ایماندار کو دنیا میں جو کچھ مصائب و تکالیف پیش آئیں وہ دل تنگ نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں وہ خوش و خرم اور اس کا سینہ کشادہ رہتا ہے۔

اور جب ایمان قوی ہو جائے اور اس کی چاشنی دلوں کے اندر پوری طرح اپنا گھر بنائے۔ تو مومن دنیا کے مصائب میں اس قدر خوش اور منشرح الصدر رہتا اور اُسے وہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ کہ شہوات نفس کے پورا ہونے اور دنیا کی مرغوب چیزیں حاصل ہوتے میں وہ حظ اور لذت نہیں آتی۔ اور جب دنیا سے جدا ہوتا ہے تو اس جدائی پر اُسے وہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جو پہلی خوشی سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔ مومن کے دنیا سے رحلت کرنے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک نہایت تنگ قید خانے سے نکلکر ایک پر فضا وسیع اور حسب منشاء مکان میں جاکر آرام کرے۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے پھر جب اللہ تعالیٰ قیامت میں مومن کو اٹھائے گا تو اس وقت وہ خوشیاں حاصل ہوں گی جو پہلے سے کہیں بڑھ کر ہونگی۔ بلکہ پہلی خوشی کو اُسے کچھ نسبت ہی نہ ہوگی۔ غرض صدر جیسے کہ وہ ہدایت کا بڑا سبب ہے۔

اسی طرح وہ تمام نعمتوں کی جڑ اور ہر ایک خیر و خوبی کی بنیاد ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے یہ سمجھ کر کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کے سینے کو کشادہ نہ کرے تو وہ تبلیغ رسالت کے عظیم الشان منصب کے فرائض کو بجا نہیں لا سکتے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ میرے سینے کو کشادہ کر دے۔ اللہ سبحانہٗ نے شرح صدر کو منجملہ ان خاص نعمتوں کے ذکر فرمایا ہے جو خاتم النبیین والمرسلین پر انعام فرمائی ہیں۔ اور آپ کے متبعین کی نسبت فرمایا ہے کہ اس نے ان کے سینے اسلام کے لئے کشادہ کر دیئے ہیں۔ اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ کون سے اسباب ہیں جو سینوں کو کشادہ یا ان کو تنگ کر دیتے ہیں۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ سینہ کشادہ کرنے کا سبب وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کے اندر ڈال دیتا ہے۔ جب وہ نور سینے کے اندر داخل ہوتا ہے تو اس کی قوت اور ضعف کے موافق سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ نور نہ ملے تو سینہ تنگ اور تاریک رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ وہ نورانی کوشش سے حاصل ہو سکتا یا محض اللہ کی دین ہے۔ جسے چاہے عطا فرمائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوشش سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور کبھی بغیر کوشش کے بھی اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے مگر کوشش سے حاصل کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہے غرض سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ وہی سب تعریفوں کے لائق ہے اور سب خوبیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ بندہ بذاتِ خود کچھ نہیں کر سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اسباب اور مسببات کو پیدا کرتا اور جسے چاہتا عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا محروم رکھتا ہے۔ جب وہ بندے کے ساتھ بہتری کا، ارادہ کرتا ہے تو اُسے اس بات کی توفیق بخشتا ہے کہ وہ اس کی (نعمتوں) کی طرف متوجہ اور راغب ہونے اور اس کے عذاب سے ڈرنے میں حتی الوسع پوری کوشش کرتا ہے۔ اور یہی دونو یعنی رغبت اور ڈر توفیق کی جڑ ہیں۔ جس قدر رغبت اور خوف دل میں موجود ہوں گے۔ اسی قدر توفیق خیرات حاصل ہوگی اگر سائل یہ کہے کہ رغبت اور خوف کا پیدا کرنا بھی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں

Marfat.com

ہے بندے کا اس میں کیا دخل ہے تو ہم کہیں گے بیشک یہ محض اللہ کے فضل و منت سے حاصل ہوتی ہیں۔ بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس محل میں رکھتا ہے۔ جو ان کے لائق و سزاوار ہو۔ اور جو ان کے صالح و قابل نہ ہو اس سے ان کو روک دیتا ہے۔ اگر سائل کو یہ شبہ پیدا ہو کہ جو محل ان کے صالح و قابل نہیں ہے صالح و قابل نہ ہونے میں اس کا کیا قصور ہے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ صالح و قابل نہ ہونا ہی اس کا بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اس کی عدم قابلیت کا سبب اس کی وہ گمراہی ہے جس کو اس نے دیدہ دانستہ پسند و اختیار کیا۔ اللہ کی رضامندی اور اس کے حکم کے بجائے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔ اور گمراہی کو ہدایت سے اچھا سمجھا۔ اس منعم کی ناشکری جس نے طرح طرح کی نعمتیں انعام فرمائی تھیں اس کی الوہیت کا انکار اس کے ساتھ شرک کرنا اور اس کی خلاف مرضی کاموں میں کوشش کرنا۔ شکر۔ توحید۔ اور اس کے مرضیات میں کوشش کرنے کے بجائے یہ باتیں اسے بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ انہی باتوں سے وہ اپنے خالق و مالک کی توفیق کے قابل نہ ہوا۔ اس سے زیادہ اور کیا گناہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ حاکم و عادل کا ایسے شخص کو توفیق خیر سے محروم رکھنا اس کا عین انصاف ہے۔ اور جب اس پر ہدایت کے دروازے اور راہِ حق پانے کے راستے بند ہو گئے تو اس کا دل ایمان و اسلام کے داخل ہونے سے تنگ و تاریک ہو گیا۔ ایسا شخص ہزار معجزے اور صداقتِ اسلام کی لاکھوں نشانیاں دیکھے اُسے کبھی ہدایت نہیں ہوتی بلکہ اس کا کفر اور گمراہی ترقی کرتے ہیں۔ اور جب وہ مومن جس کے سینے کو اللہ نے ایمان و اسلام کے لئے کشادہ کر دیا ہے اس آیت کو اور جو کچھ اس میں توحید۔ اتمام حجت۔ عدل اور شان ربوبیت کی عظمت

Marfat.com

کے اسرار بیان ہیں ان پر غور کرے گا تو اس کے دل میں ایک خاص معرفت اور اس کے قلب میں کمال درجہ کی عبودیت پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ یقین کرے گا۔ کہ وہ ہر جہت اور ہر اعتبار سے خدا کا محتاج اور اس کا بندہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا رب اور اس کا مالک ہے۔ اشیاء کے ذوات۔ صفات اور افعال سب کا خالق و جاعل وہی ہے۔ جملہ امور اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ سب تعریفوں کی مستحق اسی کی ذات پاک ہے۔ تمام کاموں کی باگ اس کے ہاتھ میں اور سب کا مرجع اسی کی طرف ہے اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ہماری ناقص عقلوں کی سمجھ اور ہمارے عاجز ذہنوں کے ادراک سے بالاتر اور برتر ہے اور جو ظالم لوگ اس کے معنی کو بگاڑتے ہیں۔ ان کی خرافات سے یہ آیت منزہ و پاک ہے۔ گمراہی کے پردوں اور ان اصول و قواعد نے جن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا اس آیت کا مطلب سمجھنے سے ان کو روک دیا۔ یہ آیت اس توحید اور عدل کی مثبت ہے۔ جس کے واسطے اللہ سبحانہٗ انبیاء علیہ السلام کے مبعوث کرنے اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ عدل اُس چیز کا نام نہیں ہے۔ جس کے صفات اور تقدیر کے منکر لوگ قائل ہیں۔ نیز یہ آیت اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت۔ شریعت و تقدیر۔ اسباب اور احکام گناہ اور سزا کے ثبوت کو متضمن ہے۔ اس آیت نے قلب سلیم کے لئے اللہ تعالیٰ اس کے اسماء و صفات کمال و نعت جلال۔ شریعت و تقدیر کی حکمت۔ سزا میں اللہ تعالیٰ کے عدل۔ ثواب عطا فرمانے میں اس کے فضل کی معرفت کا ایک وسیع دروازہ کھول دیا ہے۔ نیز یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال توحید ربوبیت قیومیت اور الوہیت کو متضمن ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام امور کا مبداء، اور شروع اس کے ارادے سے ہے اور سب کا انجام اس کی

Marfat.com

کمال حکمت کی طرف ہے۔ اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو اللہ اپنی ہدایت سے نا س کرے اور اس کے سینہ کو اپنے دین و شریعت کے لئے کھول دے۔ اور گمراہ وہی ہوتا ہے جس کا سینہ اپنی معرفت و محبت کے قبول کرنے سے ایسا تنگ کر دے کہ گو یا وہ آسمان کی طرف چڑھتا ہے اور یہ اس کی قدرت سے باہر ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدر نہ سمجھے اس کی کمال ربوبیت کو نہ مانے۔ اس کی نعمت کا کفران کرے اور اس کی عبادت کے بجائے شیطان کی پرستش پسند رکھے۔ تو ایسے شخص کو یہ سزا دینا یعنی گمراہ کر دینا اللہ تعالیٰ کا کمال انصاف ہے۔ چونکہ اس نے پہلے خود ایسے ناشائستہ کام کئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر توفیق اور ہدایت کا دروازہ بند کر دیا اور اس پر گمراہی اور سرکشی کے دروازے کھول دیئے جس سے اس کا سینہ تنگ اور دل سخت ہو گیا اور اپنے رب کی پرستش کرنے سے اس کے تمام اعضاء معطل اور بیکار ہو گئے۔ اور اس کا تمام اندرون ظلمت اور تاریکی سے بھر گیا۔ اور سب گناہ اور قصور اسی کا ہے کہ اس نے ایمان اور طاعت سے اعراض کر کے اس کے بجائے کفر، فسق اور عصیان کو اختیار کیا۔ شیطان کی دوستی اسے بھلی معلوم ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی دوستی کو اس نے فضول سمجھا۔ اپنے مولیٰ کی طرف رجوع کر لے اور اپنی خواہش سے باز آنے کا خیال کبھی اس کے جی میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا خلاف کیا۔ کہ جو چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں ان سے محبت و دوستی اور جو اس کی محبوب و پسندیدہ ان سے بغض و عداوت رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی اور اس کے دوستوں سے دشمنی کا برتاؤ کیا۔ اللہ کی رضامندی میں ناخوش اور اس کے غضب میں خوش و خرم ہوا۔ ان سب باتوں کے ساتھ رات دن اللہ تعالیٰ کا احسان اس پر جاری ہے اس کے عطا کئے

Marfat.com

ہوئے گھر میں گذران کرتا۔ اس کی دی ہوئی روزی کھاتا اور اس کی نعمتیں کھاکر اس کی نافرمانی پر چست و چالاک ہوتا ہے پس اللہ سے زیادہ عادل اور منصف کون ہے کہ ایسے منکروں اور کافروں کو بھی اپنے احکام بھیجکر بھجا تا ہے

فصل۔ جب اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے سینے کو اس نور سے منور اور کشادہ کر دیتا ہے۔ جو اس کے دل میں ڈالتا ہے تو اس نور کے پرتو اور روشنی میں اپنے اسماء و صفات کے وہ حقائق اُسے دکھلاتا ہے جن میں علم و ادراک گم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بندے کا ان کی نفس الامری حقیقت سے پوری طرح واقف ہونا ناممکن ماہر ہے اور نیز اسی نور کے پرتو میں معارف ایمان اور عبودیت کے حقائق اور اس کو درست کرنیوالی اور بگاڑنے والی چیزیں۔ اسماء و صفات کی معرفت۔ ایمان و اخلاص اور احکام عبودیت میں جو اسی نور کی وجہ سے تفاوت ہوتا ہے یہ سب اس پر ظاہر فرما دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (کیا (ایک شخص) جو (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس میں جان ڈالی اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں (خاصی) طرح) چلتا پھرتا ہے (کیا) وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں (گھرا پڑا) ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا)۔

وقال اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے دل سے اس پیغمبر (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ کہ خدا اپنی رحمت میں سے تم کو دوہرا حصہ دے اور تم کو ایسا نور عنایت

Marfat.com

کرے (جس کی روشنی) میں چلو) سو اللہ سبحانہ اسی نور کے پرتو میں اپنے مومن بندے کے دل پر مثل اعلیٰ کی حقیقت منکشف فرما دیتا ہے جو اس کے قلب میں ایمان کے عرش پر مستوی ہوتی ہے پس وہ اپنے دل کی آنکھوں کے ساتھ اس رب کو مشاہدہ کرتا ہے۔ جو عظیم۔ ظاہر۔ قادر۔ اور اپنی ذات۔ صفات اور افعال میں تمام چیزوں سے بالا و بزرگ تر ہے۔ اور ساتوں آسمان اس کی ایک مٹھی میں اور ساتوں زمینیں اس کی دوسری مٹھی میں آسکتی ہیں۔ اور جو ساتوں آسمان ایک انگلی سے ساتوں زمینیں ایک انگلی سے تمام درخت ایک انگلی اور خاک تر جو زمین کی تہ میں ہے، کو انگلی سے پکڑ کر ان کو ہلائے گا اور فرمائے گا۔ کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ ساتوں آسمان اس کی ایک ہتھیلی میں ایسے ہیں جیسے ما آدمی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔ وہ سب چیزوں کو محیط ہے۔ اور اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ تمام مخلوق اس کے حصر و شمار میں ہے اور اس کے صفات کسی کے حصر میں نہیں آ سکتے۔ وہ تمام اشیاء کا مدرک ہے اور اس کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا۔ آدمؑ سے لے کر قیامت تک جتنے آدمی پیدا ہوں گے۔ اگر سب ملکر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا احاطہ کرنا چاہیں۔ تو اس کی ذات و صفات کا ہرگز احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد وہ بندہ اپنے پروردگار کو صفت علم میں ہر علیم سے فائق۔ صفت قدرت میں ہر قدرت والے سے بالاتر صفت جود میں ہر جواد سے بڑھ کر۔ صفت رحمت میں ہر رحیم سے زیادہ اور صفت جمال میں ہر جمیل سے نرالا دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جمال کی یہ کیفیت ہے کہ اگر تمام مخلوق کا جمال و خوبصورتی ایک شخص کو دی جائے اور پھر اسی قدر جمال ہر ایک مخلوق میں پایا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے جمال سے اس کی ایسی نسبت بھی نہیں ہو سکتی جیسے ایک مدہم چراغ کو آفتاب کی روشنی سے ہو سکتی ہے اور اسی طرح اگر تمام مخلوق کی قوتیں ایک شخص میں جمع ہوں۔ اور

Marfat.com

پھر ہر ایک کو اتنی قوت حاصل ہو۔ تو بھی اللہ تعالیٰ کی قوت سے اس کی وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک مچھر کی قوت کو حاملین عرش کی قوت سے نسبت ہے اور اگر تمام آدمیوں کی جود و سخاوت ایک آدمی میں موجود ہو۔ پھر سب میں اسی قدر سخاوت پائی جائے تو اللہ تعالیٰ کی جود و سخاوت سے یہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرہ پانی کو سمندر سے ہے اور اسی طرح تمام مخلوق کا علم اس کے علم کی نسبت ایسا ہے جیسا کہ سمندر میں سے چڑیا ایک بار اپنی چونچ میں پانی اٹھالے (بلکہ یہ نسبت بھی نہیں ہے) اور اس کے تمام صفات حیات۔ سمع۔ بصر اور ارادہ وغیرہ کی یہی کیفیت ہے اگر بحر محیط کو اتنے اور سات سمندر محیط ہوں اور ان سب کو روشنائی فرض کریں۔ اور تمام روئے زمین کے درختوں کو قلمیں تصور کریں اور ہر اس کے صفات کو لکھنے لگیں۔ تو یہ روشنائی اور یہ قلمیں سب ختم اور ختم ہو جائیں گی۔ اور اس کے صفات و کلمات کا پتہ نہ لگے گا۔ غرض وہ اپنے علم میں ہر عالم سے اپنی قدرت میں ہر قدرت والے سے۔ اپنے جود میں ہر جواد سے۔ اپنے غنا میں ہر غنی سے۔ اپنے علو اور بلندی میں ہر عالی و بلند سے۔ اپنی رحمت میں ہر رحیم سے فائق اور بالاتر ہے۔ وہ اپنے عرش پر مستوی اپنی مخلوق پر مستولی اور غالب اور اپنی مملکت کی تدبیر میں منفرد و یگانہ ہے۔ روزی کا تنگ یا زیادہ کرنا عطا کرنا محروم رکھنا۔ ہدایت۔ گمراہی۔ سعادت۔ شقاوت۔ موت۔ حیات۔ نفع و ضرر سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے اس کے سوا نہ تو کوئی مالک اور نہ ہی کوئی مدبر ہے۔ آسمان زمین میں ایک ذرہ بھر بھی کوئی شخص مستقل طور پر اس کے ساتھ اختیار نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کے ملک میں کسی کو شرکت اور حصہ داری ہے۔ وہ کسی وزیر معاون و مددگار کا محتاج نہیں۔ وہ کبھی غائب نہیں ہوتا۔ کہ کوئی شخص اس کا جانشین ہو۔ اور نہ تھکتا ہے کہ دوسرا شخص اس کی اعانت کرے

Marfat.com

اور کوئی شخص اسکی اجازت بغیر اس کے سامنے سفارش نہیں کر سکتا۔ معرفت کا یہ پہلا مقام ہے اس کے طے کرنے کے بعد بندہ ترقی کر کے مقام الہیت میں پہنچتا اور اللہ سبحانہ کو اپنے حال ہیں۔ امر و نہی۔ وعدو وعید۔ ثواب و عقاب اور فضل کے ساتھ آراستہ دیکھتا ہے۔ پس وہ اپنے پروردگار کو ان صفات کے ساتھ موصوف پاتا ہے۔ قیوم۔ متکلم۔ آمر و ناہی۔ اور محبت و بغض۔ رضا و غضب بھی اس کے صفات میں مشاہدہ کرتا ہے۔ نیز یہ دیکھتا ہے کہ اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ ان پہ کتابیں نازل فرمائیں۔ بندوں پر اپنی حجت کو قائم کیا اور ان پر اپنی نعمت کاملہ کو پورا فرمایا ہے۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے ہدایت کرے۔ اور جسے چاہے عدل و حکمت کے تقاضا سے اُسے گمراہ کرے وہ اپنے بندوں کی طرف اپنے حکم نازل فرماتا ہے۔ اور اس کے سامنے ان کے اعمال پیش کئے جائیں گے۔ ان کو عبث اور بیکار نہیں بنایا۔ بلکہ ہر حال۔ حرکت و سکون۔ ظاہر و باطن میں ان پر اس کا حکم جاری ہے غرض کسی لحظہ و لحہ میں اور کسی بات یا حرکت و سکون میں بندے اللہ تعالٰے کے حکم و امر سے باہر نہیں اور اسی نور کے پرتو میں بندے پر اس کام شریع کے مشروع کرنے میں اللہ تعالیٰ کا عدل۔ حکمت۔ رحمت۔ لطف۔ احسان و برّ منکشف ہوتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ احکام اس رب رحیم۔ محسن۔ لطیف۔ حکیم و قدیر کے احکام ہیں جس کی حکمت کے ادراک سے عقول قاصر ہیں۔ اور یہ وہ احکام ہیں کہ فطرت ان کی مقر اور ان کے نازل کرنے والے کی وحدانیت اور ان کے لانے والے کی رسالت اور نبوت کی شاہد ہے۔ اور اسی نور کے پرتو میں بندے پر باری تعالیٰ کے صفات کمال کا اثبات۔ اور ہر ایک قسم کے نقص اور نظیر و مثال سے اس کا منزہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یہ کہ سلسلہ ہستی میں جتنے کمالات ہیں۔ سب کا خالق اور معطی

Marfat.com

وہی ہے۔ اور اسی کی ذات ان کی سزاوار و زیادہ مستحق ہے اور تمام عیوب و نقائص سے اس کی ذات منزہ و پاک ہے اور اسی نور کے پر تو میں بندے پر معاد و دین آخرت اور اس کے متعلق جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ اس کے حقائق اس طرح منکشف ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا بندہ ان کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اس کو اس طرح کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اسماء و صفات، امر و نہی، و عد و عید کے متعلق جو کچھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے وہ سب کچھ مشاہدہ و معائنہ کر رہا ہے۔ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنی چاہتا ہے تو اس کا سینہ ان چیزوں کے لئے کھول دیتا اور وہ ان سب کے سمانے کے لئے وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور جس کو گمراہ کرنا چاہے تو اس کا سینہ ان چیزوں کے داخل ہونے سے تنگ کر دیتا ہے کہ ان چیزوں کو اس کے اندر جانے کے لئے کوئی راستہ اور سوراخ نہیں ملتا۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ عقلمند کے لئے مسئلہ تقدیر و حکمت سمجھنے کے لئے اور اس عدول و توحید پر مطلع ہونے کے لئے جو آیت ذیل میں مذکور ہیں یہ باب کافی ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىٕمًۢا بِالْقِسْطِؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُؕ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۫ (ترجمہ) اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی (گواہی دیتے ہیں اور نیز یہ کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ (کارخانہ عالم کو) سنبھالے ہوئے رہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں زبردست اور حکمت والا ہے۔

Marfat.com

سولہواں باب

ان احادیث کے بیان میں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں کہ جسطرح اللہ تعالیٰ اکیلا بندوں کی ذوات وصفات کا خالق ہے اسی طرح صرف وہی انکے افعال کا بھی خالق ہے

امام بخاریؒ نے کتاب خلق افعال العباد میں کہا ہے کہ ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا کہا کہ ہم سے مروان بن معاویہ نے بیان کیا کہا کہ ہم سے ابو مالک نے بیان کیا انہوں نے ربعی بن خراش سے انہوں نے حذیفہ سے روایت کیا کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے. کہ ہر ایک صنعت گر اور اس کی صنعت کا صانع اللہ تعالیٰ ہے. امام بخاری کہتے ہیں بعض اہل علم اس حدیث کے استشہاد کے لیے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے) پڑھا کرتے تھے. اور نیز امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ ہم سے محمد ابو معاویہ نے بیان کیا. انہوں نے اعمش سے انہوں نے شفیق انہوں نے حذیفہ سے موقوفاً اسی طرح روایت کیا. اور وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ میں لفظ مَا کا مصدریہ قرار دیکر اس سے استشہاد کرنا ظاہر کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ لفظِ مَا یہاں موصولہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان بتوں کا خالق ہے جن کو تم بناتے ہو. بس یہ آیت

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے خالق اعمال عباد ہونے پر لزوماً دلالت کرتی ہے کیونکہ بت ایسی چیز کا نام ہے جس میں صنعت انسانی کو بھی دخل ہوتا ہے اور جب بت اللہ کا مخلوق ٹھیرا تو وہ اپنے مادہ اور صورت ہر جہت سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ اور اس سے لزوماً ثابت ہوا کہ صنعت انسانی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور نیز امام بخاری نے کہا ہے کہ ہم سے عمرو بن محمد نے بیان کیا کہا ہم سے ابن عیینہ نے بیان کیا انہوں نے عمرو سے طاؤس سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا کہ ہر ایک چیز (پہلے سے) مقدر ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کا اپنے رخسارے پر ہاتھ بھی مقدر ہو چکا ہے۔ نیز امام بخاریؒ نے کہا کہ ہم سے اسماعیل نے بیان کیا کہا ہم سے مالک نے بیان کیا۔ انہوں نے زیاد بن سعد سے انہوں نے عمرو بن مسلم سے انہوں نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ کو دیکھا وہ سب یہی کہتے تھے کہ ہر ایک چیز (پہلے سے) مقدر ہو چکی ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی اور امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں طاؤس سے اس طرح روایت کیا ہے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو یہ کہتے سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز (پہلے سے) مقدر ہو چکی ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی امام بخاری کہتے ہیں کہ لیث نے طاؤس سے انہوں نے ابن عباسؓ سے یوں روایت کیا ہے اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (ہم نے ہر ایک چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے) یہاں تک عاجزی اور عقلمندی۔ امام بخاری نے کہا ہے میں نے عبیداللہ بن سعید سے سنا وہ کہتے کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں اپنے اصحاب سے یہی سنتا رہا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ بندوں کے

Marfat.com

حرکات۔ اصوات۔ کسب یعنی کتابت وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔
جابر بن عبداللہ نے کہا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی تعلیم اس اہتمام سے فرماتے تھے۔ جیسے کہ آپ سورۃ قرآن کی تعلیم کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ فرماتے جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اُسے چاہیے کہ (پہلے) دو رکعت نماز نفل پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ۔ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِہٖ۔ آپ نے فرمایا کہ ھٰذَا الْاَمْرَ کے بجائے، سائل اپنی حاجت کا نام لے ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے آپ کا یہ ارشاد کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے۔ اس بات پر صراحتہً دلالت کرتا ہے کہ وہ کام بندے کا اختیاری فعل ہے۔ جس سے اُس کا ارادہ متعلق ہے۔ اور جملہ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی قدرت سے مجھے اس کام پر قدرت دے اور ظاہر ہے کہ سائل اس قدرت کا سوال نہیں کرتا جو کہ مدارِ تکلیف اور بمعنی سلامتِ اعضاء و درستی خلقت ہے بلکہ یہاں قدرت سے وہ قدرت مراد ہے جو موجبِ فعل ہوتی ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ وہ قدرت اللہ تعالیٰ کی مقدور اور اُس کی مخلوق ہے اور جملہ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ سے اس مضمون کو موکد کیا ہے یعنی تجھے اس بات

Marfat.com

پر قدرت ہے کہ مجھے قادر و فاعل بنا دے۔ اور میں بذاتِ خود کسی کام کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی کام کو کر سکتا ہوں۔ اور جملہ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ کا مطلب یہ ہے کہ تمام امور کا انجام و مآل تجھی کو معلوم ہے اور یہ بھی تو ہی جانتا ہے کہ کون سا کام میرے حق میں نافع اور کونسا مضر ہے اور میں ان باتوں کی حقیقت سے بے خبر ہوں اور سائل کے قول یَسِّرْہُ لِیْ یا اِصْرِفْہُ عَنِّیْ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس بات کا طلبگار رہے کہ اگر اس کام میں اُس کی مصلحت ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر آسان فرمائے اور اگر اس میں اُس کا نقصان ہے تو اس کام سے اس کو ہٹا دے۔ آسان کرنے یا ہٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے دل میں اُس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا موجب و سبب ڈال دیتا ہے۔ اور جب اس کام کے کرنے کا سبب موجود ہوتا ہے تو وہ کام بھی موجود ہو جاتا ہے اور اگر اُس کے نہ کرنے کا سبب موجود ہوتا ہے تو وہ کام ظہور میں نہیں آتا اور قدریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بندے کے کسی کام کے فاعل ہونے کو ترک پر ترجیح دینے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل و تاثیر نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے کسی کام کے آسان کر دینے کا سوال کرنا اُن کے خیال میں لغو اور فضول ہے کیونکہ ان اسباب کا مہیا کرنا جو بندے کی قدرت سے باہر ہیں موجود ہے اور بندے نے اُس کا سوال نہ کیا۔ اور جملہ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِہٖ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رضامندی کا حاصل ہونا جو کہ بندے کا اختیاری فعل اور اس کے دل کا کام ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور وہی اپنے بندے کو کسی کام پر راضی کرتا ہے اور جملہ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ سے صراحتہً ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ ہی اپنے بندے کو اُس کے

Marfat.com

اختیاری فعل سے جب چاہے ہٹا دیتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف صدیقؑ کے حق میں فرمایا ہے۔ کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو ثابت قدم رکھا) تاکہ ہم بدکاری اور بے حیائی (کے کام) اُن سے دور رکھیں برائی اور بیحیائی کے ہٹانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے میلان اور خواہش کو اُن سے ہٹا دیا۔ جب برائی اور بیحیائی کی طرف خواہش اور میلان دِلی نہ رہے گا تو وہ بھی دُور ہو جائینگی اور جملہ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ میں لفظ خیر عام اور شامل ہے۔ ہر خیر کو خواہ وہ خیر و طاعت بندے کی قدرت میں ہو یا نہ ہو۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بندے کا خیر و طاعت کو کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اگر اللہ تعالیٰ بندے کو اُس پر قدرت نہ بخشے تو وہ اس سے کبھی وقوع نہ آئے۔ غرض اِس حدیث میں مسئلہ تقدیر پر پوری بحث ہے۔

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے دعائے استخارہ کرنے والے کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ وہ اِس دُعا سے پہلے اور اپنی مناجات کے قبل اظہار عبودیت کے لیے دو رکعت نماز نفل پڑھ لے۔ اور چونکہ فعل اختیاری علم۔ قدرت اور ارادے پر موقوف ہوتا ہے۔ اور ان کے بدوں وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے دعا استخارہ کرنے والے کو ارشاد ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم۔ قدرت اور ارادہ کو وسیلہ بنائے کہ اللہ تعالیٰ جسے جو چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنے علم۔ قدرت اور ارادے سے عطا کرتا ہے۔ اور اس مطلب کی تاکید کے لیے بندہ اپنے علم۔ قدرت سے خالی اور بَری ہونا ظاہر کرے اور یوں کہے اِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ (اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ یوں کہے کہ اگر اس کام میں بھلائی ہو تو اے اللہ اس کو میرے لیے آسان فرما۔ اور اگر برائی ہو تو مجھے اس سے ہٹا دے

Marfat.com

تاکہ بندہ اپنے کام کو پوری طرح اللہ کے سپرد کرے۔ اور مآل کار سے اپنی لاعلمی کا ایسا ہی معترف ہو جیسا کہ اس نے اپنی عاجزی کا اقرار کیا ہے۔ غرضیکہ دعائے استخارہ میں عبودیت کا مقام اور ربوبیت کا شان پوری طرح بیان ہے۔

ترمذی وغیرہ میں حسنؓ بن علیؓ سے مروی ہے۔ کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات بتائے جن کو میں نماز وتر میں پڑھا کرتا ہوں وہ کلمات یہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ (اے اللہ اُن لوگوں کے شامل جن کو تو نے ہدایت دی ہے مجھے بھی ہدایت دے اور جن لوگوں کو تو نے عافیت بخشی ہے اُن کے ساتھ اور اُن کے ساتھ جن کا تو کارساز ہے میرا بھی کارساز رہ۔ اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اُس میں مجھے برکت دے اور جو کچھ تو نے مقدر کیا ہے اس کے شر سے مجھے بچا۔ بیشک تیرا ہی حکم ہے اور کسی کا تجھ پر حکم نہیں۔ اور جس کا تو والی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ تیری ذات بابرکت اور بلند ہے) جملہ اِھْدِنِیْ میں اُس ہدایت کا سوال ہے جس کے ملنے پر بندہ ضرور ہدایت یاب ہو جاتا ہے۔ قدریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ اس قسم کی ہدایت پر قادر نہیں۔ ان کے خیال میں اللہ سبحانہ کو صرف ہدایت بمعنی دلالت وارشاد وبیان (جو مومنین کفار کے لیے یکساں ہے) پر قدرت ہے۔ اور جملہ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ میں چند فوائد ہیں۔ اوّل بندے کا یہ سوال کرنا کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت یافتہ لوگوں کی جماعت وگروہ میں داخل کرے۔ دوم اللہ تعالیٰ کے احسان وانعام کو اس کی طرف وسیلہ بنانا یعنی اے اللہ جیسا کہ تو نے اپنے فضل واحسان سے بہت

سے بندوں کو ہدایت بخشی ہے اِسی طرح مجھ پر بھی اپنا احسان وکرم فرما کر مجھے ہدایت نصیب فرما۔ جیسا کہ حاجتمند لوگ بادشاہوں سے اِسی طرح کہا کرتے ہیں۔ کہ آپ مجھے ان لوگوں میں شامل کریں جن پہ آپ نے انعام واکرام کیا اور اُن کو مالا مال کر دیا ہے۔ سوم یہ کہ جن لوگوں کو ہدایت ملی ہے انہوں نے اپنے اختیار سے حاصل کی بلکہ اے اللہ تو ہی نے انکو ہدایت عطا فرمائی ہے اور جملہ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ میں اپنے رب سے عافیت کاملہ کا سوال کیا ہے یعنی کفر۔ فسق۔ عصیان۔ غفلت۔ اعراض اور اُن کاموں کے کرنے سے جو اُسے ناپسند ہیں اور اُن کے نہ کرنے سے جو اُس کو محبوب ہیں نجات دے عافیت درحقیقت اسی کا نام ہے کہ بندہ ان تمام چیزوں سے محفوظ رہے۔ اسی لیے جتنی چیزیں اللہ سے سوال کی جاتی ہیں۔ اِن سب سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی عافیت ہے کیونکہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو تمام شرور اور نیز ان کے اسباب سے خلاصی پانے کو شامل ہے اور جملہ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ میں کامل درجہ کی کارسازی کا سوال ہے اور یہاں وہ کارسازی مراد نہیں جو کافروں کو بھی شامل ہے یعنی قدرت کا پیدا کرنا قویٰ و آلات کا صحیح وسلامت ہونا اور راہِ حق بتلانا کیونکہ اگر مومنین کے حق میں یہی ولایت اور کارسازی مراد ہو تو اِس ولایت و کارسازی کے لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ جیسا مومنوں کا ولی ہے ویسا ہی کافروں کا بھی ولی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے مومن بندوں کے ایسے امور کا متولی ہے جن میں کفار کو کچھ حصہ نہیں اور وہ ان سے محروم ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کو توفیق اور الہام عنایت فرماتا اور اُن کو ہدایت یاب اور اپنا مطیع بناتا ہے اور جملہ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جس شخص کا تو متولی اور کارساز ہو تو وہ

Marfat.com

تیری کارسازی کے سبب منصور، عزیز اور غالب ہو جاتا ہے اور اس جملہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص لوگوں میں ذلیل ہو۔ اس کا باعث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے طور پر اس کی کارسازی نہیں فرمائی۔ ورنہ خدا تعالیٰ کی کامل ولایت اور کارسازی کے ہوتے ذلت کا نام ونشان نہ رہتا۔ گو تمام روئے زمین کے لوگ اس کی ذلت میں کوشاں ہوتے۔ مگر وہ عزیز اور غالب ہی رہتا اور جملہ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شر بھی اللہ تعا کی تقدیر سے ہے۔ اور وہی اس سے بچاتا ہے۔

اور مسند وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل سے فرمایا۔ اے معاذ اللہ کی قسم مجھے تجھ سے محبت ہے پس تمہیں چاہیے کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ (اے اللہ اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت پر میری مدد فرما) اور میری اس وصیت کو کبھی نہ بھولنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام کام بندے کے اختیاری فعل ہے اور انہی کی نسبت یہ سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرنے پر مدد فرمائے۔ اور قدریہ کے نزدیک یہ سوال لاحاصل ہے۔ کیونکہ ان کے زعم میں اعانت بمعنے سلامت آلات ورفع اعذار وخلق قدرت ہے۔ اور یہ کفار اور مومنین سب کے لیے یکساں حاصل ہے۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعانت کا اللہ تعالیٰ سے سوال اس طرح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ذاکر، شاکر اور محسن للعبادۃ بنا دے۔

چنانچہ آپ کی مشہور دعا میں جس کو ابن عباسؓ نے آپ سے روایت کیا ہے کہ یہ کلمات وارد ہیں۔ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْلِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاھْدِنِیْ وَیَسِّرِ الْھُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ

Marfat.com

عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِی لَکَ شَکَّارًا لَکَ ذَکَّارًا لَکَ رَھَّابًا لَکَ مِطْوَاعًا لَکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَاھْدِ قَلْبِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَۃَ صَدْرِیْ (اے اللہ میری مدد فرما اور میرے برخلاف دکسی کی) مدد نہ کر اور مجھے نصرت دے اور میرے برخلاف دکسی کو) منصور نہ کر اور میرے لیے دکوئی) تدبیر نکال اور میرے برخلاف دکسی کی) تدبیر نہ چلا اور مجھے ہدایت بخش اور ہدایت کو میرے لیے آسانی فرما اور جو شخص مجھ پر زیادتی کرے اس کے برخلاف میری مدد کر۔ اے اللہ مجھے اپنا اعلیٰ درجہ کا شاکر، ذاکر اور نہایت ڈرنے والا۔ پورا مطیع اور تیرے سامنے کمال عاجزی کرنے والا اور تیری طرف کامل توجہ اور رجوع کرنے والا بنا دے۔ اے اللہ میری توبہ قبول فرما۔ اور میرے گناہوں کو دھو ڈال۔ میری دعا کو قبول اور میری حجت کو قائم فرما۔ میرے دل کو ہدایت دے اور میری زبان کو سیدھا رکھ اور میرے سینے کے کینے کو دور کر دے)۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے

اس حدیث میں اکیس دلیلیں موجود ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

صحیحین میں آیا ہے میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جس چیز کو تو عطا فرمائے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک دے وہ کوئی دے نہیں سکتا۔

Marfat.com

اور کسی نسب والے کو تیرے عذاب سے اُس کی نسب چھوڑا نہیں سکتی) اور نیز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو رکوع کے بعد قومہ میں (بھی) پڑھا کرتے تھے۔ اس دُعا میں شریک باری کی ہر وجہ سے نفی اور باری تعالیٰ کی بادشاہت مہ کا ثبوت اور نیز اس کی حمد اور اس کی قدرت کا عزم پائے جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ کسی بندے کو کوئی چیز عطا فرمائے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جب وہ محروم رکھے تو پھر کوئی دوسرا دے نہیں سکتا۔ قدریہ کا یہ اعتقاد ہے کہ بندے کو یہ قدرت ہے کہ مثلاً کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا کرے تو یہ اُس سے روک دے۔ اور جس سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز روکے تو یہ اس کو عطا کر دے۔ کیونکہ بندہ باختیارِ خود عطا اور منع کا فاعل ہے۔ بندے کے یہ فعل مشیت الٰہی پر موقوف نہیں اور نہ یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ معطی اور مانع بناتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اس کا کوئی مانع اور جس کو محروم رکھے اس کے لیے کوئی معطی ہو حالانکہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ آپ مجھے ایسا عمل بتلائیں جس کے سبب میں جنت میں داخل ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس پر یہ کام آسان کر دے اُس کے لیے بالکل آسان ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ جس کام کو آسان کر دے وہ آسان ہو جاتا ہے اور اگر وہ آسان نہ کرے تو وہ کام ہو نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے کسی کام کو آسان کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قویٰ صحیح وسلامت اور اعضاء تندرست ہوں۔ اور اُس کے کرنے پر بندے کو قدرت حاصل ہو۔ اور اُس سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات تو مومن اور کافر دونو

Marfat.com

کے لیے یکساں حاصل ہے۔ بلکہ جو تیسیر (آسان کرنا) حدیث میں مذکور ہے وہ ان کے علاوہ ایک اور چیز ہے۔ اور توفیق اور تیسیر اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

حدیث صحیح میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپ نے ابو موسیٰ سے فرمایا۔ کہ کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلاؤں۔ یعنی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ (گناہوں سے) باز آنا اور (طاعت کے بجالانے کی) قوت اللہ کی توفیق بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اِن کلمات کے تسلیم اور قبول کرنے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور تقدیر کے اثبات اور قدریہ کے قول کے ابطال کے لیے یہ کلمات کافی شافی ہیں بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جب بندہ اِن کلمات کو کہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے مان لیا اور قبول کیا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میرے بندے نے اپنے تمام کام میرے سپرد کر دیئے۔ بعض قدریہ نے اس حدیث کی توجیہہ ہیں پیرا کہا ہے۔ کہ جب فعل اور ترک دونوں کے اسباب حاصل ہوں۔ تو بندے کو اُن دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہوتی اور ایسی حالت میں فعل کا صدور محال ہوتا ہے۔ اور جب جانب فعل اپنے اسباب کے حصول اور موانع کے عدم سے راجح اور غالب ہو جائے تو اس وقت فعل موجود ہو جاتا ہے۔ اور اسی غلبہ اور ترجیح کا نام قوت ہے۔ جس کی طرف اِن کلمات میں اشارہ ہے یعنی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ مگر جو کچھ اس قدری نے کہا ہے کہ وہ اُس کا اپنا خیال ہے جس قوت کی طرف حدیث میں اشارہ ہے وہ اَور ہی چیز ہے عالم علوی اور سفلی غرض تمام کائنات ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف متبدل اور متغیر ہوتی

Marfat.com

ہوتی رہتی ہے۔ یہ تبدل اور تغیر کسی قوت کے بغیر واقع نہیں ہوتا وہ قوت تحویل و تبدیل کے علاوہ اللہ وحدہٗ کی ذات میں موجود ہے غرض عالم علوی اور سفلی کی تمام حرکات عام اس سے کہ وہ قسری، ارادی، طبعی ہوں یا مرکز عالم سے محیط کی طرف یا محیط سے مرکز کی طرف یا مرکز کے گرد ہوں اور نیز عام اس سے کہ مقولہ لم یا کیف یا اس میں واقع ہوں جیسے حرکت نباتات حرکت طبیعت، حرکت حیوانات، حرکت فلک، حرکت نفس اور حرکت قلب اور ان حرکات کی قوتیں سب اس قوت کے تابع ہیں۔ اور کائنات میں ان حرکات کی قوت کا نام حول ہے۔ پس اللہ کی توفیق کے سوا حول اور قوت حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور چونکہ کنز یعنی خزانہ اس نفیس اور جمع شدہ مال کو کہتے ہیں۔ جو اکثر لوگوں پر مخفی ہو اور ان کلمات کی بھی یہی شان ہے اس لیے یہ ایک کنز من کنوز الجنتہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش بریں کے خزانہ سے عطا ہوئے ہیں۔ اور ان کا قائل اس ذات معلٰے کی قضا و قدر کو مان لیتا اور تسلیم کر لیتا ہے جس کے ہاتھ میں تمام امور کی باگیں ہیں۔ اور اپنے تمام کام اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ مسند اور سنن میں ابوالدیلمی سے مروی ہے کہ میں نے ابی بن کعب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ میرے دل میں تقدیر کی نسبت جو کچھ شبہات ہیں۔ آپ اس مسئلہ کو بیان فرمائیں شاید اللہ تعالیٰ ان شکوک کو میرے دل سے نکال دے تو ابی بن کعب نے کہا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے۔ تو یہ اس کا کوئی ظلم نہیں۔ اور اگر ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال (کے پاداش) کی نسبت بہتر ہے۔ اور اگر تو کوہ احد کے برابر (اس کی راہ میں) سونا خرچ کر ڈالے تو وہ تجھ سے اللہ تعالےٰ

Marfat.com

قبول نہیں فرمائے گا۔ تاوقتیکہ تو تقدیر پر ایمان نہ لائے اور اس بات کا یقین نہ کرے کہ جو مصیبت تمہیں پیش آئی ہے وہ کبھی تجھ سے ٹلنے والی نہ تھی۔ اور جس سے تو بچ گیا ہے وہ کبھی تجھ پر آنے والی نہ تھی۔ اور اگر تو اس عقیدہ کے سوا کسی دوسرے عقیدہ پر مرا تو دوزخی ہوگا۔ ابوالدیمی نے کہا ہے اس کے بعد میں عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ بن یمان اور زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو ہر ایک نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کر کے) ایسا ہی مجھ سے بیان کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ حاکم نے اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ بڑے پایہ کی حدیث ہے۔ یہ اُس شخص (یعنی رسول مقبول صلعم) کی کلام ہے جو تمام مخلوق سے اللہ تعٰ کے زیادہ عارف اور سب سے بڑھکر اسکے موحد اور اسکی تعظیم کرنیوالے ہیں۔ اور اس حدیث میں عدل و توحید کے مسئلہ کے متعلق پوری تشفی ہے۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ رہتا ہے کہ قضا و قدر اور امر و نہی کس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ اور نیز عدل کے رو سے یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ کہ بندے کو ایسے کام پر سزا دی جائے جو اُس کے حق میں مقدر ہو چکا ہے۔ اور جس کے کرنے سے بندے کو کوئی چارہ نہیں۔ پھر ہر ایک گروہ نے اس مسئلہ کے متعلق ایک راہ اختیار کی ہے۔

پس جبریہ نے جبر اور اس مشیت محضہ کا مسلک اختیار کیا ہے جو بغیر کسی سبب۔ علت۔ غایت۔ اور حکمت کے ایک جیسی دو چیزوں میں سے ایک کو راجح ٹھیراتی ہے اور انہوں نے کہا کہ ہر ایک ممکن فعل (جو اللہ تعالیٰ سے صادر ہو) عین عدل ہے اور ظلم لذاتہٖ اُس سے محال ہے۔ پس اگر اللہ تعٰ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے تو یہ اُس کی اپنی مملوک چیزوں میں تصرف ہے۔ اور ظلم یہ ہے کہ صاحب قدرت اپنے غیر

Marfat.com

ملک میں تصرف کرے اور یہ اللہ سبحانہ کی نسبت محال ہے کیونکہ سب چیزیں اسی کی ملک ہیں، جبریہ کا یہ بھی قول ہے کہ چونکہ جملہ امور اللہ تعالےٰ کی محض مشیت پر موقوف ہیں۔ اِس لیے اعمال نجات کا سبب نہیں بلکہ محض اللہ کی رحمت سے بندوں کی نجات ہوگی۔ اِسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی رحمت بندوں کے حق میں اُن کے اعمال کی نسبت بہتر ہے جبریہ نے اللہ تعالیٰ کے ملک یعنی بادشاہت کے پہلو کو تو پورا ملحوظ رکھا۔ لیکن اُس کی محمودیت کے پہلو کو نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ اللہ سبحانہٗ ملک اور حمد دونوں کا مالک و صاحب ہے۔ اور قدریہ نے عدل وحکمت کا مسلک اور راہ اختیار کی مگر اس کو بھی پوری طرح نہ سمجھے اور توحید کے پہلو کو تو بالکل چھوڑ دیا۔ اور اِس حدیث کے سمجھنے میں حیران اور اس کا مطلب پانے سے مبہوت ہو گئے۔ لہٰذا اوقات کئی ایک قدریہ نے اِس حدیث کا انکار اور اُس کی تردید کی ہے کہ رسول نے یہ بات نہیں فرمائی۔ اُن کا قول ہے کہ اس ظلم سے اور زیادہ کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے شخص کو معذب کیا جائے جس نے اپنی تمام عمر کے سب اوقات اور اپنی ساری طاقتیں اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اُن کاموں کی بجا آوری میں جو اُسے محبوب ہیں خرچ کر دی ہوں۔ اور اُس نے ایک لحہ بھر اللہ کی نافرمانی نہ کی ہو۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا رہا ہو۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح فرما سکتے ہیں۔ کہ ایسے شخص کو معذب کرنا عدل ہے ظلم نہیں۔ قدریہ کا یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو بندوں پر حق ہے اور جس چیز کا وہ سزاوار ہے کہ بندے اُسے بجالائیں۔ وہ بندوں کی طاعت سے بڑا اور زیادہ نہیں۔ پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کی نعمتیں بندوں کی طاعات کا عوض اور پاداشں نہیں (بلکہ محض اس کی رحمت کا اثر ہیں) اور

Marfat.com

اگر سب بندوں کو عذاب کرے تو یہ بھی ناحق نہیں، کیونکہ جب بندے اور اپنے مقدور کے موافق طاعات بجالائے۔ اور مقدور سے زیادہ کسی کو تکلیف بھی نہیں دیگئی۔ تو پھر ان کو اس چیز کے ترک کرنے پر جو اُن کی قدرت سے باہر تھی کیسے عذاب ہو سکتا ہے۔ اگر ایسی صورت میں بھی عذاب ہو تو اس کی بالکل یہ مثال ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس بات پر عذاب کرے کہ اُس نے آسمان و زمین کو کیوں پیدا نہیں کیا یا اور ایسے کام کیوں نہیں کئے جو اس کی قدرت سے باہر ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں اس حدیث کے ظاہری معنے کی صحت کے لیے کوئی وجہ نہیں۔ پس یا تو اس کو رد کیا جائیگا یا تاویل کر کے کسی صحیح معنے پر اسے محمول کیا جائے اور وہ صحیح معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معذب کرنا چاہتا۔ تو وہ سب کو ایک اُمت کافرہ بنا دیتا۔ پھر اس کے بعد اگر وہ ان کو معذب کرتا تو وہ ظالم نہ ہوتا۔ اور رسولؐ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو باوجود اُن کے مطیع اور عابد ہونے کے معذب کرے تو وہ ظالم نہ ہوگا۔ اُس کے بعد آپ نے بتلایا ہے کہ اگر وہ سب پر اپنی رحمت فرمائے۔ تو اس کی رحمت اُن کے حق میں اُن کے اعمال کی نسبت بہتر ہے۔ اُس کے بعد آپ نے بیان فرمایا ہے کہ بندے کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے اور تقدیر اللہ تعالیٰ کے اُس علم اور حکم کو کہتے ہیں۔ جو کائنات سے متعلق ہیں۔ جو کائنات سے متعلق ہیں۔ اور ایک جماعت قدر اور امر و ثواب و عقاب کے درمیان حیرت میں مبتلا ہے۔ کبھی ان پر شہود و ملاحظہ قدر غالب آجاتا ہے۔ تو امر سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی مشاہدہ امر غالب آتا ہے تو

Marfat.com

قدر سے غافل ہو جاتے ہیں اور کبھی حیرت اور گمراہی میں سراسیمہ ہو کر ٹھہر جاتے ہیں یعنی کچھ نہیں کہتے۔ ان تمام فرقوں کے اقوال مختلفہ وآرا متفرقہ کا سبب ان کے وہ اصول فاسدہ اور قواعد باطلہ ہیں جنکو انہوں نے قائم کر رکھا ہے اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات کمال کو ملحوظ رکھتے اور سمجھتے کہ وہ ملک حمد۔ ربوبیت۔ الہیت۔ حکمت۔ اور قدرت کا جامع ہے۔ اور اس کی پاک ذات کے لیے کمال مطلق ثابت کرتے اور اُس کو قدرت تامہ، شاملہ اور مشیت عامہ۔ نافذہ کے ساتھ موصوف جانتے کہ جس کے بدون کسی چیز کا وجود نہیں ہوتا۔

اور نیز اُسے اُس حکمت کے ساتھ متصف سمجھتے جس کے آثار ہر ایک چیز میں نمایاں ہیں۔ تو ان پر تمام حقیقت ظاہر ہو جاتی اور سب حیرتیں دُور ہو جاتیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسے دروازے سے پہنچ جاتے جو سات آسمانوں سے زیادہ وسیع ہے اور یقین کر لیتے کہ وہ اُنہی صفات کے لائق ہے۔ جن کو اپنے رسولوں کی زبانی اپنی ذات کے لیے بیان فرمایا ہے اور اُن کے برخلاف ظنون کا ذب اور اوہام باطلہ ہیں جو باطل فکروں اور واہی تباہی آرا کا نتیجہ ہیں پس ہم اللہ تعالیٰ کے بعض صفات کمال بیان کرتے ہیں اور اسی سے توفیق اور مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پروردگار عالمین کا اسم مبارک اور اس کا شان بلند ہے اُس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے وہی منعم حقیقی ہے جو اپنی مخلوق کو گوناگوں نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ جن کو آسمان و زمین کی تمام مخلوق مل کر شمار کرے تو بھی، شمار نہیں کر سکتی۔ مخلوق کو پیدا کرنا اُس کی ایک نعمت ہے اور اُن کو زندہ ناطق بنانا اُس کی دُوسری نعمت ہے۔ کان۔ آنکھیں عقل عطا فرمانا اس کی تیسری نعمت ہے۔ کھانے کی رنگا رنگ

Marfat.com

چیزیں بخشے رہنا یہ ایک اور نعمت ہے اور اپنے اسماء، صفات اور افعال کے ذریعے اپنی ذات کی معرفت عنایت کرنا یہ ایک جداگانہ نعمت ہے۔ اور اُن کی زبانوں پر اپنا ذکر جاری کرنا یہ ایک علیحدہ نعمت اور اُن کے دلوں میں اپنی محبت و معرفت ڈالنا یہ ایک اور نعمت ہے اور ایجاد کے بعد اُن کو اپنی حفاظت میں رکھنا۔ یہ ایک اور نعمت ہے اور اُن کے چھوٹے بڑے جملہ امور اور مصالح کا انتظام فرمانا یہ ایک اور نعمت ہے۔ اور ان کو اُن کے مصالح و معیشت کے اسباب کی طرف راہ نمائی کرنا یہ ایک اور نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا نعمتوں کو تفصیلاً ذکر کرنا قدرت بشری سے باہر اور ناممکن امر ہے۔ اس کی بیشمار نعمتوں کے بیان کیلئے اتنا ذکر کرنا کافی ہے کہ سانس لینا اسکی ایک ادنیٰ سی نعمت ہے اور چوبیس گھنٹوں یعنی ایک دن رات میں بندہ چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ پس دوسری طرح کی نعمتیں تو درکنار ہر روز میں صرف سانس لینے کی چوبیس ہزار نعمتیں اللہ تعالیٰ کیطرف سے بندے کو عطا ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک نعمت کے عوض شکر ضروری ہے پس اگر بندے کی تمام طاعات ان نعمتوں پر تقسیم کی جائیں تو ہر ایک نعمت کے مقابل بہت تھوڑا سا حصہ نکلیگا جس کو ان نعمتوں کے مقدار سے کسی طرح کی کچھ نسبت نہ ہو گی انسؓ بن مالکؓ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندے کے سامنے تین دفتر پیش کئے جائیں گے ایک دفتر میں تو اُسکے گناہ لکھے ہونگے اور ایک دفتر میں اسکے اعمال صالح درج ہونگے پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے ایک چھوٹی سی نعمت کو حکم دیگا تو وہ کھڑے ہو کر اُسکے تمام اعمال صالحہ کو گھیر لیگی پھر عرض کریگی کہ اے رب میں نے بھی اپنا بدلہ پورا نہیں پایا حالانکہ بندے کے گناہ اور تیری دوسری نعمتیں ابھی باقی ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرمائیگا تو اُسے یوں ارشاد کریگا کہ اے ابن آدم میں نے تیری نیکیوں کو مضاعف کر دیا اور تیری بدیوں سے درگذر کیا ہے اور اپنی نعمتیں تجھے مفت بخش دی ہیں۔

Marfat.com

صحیح حاکم میں ایک حدیث مروی ہے۔ کہ ایک شخص نے پانسو سال اللہ تعالےٰ کی عبادت میں گذار دئے۔ اور وہ ہر روز انار کا ایک دانہ جو ایک درخت سے نکلتا کھالیتا اور پھر نماز پڑھنے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ اور اس نے موت کے قریب اللہ تعالےٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ میری روح سجدہ کی حالت میں قبض ہو اور زمین میں میرا جسم صحیح وسلامت موجود رہے۔ اور قیامت میں وہ سجدہ کی حالت میں مبعوث ہو۔ پس قیامت کا دن ہوگا تو وہ اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالےٰ فرمائیگا کہ میرے اس بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کردو۔ وہ عرض کریگا۔ اے اللہ تیری رحمت سے نہیں بلکہ میں اپنے عمل کے سبب جنت میں داخل ہوتا ہوں تو اللہ تعالےٰ فرمائیگا کہ جو نعمتیں میں نے اپنے بندے پر عطا کی تھیں انکا اور اسکے عمل کا مقابلہ کرو تو صرف بینائی کی نعمت پانسو سال کی عبادت کے مقابل برابر اترگئی اور باقی بدن میں جتنی نعمتیں تھیں۔ وہ تمام زائد ہونگی۔ تو اللہ تعالےٰ فرمائیگا۔ کہ میرے بندے کو دوزخ میں ڈالدو۔ پس فرشتے اسکو دوزخ کی طرف گھسیٹینگے تو وہ پکاریگا کہ اے رب مجھے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرما۔ اللہ تعالےٰ فرمائیگا اسے واپس لاؤ۔ پھر وہ اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ تو اللہ تعالےٰ فرمائیگا اے میرے بندے تجھے کس نے پیدا کیا۔ حالانکہ تو کوئی چیز نہ تھا وہ عرض کریگا اے میرے رب تو ہی نے پیدا کیا۔ اللہ تعالےٰ فرمائیگا یہ (تو بتلاؤ) کہ پانسو سال کی عبادت کی قوت تجھے کس نے دی تھی۔ وہ عرض کریگا۔ اے پروردگار تو ہی نے عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالےٰ فرمائیگا (نیز تو بتلاؤ) کہ سمندر کے درمیان پہاڑ میں تجھے کس نے اتارا اور کھاری پانی سے تیرے لیے میٹھا پانی کس نے نکالا اور جو انار کہ سال بھر میں ایکبار نکلا

Marfat.com

کرتا تھا ہر روز اسکا ایک دانہ تیرے لیے کس نے پیدا کیا۔ اور تو نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا۔ کہ میں تیری روح کو سجود کی حالت میں قبض کر دوں۔ تو میں نے ایسا ہی کیا۔ وہ بندہ عرض کریگا اے پروردگار سب کچھ تو ہی نے کیا ہے اللہ تعالٰے فرمائیگا یہ سب کام میں نے اپنی رحمت سے کئے تھے۔ اور اب بھی اپنی رحمت ہی سے میں جنت میں داخل کرتا ہوں۔ اس حدیث کو یحیٰی بن بکیر کے طریق سے اس طرح روایت کیا ہے۔ کہ ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا۔ انہوں نے سلیمان بن ہرم سے انہوں نے محمد بن منکدر سے انہوں نے جابرؓ سے انہوں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا اسناد اور اس کا مضمون بلاشبہ صحیح ہے کیونکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں آیا ہے آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے سبب نجات نہیں پا سکتا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے سبب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ بھی نہیں داخل ہو سکتے۔ آپ نے فرمایا میں بھی اللہ تعالٰے کی رحمت اور اس کے فضل کے سوا ہرگز داخل جنت نہیں ہو سکتا۔ پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے۔ کہ اولین اور آخرین میں سے کسی شخص کے لیے اس کا عمل موجب نجات نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ تعالٰے اس پر اپنی رحمت نہ کرے اسی واسطے اللہ تعالٰے کی رحمت اس کے حق میں اس کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ اس کی رحمت باعث نجات ہے۔ اور بندے کا عمل موجب نجات نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ سبحانہ آسمان و زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں مبتلا کرے تو یہ اس کے اس حق کے بدلے ہو گا جو کہ بندے پر لازم تھا۔ (اور وہ بجا نہ لا سکتے تھے) اور اس مضمون کی

Marfat.com

توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جبقدر اللہ تعالٰے کی نعمت بندے پر زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اللہ تعالٰے کا حق بھی اس پر زیادہ ہو جاتا ہے اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان لوگوں کی نسبت جن کو وہ نعمت عطا نہیں ہوئی اللہ تعالٰے کا شکر زیادہ بجالائے غرض اللہ تعالٰے کا حق اس پر زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کے اعمال اسکی ادائیگی کے لیے کافی نہیں ہوتے۔ ان باتوں کو پوری طرح وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو ذات باری اور اپنے آپ سے آگاہی حاصل ہو۔ اعمال صالحہ اور نعمتوں کا مقابلہ تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ بندے سے غفلت۔ اعراض اور گناہ اس کی طاعات کے مقابل وقوع میں نہ آئیں۔ اور جب اس سے اس قدر گناہ سرزد ہوں جو اس کی طاعات کے برابر یا اس سے زیادہ ہوں تو پھر طاعات اور نعمائے الٰہی کا مقابلہ مقایسہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ بندے پر اللہ تعالٰے کا یہ حق ہے کہ تنہا اسکی عبادت کرے کسی چیز کو اس کا ساجھی نہ بنائے۔ اس کا ذکر کرے اور اسکو کبھی نہ بھولے۔ اس کا شکر بجالائے اور اس کی ناشکری نہ کرے۔ اور اللہ تعالٰے کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو۔ رضامندی کچھ اس کا نام نہیں ہے کہ زبانی تو ان باتوں کا اقرار کرے جو اسکی حالت کی تردید و تکذیب کرے اور اس کے مخالف ہو۔ وہ شخص اللہ کے رب ہونے پر کیسے راضی ہو سکتا ہے کہ جب اللہ کی قضا اس کے ارادے اور خواہش کے خلاف ہو تو وہ دل سے ناخوش ہونے لگے اور اس پر اسے ملال پیدا ہو۔ اور جن کاموں سے اللہ تعالٰے ناخوش ہو ان میں راضی ہو اور جن سے وہ راضی ہو انکے بجالانے میں دل تنگ ہو جائے۔ پس ایسا شخص اللہ تعالٰے کے رب ہونے پر راضی

Marfat.com

نہیں ہے بلکہ اس سے مال و نعمت لینے پر راضی ہے اور وہ شخص اسلام کے دین ہونے پر اپنی رضامندی کا کس منہ سے مدعی ہو سکتا ہے جو کہ اصول اسلام کو جب وہ اس کی بدعت و ہوا کے خلاف ہوں اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دے اور فروع اسلام جب اسکی غرض اور خواہش کے موافق نہ ہوں تو پس پشت پھینک دے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر اس شخص کی رضامندی کیسے صحیح ہو سکتی ہے جو ظاہر و باطن آپ کو حاکم نہ بنائے اور دین کے اصول و فروع میں صرف ان باتوں پر کاربند نہ ہو جو آپ کے سینہ مبارک سے ظاہر ہوئی ہیں وہ شخص آپ کے رسول ہونے پر کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ جو آپ کے قول کو چھوڑ کر غیروں کے اقوال پر چلے اور آپ کے قول کے مقابل ان کے اقوال کو ترک نہ کرے اور آپ کے قول پاک کو حاکم نہ سمجھے اور جب آپ کا قول اس کے مذہب اور تقلید کے موافق ہو تو اسے حجت جانے ورنہ اس کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا ہر ایک بندے پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو اور کسی سے محبت رکھے تو اللہ کے لئے اور بغض رکھے تو اللہ کی خاطر اور کسی سے کوئی بات کہے تو بھی اللہ کیلئے اور نہ کہے تو یہ اللہ کے لئے اور ہمیشہ اسکا ذکر کرے اور اسے کبھی بھولے نہیں۔ اس کی طاعت بجالائے اس کی نافرمانی نہ کرے۔ اسکا شکر بجالائے۔ اور اسکی ناشکری نہ کرے اور جب یہ سب کام پورے کریگا تو اس کے اعمال صالحہ کی نسبت اللہ تعالےٰ کی نعمتیں اس پر زیادہ ہو جائینگی بلکہ ان کاموں کا پورا کرنا بھی اللہ تعالےٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے اسکی توفیق دی۔ اور اس پر ان

Marfat.com

کاموں کو آسان کردیا اور اسکی اعانت فرمائی اور اس کو ان کاموں کا اہل بنایا اور دوسرے لوگوں میں سے ان کاموں کے لیے اسے خاص کرلیا۔ پس یہ نعمت ایک اور شکر کی مستحق ہے۔ بندہ اس شکر کو جو اللہ کی طرف سے اس پر واجب ہے کبھی بجا نہیں لاسکتا۔ غرض اللہ تعالےٰ کی نعمتیں شکر کا مطالبہ کرتی ہیں اور اس کے اعمال صالحہ اُن کا مقابلہ و برابری نہیں کرسکتے اور کبھی بندے کی غفلت، تقصیر اور اس کے گناہ اسقدر ہوتے ہیں کہ اسکے اعمال صالحہ سے بڑھ جاتے ہیں۔ غرض نعمتوں اور گناہوں کے دفتر بندے کی تمام طاعات سے زیادہ بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بندے کے اعمال صالحہ اور طاعات بندہ کے مملوک ہونے کی حیثیت سے اس پر لازم ہیں اپنے آقا کے احکام بجالانا اس کا فرض ہے۔ غرض بندے کی جان اللہ تعالےٰ کی ملک ہے اور اسکے اعمال بندہ ہوتے کی حیثیت سے اس پر لازم ہیں۔ پس اس کے کسی کام میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے جیسے کہ وہ اپنی جان میں سے ایک ذرے کا مالک نہیں پس بندہ درحقیقت اپنی جان و مال اور اپنے صفات و اعمال میں سے کسی چیز کا مالک نہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی ملک ہے اور اس کے اعمال اس مالک کی طرف سے بندے پر لازم اور ضروری ہیں جس کا استحقاق اس آقا سے کہیں زیادہ ہے۔ جو ایک غلام کو اپنے خالص مال سے خرید کرے پھر اسے حکم دے کہ تم مال کما کر مجھے لادو اور تیرے لئے تیری اپنی جان اور تیرے اپنے کسب میں کوئی حق نہیں۔ پھر اگر یہ غلام کوئی کام کرے تو یہ کام اسکے آقا کیطرف سے اسے لازم ہوچکا تھا۔ اور اس کے حقوق میں سے ایک حق اسکے ذمہ مقرر ہوچکا تھا جب ایسے آقا کا اس

Marfat.com

قدر حق ہو سکتا ہے) تو اس منعم اور مالک حقیقی کے حقوق کس قدر ہونگے جس کی نعمتیں اور حقوق لاتعد ولاتحصیٰ ہیں۔ اور بندے کی طاعات کسی طرح انکی برابری نہیں کر سکتی۔ پس اگر اللہ سبحانہٗ بندے کو عذاب میں گرفتار کرے تو اسکا ظلم نہیں ہوگا اور اگر اس پر اپنی رحمت فرمائے تو اسکی رحمت بندے کے حق میں اس کے اعمال کی نسبت بہتر ہے اور بندے کے اعمال اللہ تعالٰے کی رحمت کا عوض اور بدلہ نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ سبحانہٗ کا فضل اور اسکی رحمت و مغفرت نہ ہو تو کبھی کسی کو زندگانی گوارا نہ ہو سکے۔ اور کوئی شخص اپنے خالق کا عارف اور نہ ذاکر اور نہ مومن اور نہ ہی مطیع ہو سکتا۔ پس جسطرح کہ بندے کا وجود اور ہستی محض اللہ تعالٰے کے جود و فضل اور منت سے ہے۔ اور اس کے ایجاد پر اس کی ذات قابل حمد ہے اسی طرح وجود کے سوا بھی تمام چیزیں اللہ تعالٰے کے فضل و رحمت سے ہیں بندے کا ان میں کچھ دخل نہیں جیسا کہ اپنی ہستی میں اس کا کوئی تصرف نہیں۔ پس تمام حمد۔ فضل۔ انعام اللہ تعالٰے کے لئے ہے اور جمیع مخلوق پر اس کا حق ثابت ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالٰے کے حق اور اس کے ادا کرنے سے اپنی کوتاہی اور عاجزی پر نظر نہیں کرتا تو وہ تمام مخلوق سے اپنے پروردگار اور خود اپنی ذات سے زیادہ بے خبر اور جاہل ہے اس کی طاعات اسکو کچھ نفع نہ دینگی اور اسکی دعا ہرگز مسموع نہ ہوگی۔ امام احمد نے کہا ہے ہم سے حجاج نے بیان کیا کہا کہ ہم سے جریر بن حازم نے بیان کیا انہوں نے وہب سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ پیغمبر خدا موسےٰ علیہ السلام ایک ایسے آدمی کے پاس سے گذرے جو نہایت تضرع اور زاری کے ساتھ دعا کر رہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب مجھے اس پر رحم آیا ہے پس تو بھی اس پر رحم فرما۔ اللہ تعالٰے نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اگر یہ شخص اسقدر دعا

Marfat.com

مانگے کہ اس کا دل پارہ پارہ ہو جائے تو بھی میں اس کی دعا (ہرگز) قبول نہیں کروں گا۔ تاوقتیکہ یہ میرے حق پر نظر نہ کرے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پہنچ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اسکے منت و احسان اور اپنے عیب۔ بدعملی اور (ادائے حقوق الٰہی سے اپنی) کوتاہی اور عاجزی پر نظر رکھے۔ جب اس طرح کریگا۔ تو اس کا یقین ہو جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں گرفتار کریگا۔ تو یہ اسکا عین عدل ہو گا۔ اور اسکے سب فیصلے جو اس کے بارے میں ہوتے ہیں سراپا انصاف ہیں اور جو کچھ نعمت یا بھلائی مجھے حاصل ہے۔ وہ محض اسکے فضل و منت کا صدقہ ہے۔ اسی لیے حدیث سیدالاستغفار میں آیا ہے اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِيْ (اے اللہ میں تیری اس نعمت کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر عطا فرمائی ہے اور (تیرے ادائے حقوق میں) میں اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہوں) غرض بندہ اپنے آپ کو گنہگار اور قصور وار سمجھے اور اپنے پروردگار کو محسن اور صاحب فضل جانے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دو ہی قسم قرار دیا ہے ایک تائب دوسرے ظالم۔ چنانچہ فرمایا ہے وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو برے کاموں سے باز نہ آئیں تو وہی (خدا کے نزدیک) ظالم ہیں) اور اسی طرح ایک اور مقام میں مخلوق کو دو قسم ٹھیرایا ہے یعنی معذب اور تائب۔ پس جو شخص تائب نہ ہو وہ ضرور معذب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (کہ اللہ تعالیٰ منافق مرد اور منافق عورتوں اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو ان کے کیے کی سزا دے اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں پر اپنی مہر کرے) اور تمام مومنین کو توبہ کا حکم فرمایا ہے کوئی شخص بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور سب کی فلاح اور نجات کو توبہ سے معلق کیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اور مسلمانوں تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو۔ تاکہ تم (آخرکار) فلاح پاؤ۔ اور اللہ سبحانہ نے

Marfat.com

منجملہ اُن نعمتوں کے جو خیر خلق اکرم کائنات اور سب سے اپنے زیادہ مطیع اور اخشی (نہایت ڈرنے والے) بندے پر عنایت فرمائی ہے۔ اس نعمت کو ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی اور آپ کے خاص متبعین کی توبہ قبول فرمائی۔ چنانچہ فرمایا ہے لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ (البتہ خدا تعالیٰ نے پیغمبرؐ پر بڑا ہی فضل کیا اور (نیز) مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگدستی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا۔ جب کہ ان میں سے بعض کے دل ڈگمگا چلے تھے۔) پھر اسی قبول توبہ صحابہؓ کو مکرر بیان فرمایا ہے ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پھر اسی نے ان پر (بھی) اپنا فضل کیا (کہ ان کو بھی سنبھال لیا) اس میں شک نہیں کہ خدا ان سب پر نہایت درجہ مہربان (اور ان کے حال پر اپنی) مہر رکھتا ہے) اور باقی صحابہؓ کے قبول توبہ کو اُن تین صحابیوں کی توبہ پر مقدم فرمایا جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اللہ سبحانہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ جنت جس میں اہل جنت کے داخل ہونیکا وعدہ توراۃ وانجیل میں (بھی) فرمایا ہے اسمیں وہی لوگ داخل ہوں گے جو اللہ کی طرف توبہ کرنیوالے ہیں۔ سو پہلے عام طور پر تائبین کا ذکر کیا اور اُسکے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین اور انصار کو خاص طور پر بیان کیا۔ اور اُس کے بعد اُن تین صحابیوں کا ذکر فرمایا جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوق اللہ تعالےٰ کے توبہ قبول فرمانے اور اس کی مغفرت اور معافی کی محتاج ہے۔ اللہ تعالےٰ نے سیّد ولد آدم اور تمام مخلوق میں سے اپنے زیادہ پیارے بندے کو فرمایا ہے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ۔ پس یہ جملہ اگر خبریہ ہو تو یہ اصدق القائلین کی سچی خبر ہے اور اگر انشائیہ ہو تو یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے معافی کی دعا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سجدے میں جب آپ اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتے یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ

Marfat.com

ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ (اے اللہ میں تیرے غضب سے تیری رضامندی کے ساتھ پناہ لیتا ہوں اور تیرے عذاب سے تیری معافی کے ساتھ اور تیری ذات سے تیری ہی ذات کے ساتھ پناہ لیتا ہوں اور میں تیری ثناء کو پوری طرح بیان نہیں کرسکتا تیری ذات ویسی ہی (جامع کمالات ہے) جیسے کہ تو نے اپنی آپ تعریف کی ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت میں سے افضل اور بہترین عورت اور اللہ تعالےٰ کی زیادہ مطیع یعنی عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق سے جبکہ انہوں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ اگر مجھے لیلۃ القدر ملجائے تو میں کیا دعا کروں ایوں ارشاد کیا کہ یہ کلمات کہنا اللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (اے اللہ تو معاف کرنیوالا ہے معافی کو چاہتا ہوں پس میرے (گناہوں) سے درگذر فرما) ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے چونکہ اللہ سبحانہٗ معافی اور توبہ کو پسند کرتا ہے اس لیے اپنی مخلوق کو ان صفات و احوال پر پیدا کیا ہے جو اللہ تعالےٰ کیطرف ان کی توبہ و استغفار اور اس سے معافی و مغفرت مانگنے کے مقتضی و خواستگار ہوں۔ مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہؓ کی حدیث روایت کی ہے انہوں نے کہا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالےٰ تمہیں کھپا کر ایک اور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کرتے اور اللہ تعالےٰ سے مغفرت مانگتے پھر اللہ تعالےٰ ان کو بخش دیتا اور اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور توبہ تمام عبادتوں سے اللہ تعالےٰ کو زیادہ محبوب ہے توبہ کے اللہ تعالےٰ کے ہاں محبوب ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اس پر نہایت خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا اسکو میرے ساتھ گمان ہوتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں۔ اور اللہ کی قسم کہ اللہ تعا

Marfat.com

کو اپنے بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو بیابان میں اپنی گم شدہ سواری کو پالے صحیحین میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مروی ہے کہ اللہ تعالے اپنے مومن بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک (دور دراز) مُہلک جنگل میں تھا اور اس کے پاس ایک سواری تھی جس پر اس کا کھانا اور پانی تھا وہ سو کر جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس کی سواری (مع سامان خورد ونوش) بھاگ گئی ہے اس کو اِدھر اُدھر تلاش کیا۔ یہاں تک کہ (دوڑ دھوپ کرنے سے) اسے سخت پیاس لگی تھی پھر اس نے اپنے جی میں کہا کہ جس جگہ میں پہلے سویا تھا واپس جا کر اسی جگہ سو رہتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہیں مر جاؤں۔ پس وہاں پہنچ کر وہ اپنا سر اپنے بازو پر رکھ کر اس ارادے سے سو گیا۔ کہ وہیں مر جائے۔ جب اسکی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ سواری تمام سامان کھانے پینے وغیرہ کے ساتھ وہاں موجود ہے پس بیشک اللہ تعالے کو اپنے مومن بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص کی خوشی سے جو اس کو سواری اور سامان ملنے پر حاصل ہوئی تھی۔ کہیں زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے

اور صحیح مسلم میں نعمان بن بشیر سے مروی ہے وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ بیشک اللہ تعالے اپنے بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنے کھانے کی چیزیں اور پانی کی مشک ایک اونٹ پر لاد کر سفر کو روانہ ہوا۔ جب وہ ایک جنگل میں پہنچا تو وہاں دوپہر کے وقت اسے نیند آگئی۔ اس نے (سواری سے) اتر کر ایک درخت کے نیچے قیلولہ کیا اور وہ سو گیا۔ اتنے میں اونٹ بھاگ کر چلا گیا پس جب وہ بیدار ہوا تو اسکی تلاش میں سرپٹ دوڑا۔ مگر کہیں وہ نظر نہ آیا۔ پھر دوبارہ دوڑا تو بھی سواری کا پتہ نہ چلا۔ سہ بارہ دوڑا تو بھی اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ ناامید ہو کر ناامید ہو کر جہاں اس نے قیلولہ کیا تھا وہاں آکر بیٹھ رہا۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ

Marfat.com

اس کا اونٹ آگیا اور اپنی مہار اس کے ہاتھ میں دیدی۔ پس بیشک اللہ تعالےٰ کو اس شخص کی خوشی سے جو اسکو اپنا اونٹ ملنے پر حاصل ہوئی تھی اپنے بندے کے توبہ کرنے پر کہیں زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ پس غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اس طاعت یعنی توبہ کے ساتھ جو تمام طاعات کی جڑ اور اساس ہے کیسی محبت ہے۔ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ بعض (خدا رسیدہ) آدمیوں کو توبہ کی ضرورت نہیں اور وہ اس سے مستغنی ہیں اس نے ربوبیت کے حق اور عبودیت کے مرتبہ کو نہیں سمجھا اور جن لوگوں کو اپنے خیال کے مطابق توبہ سے مستغنی ٹھیرایا ہے انکی ایسی بیجا تعظیم کی ہے کہ یہ تعظیم انکی مذمت کا باعث ہے کیونکہ ان کو ایسی عظیم الشان طاعت سے جو تمام طاعات سے برتر اور اس قربت سے جو جمیع قربات سے اعلیٰ ہے معطل قرار دیا ہے اور انکو یہ کہا ہے کہ تم اس طاعت کے اہل نہیں اور نہ تم کو اس کی حاجت ہے۔ غرض اس شخص نے اللہ تعالےٰ کی قدر اور عبودیت کے درجہ کو نہیں سمجھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے بعض بندوں کو اللہ تعالےٰ کی مغفرت اس کے عفو اور اسکی طرف توبہ کرنے سے مستغنی ٹھیرایا۔ اور یہ خیال کیا ہے کہ وہ توبہ کے لیے اپنے رب کی طرف محتاج نہیں صحیحین میں انس بن مالک کی حدیث میں آیا ہے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیشک اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے توبہ کرنے پر جب وہ توبہ کرتا ہے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کہ جنگل میں اپنی سواری پر سوار تھا پس وہ سواری اس سے بھاگ گئی اور اس کا کھانا اور پینا اس پر رکھا تھا تلاش کرنے کے بعد وہ اس کے ملنے سے ناامید ہوا۔ اور مایوسی کی حالت میں ایک درخت کے نیچے آکر لیٹ رہا۔ اسی حالت میں لیٹا ہوا تھا کہ اس کی سواری اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔ پس خوشی کے جوش میں غلطی سے اس کے منہ سے یہ کلمات نکلے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں اور اکمل خلق

Marfat.com

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم توبہ کرنے میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ استغفار کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ کی قسم میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے اللہ سے مغفرت چاہتا اور اس کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ جب ابوہریرہ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اس ارشاد کو سنا تو اس کی تعمیل کی غرض سے کہا کرتے تھے۔ کہ میں ایک دن رات میں اپنے دیت یعنی قصور کے مطابق بارہ ہزار بار اللہ تعالے سے مغفرت چاہتا ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد نے کتاب الزہد میں روایت کیا ہے اور اس کو ایک دوسری سند سے بھی بیان کیا ہے اور دیت کے بجائے لفظ ذَنْب ہے۔ اور امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے کہا ہے ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا کہا کہ ہم کو محمد بن راشد نے بتلایا۔ انہوں نے مکحول سے انہوں نے ایک شخص سے اس نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں کسی ایسے شخص کے پاس نہیں بیٹھا یعنی میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ استغفار پڑھا کرتا ہو۔ مکحول کے استاد نے کہا کہ میں کسی ایسے شخص کے پاس نہیں بیٹھا جو ابوہریرہؓ سے زیادہ استغفار پڑھا کرتا ہو۔

صحیح مسلم میں اغر مزنی سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے دل پر خفیف سی غفلت کا ایک پردہ آجاتا ہے اور میں ایک دن میں سو بار اپنے اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ سنن اور مسند میں ابن عمرؓ کی حدیث میں اس طرح آیا ہے۔ کہ ہم شمار کرتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں سو بار یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ

Marfat.com

الرَّحِيْمُ (اے رب میرے گناہ بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بیشک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے) ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے - امام احمد نے کہا ہے ہم سے اسمٰعیل سے بیان کیا کہا ہم سے یونس نے بیان کیا انہوں نے حمید بن ہلال سے انہوں نے ابو بردہ سے روایت کیا ہے کہا کہ میں مسجد کوفہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک معمر شخص کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا یوں کہا کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے - کہ اے لوگو اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرو - اور اس سے مغفرت مانگو - کیونکہ میں ہر روز سو بار اللہ تعالےٰ کیطرف توبہ کرتا اور اس سے مغفرت مانگتا ہوں +

امام احمد نے کہا ہے ہم سے یحییٰ نے بیان کیا - انہوں نے شعبہ سے روایت کیا کہا کہ ہم سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا کہا کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا کہا کہ میں نے ابو بردہ سے سنا کہا میں نے اغر مزنی کو ابن عمرؓ سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا اے لوگو اپنے رب عزوجل کی طرف توبہ کرو - میں ہر روز اللہ تعالےٰ کی طرف سو بار توبہ کرتا ہوں +

امام احمد نے کہا ہے ہم سے یزید نے بیان کیا کہا ہم کو حماد بن معلہ نے خبر دی انہوں نے علی بن زید سے انہوں نے ابو عثمان نہدی سے انہوں نے عائشہؓ سے روایت کیا کہا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم یہ کلمات کہا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شامل کر جو نیکی کرنے پر خوش ہوں اور بدی سرزد ہو جانے پر مغفرت چاہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد اس طرح کہا کرتے تھے اے اللہ تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں - میں نے اپنی جان پر ظلم کیا - میں اپنے گناہ کا معترف ہوں - سو تو میرے گناہ کو بخشدے کیونکہ تیرے سوا کوئی

Marfat.com

گناہ بخشنے والا نہیں ہے۔ اور مجھے اچھے اخلاق کی طرف ہدایت فرما۔ تو ہی اچھے اخلاق کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ میں (تیری درگاہ میں) حاضر اور تیرے کام کے لیے آمادہ ہوں۔ اور سب بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اور میں تجھ ہی سے توفیق اور تیری ہی پناہ چاہتا ہوں تیری ذات بابرکت اور بلند ہے۔ میں تجھ سے مغفرت چاہتا اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

صحیحین میں مروی ہے کہ آپ دُعا میں یوں کہا کرتے تھے اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس قدر دوری کر دے جس قدر مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ہے اور مجھے گناہوں سے اپنی رحمت کے پانی۔ برف اور اولوں کے ساتھ پاک و صاف کر دے اور ان کلمات کو آہستہ آہستہ کہا کرتے کہ یہ مقتدیوں کو معلوم نہ تھے یہاں تک کہ آپ سے ابوہریرہؓ نے ان کی نسبت سوال کیا۔ اور علیؓ بن ابیطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب آپ نماز شروع کرتے۔ تو یہ کلمات کہا کرتے تھے اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور بُرے کام کئے پس اے اللہ تو میرے گناہ بخش دے۔ گناہوں کو تو ہی بخشتا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ آپ رکوع و سجود میں یہ کلمات کہا کرتے تھے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ کلمات کہا کرتے تھے۔

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

Marfat.com

وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ بَعْدُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِیْ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِیْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْوَسَخِ۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سجود میں یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ ۔

مسند امام احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَوَسِّعْ عَلَیَّ فِیْ ذَاتِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ ۔

اور صحیح مسلم میں فروہ بن نوفل سے مروی ہے کہا ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آپ مجھے وہ دعا بتلائیں جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھا کرتے تھے انہوں نے کہا ہاں (وہی سنو) آپ (نماز میں) یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْلَمْ۔ اور آپ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ اور جب آپ رات کو نماز کے لیے اٹھتے تو یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ۔ الحدیث۔ اور اس میں یہ کلمات زیادہ ہیں۔ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔

صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ان کلمات کے ساتھ دُعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

حقیقتہ الامر یہ ہے کہ بندہ ہر وجہ اور اعتبار سے اپنے رب کی طرف محتاج ہے۔ سو اوّل تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت۔ احسان اور مصالح معاش کی تدبیر و انتظام کے لحاظ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور نیز اللہ تعالے کے الٰہ۔ معبود اور محبوب اعظم ہونے کے لحاظ سے بھی وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ وہ محبوب ہے کہ جب تک ماں۔ باپ۔ بیوی۔ بال۔ بچوں اور اپنی جان و مال غرض تمام مخلوق سے اس کی محبت زیادہ نہ ہو۔ تو آدمی کی صلاح و فلاح اور آرام و سرور کی کوئی صورت نہیں۔ نیز طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے بچانے کے لحاظ سے بھی بندہ اپنے رب کا محتاج ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ بچائے تو بندہ بعض مصائب میں ہلاک ہو جائے اور مغفرت اور عفو کے لحاظ سے بھی بندہ پروردگار کا محتاج ہے اگر وہ مغفرت اور عفو نہ فرمائے تو بندے کی نجات کی کوئی صورت نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معافی بغیر کسی کی نجات نہیں۔ اور اس کی رحمت کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ بعض لوگ نفس گناہ پر نظر کر کے توبہ کو صفت نقصان خیال کرتے ہیں۔ اور اس نہایت کے کمال پر جو توبہ سے حاصل ہوتی ہے نظر نہیں کرتے۔ بندہ کی حالت توبہ خالص کے بعد اس حالت سے بہتر ہو جاتی ہے جو گناہ سے قبل تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے کمال اور جمیع کمالات کے ساتھ اس کے منفرد ہونے پر نظر نہیں ڈالتا اور اس بات کو نہیں سوچتے۔ کہ بندہ لوازم بشریت سے منفک اور جدا نہیں ہو سکتا اور توبہ جس طرح کہ حضرت آدم کے لیے باعث کمال اور غایت قبولیت ہوئی تھی۔

Marfat.com

اسی طرح ہر ابنِ آدم کے لیے غائت قبولیت اور باعثِ کمال ہے۔ غرض جس طرح کہ بندے کا موجب وسبب توبہ یعنی گناہ وغفلت سے منفک ہونا محال ہے اِسی طرح توبہ کے بدوں اُس کے لیے کمال کا حاصل ہونا بھی ناممکن ہے۔ ایک اللہ سبحانہٗ ہر وجہ اور ہر اعتبار سے غنیٰ اور حمد کے ساتھ مخصوص ہے اور بندہ ہر ایک لحاظ واعتبار سے اس کی طرف محتاج۔ فقیر اور مضطر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت بندے کے حق میں اس کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ اس کے اعمال اُس کی نجات وسعادت کے بالاستقلال باعث نہیں ہو سکتے۔ اگر بندے کی نجات اس کے اعمال پر موقوف ہو تو اس کی نجات کی ہرگز کوئی صورت نہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (اگر اللہ سبحانہٗ آسمان وزمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے تو وہ اس کام میں ظالم نہیں ہوگا) کے متعلق بعض ضروری مسائل (اللہ کے فضل سے) بیان ہو چکے ہیں)

اور اس کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ کا شکر اُس کی ربوبیت اور بندوں کے اس کے مملوک وعبید ہونے کی حیثیت سے ان پر لازم ہے۔ اور یہ اس بات کا موجب ہے کہ بندے اُس کی معرفت حاصل کریں اسکی تعظیم بجالائیں۔ اس کی توحید کا اقرار کریں اور اس عاشق غلام کی طرح اُسکا قرب حاصل کریں جو کہ رات دن اپنے آقا کی نعمتوں میں بسر کرتا ہے اور ایک لحظہ بھر بھی اُس نے بے نیاز و مستغنی نہیں ہو سکتا اور وہ اُسکا قرب حاصل کرنے میں اپنی تمام تمام کوششیں اور ساری طاقتیں صرف کر دیتا ہے اور اُسکی کسی چیز میں کسی دوسرے کو اس کے برابر نہیں ٹھیراتا اور اپنے ارادہ اور خواہش پر اپنے مالک کی رضامندی کو مقدم سمجھتا ہے بلکہ اپنے مالک کے ارادہ اور مرضی کے بغیر اُس کی کوئی خواہش اور ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ امر ایسے علوم۔ اعمال۔ ارادات اور عزائم کو مستلزم ہے۔ کہ کوئی چیز ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور ان کے ہوتے ہوئے

Marfat.com

اپنے مالک کے سوا کسی چیز کی طرف کسی قسم کی کوئی توجہ والتفات باقی نہیں رہتا۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ بشریت کی وجہ سے ان تمام چیزوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے احسان کے علاوہ لذاتہ اور الٰہ و معبود ہونے کے لحاظ سے جس عبادت و تعظیم کا مستحق ہے۔ وہ بندے کی طاعات سے بدرجہا زیادہ ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ لذاتہ اور اپنے احسان و انعام کے لحاظ سے اس بات کا مستحق ہے کہ بندہ نہایت درجہ کی اس کی عبادت بجالائے اور اُس کے سامنے اپنی اعلیٰ درجہ کی عاجزی خضوع اور ذلت ظاہر کرے۔

بعض آثار میں آیا ہے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) کہ اگر میں بہشت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ تو بھی میں پرستش کا مستحق تھا اس لیے تمام مخلوق سے زیادہ عبادت کرنے والے یعنی ملائکہ قیامت کے دن کہیں گے۔ تیری ذات پاک ہے۔ تیری عبادت کا حق ہم ادا نہیں کر سکے۔ یہ اُس کی محض رحمت۔ کرم اور جود ہے کہ وہ لذاتہ اور اپنے احسان و انعام کے لحاظ سے جس عبادت کا مستحق ہے اس سے بہت کم درجہ عبادت پر اپنے بندوں سے راضی ہو گیا ورنہ جس عبادت کا وہ مستحق ہے اور جو بندوں سے وقوع میں آتی ہے ان دونوں میں کسی طرح کی کوئی نسبت ہی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے عفو اور مغفرت کے سوا بندوں کا کہیں ٹھکانا نہیں اور اللہ سبحانہٗ بندوں کے حال اُن کی جان سے بھی زیادہ جاننے والا ہے اگر اُن کو عذاب میں گرفتار کرے گا۔ تو وہ ان کو اُن اعمال و ارادات پر معذب کرے گا جو اُسے معلوم ہیں گو بندوں کو معلوم نہ ہوں۔ اور اگر رسولوں کے بھیجنے سے پہلے اُن کو عذاب کرتا۔ تو یہ اُس کا ظلم نہ ہوتا۔ جیسا کہ اپنے رسولؐ کے بھیجنے سے پہلے ان کے کفر و شرک و دیگر بُرے کاموں پر ناخوش ہو کر اُسے عذاب میں مبتلا کرنے سے اُن پر ظلم نہیں کیا۔ اللہ سبحانہٗ تمام

Marfat.com

رُوئے زمین کے لوگوں عرب و عجم کو چند اہل کتاب کے سوا گناہوں میں مبتلا دیکھ کر ان پر ناخوش ہوا (مگر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک نہ کر دیا بلکہ اس وجہ سے کہ اُس نے بمقتضائے رحمت اپنے ذمہ لازم کر رکھا ہے کہ وہ کسی کو عذاب میں گرفتار نہ کرے گا۔ جب تک کہ آپ کی رسالت سے اتمام حجت نہ کر لیگا۔ اور اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ چونکہ منعم کا شکر اُس کے شان اور اس کی نعمت کے مقدار کے مطابق ہوتا ہے (اور چونکہ شان الٰہی اور اُس کی نعمتوں کی کوئی حد نہیں، اِس لیے کوئی بشر اس کو ادا نہیں کر سکتا اور ہر ایک پر اللہ سبحانہ کا حق ثابت ہے اور وہ اُس کا مطالبہ کر سکتا ہے اگر وہ رحمت و مغفرت نہ فرمائے تو بندہ معذب ہونیکا سزاوار ہے۔ پس بندے کو اس کے عفو، رحمت اور مغفرت کی طرف ایسی محتاج ہیں جیسے اس کی حفاظت نگہبانی اور اُس کے رزق کے محتاج ہیں اگر اِن کی حفاظت نہ کرے تو ہلاک ہو جائیں اور اگر رزق نہ دے تو مر جائیں اور اگر رحمت اور مغفرت نہ فرمائے تو بھی تباہ ہو جائیں اسی لیے آدمیوں کے پہلے باپ حضرت آدمؑ اور ان کی ماں حواؑ نے کلمات کہے تھے رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے تئیں آپ تباہ کیا اور اگر تو ہم کو معاف نہیں فرمائے گا اور ہم پر رحم نہیں کریگا تو ہم بالکل برباد ہو جائیں گے)، ان کے بعد اولادِ آدمؑ کا بھی یہی حال ہے اور موسیٰ کلیم اللہ نے کہا ہے رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي (اے میرے پروردگار یہ تو میں نے اپنے اوپر (بڑا ہی) ظلم کیا تو میرا گناہ معاف فرما)، اور نیز یہ کہا ہے سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ اے پروردگار) تیری ذات پاک ہے میں نے جو دیکھنے کی بیجا درخواست کی

Marfat.com

تھی، تیری جناب میں (اُس سے) توبہ کرتا ہوں اور (تجھ پر) ایمان لانے والوں میں پہلا (ایمان لانے والا بندہ) میں ہوں) اور نیز کہا ہے رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (اے میرے پروردگار میرا اور میرے بھائی کا قصور معاف فرما اور ہم دونوں کو اپنی رحمت (کے سایہ) میں لے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے) اور نیز یہ کہا ہے کہ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمارے قصور معاف کر اور ہم پر رحم فرما اور تو تمام بخشنے والوں سے بہتر (بخشنے والا ہے) اور ابراہیم خلیل اللہ نے کہا ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ اے میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پڑھتا رہوں۔ اور (نہ صرف مجھ کو بلکہ) میری اولاد کو بھی اور اے ہمارے پروردگار میری دعا قبول فرما اے ہمارے پروردگار جس دن (اعمال کا) حساب ہونے لگے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو بخش دیجیو، اور نیز یہ کہا ہے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ۔ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی (دنیا و دین کی مشکلات میں) میری رہنمائی کرتا ہے) وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (اور (اُس سے) مجھ کو توقع ہے کہ روزِ جزا کو میرے قصور معاف فرمائے گا) تک اور سب سے پہلے رسول جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے۔ یعنی نوح نے کہا ہے رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (اے میرے پروردگار میں (ایسی جرأت سے) تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جس

Marfat.com

چیز کی حقیقۃ الحال مجھے معلوم نہیں۔ اُس کی تجھ سے درخواست کروں اور اگر تو میرا قصور معاف نہیں فرمائے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں (بالکل برباد) ہو جاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اکرم خلق اور سب سے اپنے زیادہ پیارے کو فرمایا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (اور (ہم سے) اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور (نیز) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے (بھی) معافی مانگتے رہو) وقال تعالےٰ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ الایۃ (اے پیغمبر) ہم نے (یہ) کتاب برحق تم پر نازل کی ہے الخ)

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ سے (بھول چوک کی) معافی چاہو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے) تک وقال تعالےٰ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی) حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرا دی۔ تاکہ (تم اس فتح کے شکریہ میں دین حق کی ترقی کے لیے اور زیادہ کوشش کرو اور) خدا اس کے صلے میں) تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنے احسانات پورے کرے اور تم کو (دین) سیدھے رستے چلائے اور آنحضرت صلعم کی دعا کے بارے میں ابن عباسؓ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آپ اس طرح کہا کرتے تھے کہ اے میرے پروردگار میری مدد کر اور میرے برخلاف کسی کی مدد نہ کر اسی حدیث میں ہے کہ اے میرے پروردگار میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہوں کو دھو ڈال۔ آخر حدیث تک۔ اور اللہ سبحانہ نے ابو البشر داؤدؑ کی نسبت فرمایا ہے وَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (تو انہوں نے پروردگار کے آگے توبہ) استغفار کی اور سجدہ میں گر پڑے (اور ندا کی طرف) رجوع

Marfat.com

ہوئے) وقال تعالیٰ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ (تو ہم نے انکی وہ خطا معاف کردی) اور اپنے نبی سلیمانؑ کی نسبت فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (اور ہم نے سلیمان کو (ایک اور طرح پر بھی) آزمایا اور ان کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا پھر (سلیمانؑ نے خدا کی جناب میں) رجوع کیا اور دُعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرا قصور معاف فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے پیچھے کسی کو سزاوار نہ ہو بیشک تو بڑا فیاض ہے۔

اور اپنے نبی یونس علیہ السلام کی نسبت فرمایا ہے کہ انہوں نے اندھیروں کو بیچ یہ کلمات کہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک (ذات) ہے میں نے بڑا ظلم کیا۔

اور صدیق الامۃ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اُمت سے افضل بڑے نیکوکار اور نہایت پرہیزگار ہیں یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھے وہ دُعا بتائیں جس کو میں نمازمیں پڑھا کروں آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کر اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ آپ نے اپنے کلام کو حرف تاکید سے شروع کیا جو اپنے مابعد کی مضبوطی اور تقریر کو چاہتا ہے۔ اُس کے بعد اپنی جان کے ظلم کو بیان کیا پھر اس کو بڑا ہونے سے موصوف کیا۔ اس کے بعد اپنے رب سے سوال کیا کہ اپنی بارگاہ سے مغفرت بخشے۔ یعنی وہ مغفرت اُنکے علم اور کوشش سے حاصل ہونوالی نہیں بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے خرات واحسان سے ہے

Marfat.com

اور اُن کے عمل سے بدرجہا زیادہ ہے جب اُس شخص کا یہ حال ہے جس کا ایمان تمام اُمت کے ایمان سے وزن میں زیادہ ہے، تو اُن سے کم درجے والے لوگوں کا کیا حال ہے۔

Marfat.com

سترھواں باب

کسب و جبر، ان کے لغوی و اصطلاحی معنی، نفیاً و اثباتاً ان کے استعمال اور ان کے متعلق ادلہ نقلیہ و عقلیہ کے بیان میں

کسب کا اصلی معنی لغت میں جمع کرنا ہے۔ جوہری کا قول ہے کہ کسب بمعنی طلب رزق ہے محاورے میں کَسَبْتُ شَیْئًا اور اِکْتَسَبْتُ شَیْئًا دونوں مستعمل ہیں اور دونوں کا ایک ہی مطلب ہے محاورے میں یوں بھی بولتے ہیں کَسَبْتُ اَھْلِیْ خَیْرًا[1] کَسَبْتُ الرَّجُلَ مَالًا فَکَسَبَهٗ[2] جیسے کہ بعض دیگر افعال جیسے کَسَرْتُهٗ فَانْکَسَرَ وغیرہ کا استعمال اسی طریق پر آتا ہے۔ کہ اسب جوارح (شکاری جانوروں) کو کہتے ہیں۔ تکسّب کے یہ معنی ہیں کہ کسب میں تکلیف کیا جوہری کا کلام ختم ہوا۔

لفظ کسب قرآن کریم میں تین معنوں میں مستعمل ہے۔ اوّل بمعنی عقد قلب یعنی عزم۔ لقولہ تعالیٰ

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ تمہاری قسموں میں جو لا یعنی ہیں اُن پر تو خدا تم سے دیکھو، مواخذہ نہیں کرتا۔ ہاں پکی قسم کھالو اور پھر اُس کے

---

[1] میں نے اپنے اہل کو مال جمع کر دیا ۱۲ [2] میں نے فلاں آدمی کو مال جمع کر دیا سو اس نے جمع کر لیا ۱۲

Marfat.com

خلاف کرو ، تو خدا تم سے (اُس کا) مواخذہ کرے گا) یعنی مواخذہ اُس یمین دسوگند پر ہے۔ جس کا تم نے عزم اور قصد کیا۔

زجاج کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ تم کو اس بات پر مواخذہ کرے گا کہ تم یہ ارادہ کر لو کہ تم برّو تقوٰی اختیار نہ کرو گے۔ اور اس بات پر شیخی مارنے لگو۔ کہ ہم نے تو ایسے کاموں کے پاس جانے کی سوگند اٹھالی ہے۔ زجاج نے شاید لفظ مواخذہ کو اور نیز اس بات کو کہ مواخذہ تعذیب کا مقتضی ہے۔ اٹھالی ہے۔ زجاج نے شاید لفظ مواخذہ ملحوظ رکھ کر اس جملہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے یعنی کسب قلوب کا یہ معنی قرار دیا ہے کہ قلوب سوگند کے رو سے برّو تقوٰی کے ترک کا عزم مصمم کر لیں۔ مگر پہلا قول نہایت درست اور صحیح ہے۔ اور جمہور اہل تفسیر اُسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ کسب قلوب یمین لغو کے مقابل ہے اور یمین لغو یہ ہے کہ یمین یعنی سوگند کا ارادہ نہ ہو۔ پس کہ قلب یمین لغو کے مقابل بمعنی عقد یعنی عزم قلب ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں فرمایا ہے۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (ہاں پکی قسم کھالو) اور پھر اس کا خلاف کرو) تو خدا تم سے (اُس کا) مواخذہ کرے گا ، اس سے معلوم ہوا کہ تعقید ایمان (قسمیں باندھنی) ، اور کسب قلب کا ایک ہی معنی ہے۔

دوم بمعنی کسب مال یعنی تجارت کے ذریعے مال حاصل کرنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (مسلمانو خدا کی راہ میں ، عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو تم نے (تجارت وغیرہ سے) ، آپ کمائی ہوں تو اور ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں تو) مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ میں اہل تجارت اور

Marfat.com

وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ میں اہل زراعت کی طرف اشارہ ہے۔

سوم بمعنی عمل وسعی کقولہ تعالیٰ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (اللہ تعالیٰ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا. مگر اسی قدر جس (کے اٹھانے) کی اُس کو طاقت ہو جس نے اچھے کام کئے تو (اُن کا نفع بھی اسی کے لیے ہے اور جس نے بُرے کام کئے (ان کا وبال بھی) اسی پر، وقولہ تعالیٰ ذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (تم اپنے کیے کی سزا میں (دوسرے عذاب (کے مزے) چکھو) وقولہ تعالیٰ وَ ذَكِّرْ بِهٖ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ اور قرآن کے ذریعے سے ان کو، سمجھاتے رہو کہ کہیں (الیسا نہ ہو) کہ کوئی شخص (قیامت میں) اپنے کرتوت کے بدلے مبتلائے آفت ہو جائے، ان تینوں آخری جگہوں میں کسب بمعنی عمل وسعی ہے. کسب اور اکتساب کے بارے میں اختلاف ہے کہ اِن دونوں کا ایک ہی معنی ہے یا کہ ان میں کچھ فرق ہے ایک جماعت کا قول ہے کہ ان دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ ابوالحسن علی بن احمد کا قول ہے اور اہل لغت کے نزدیک یہی صحیح بھی ہے کہ ان دونوں کا ایک ہی معنی ہے ان میں کوئی فرق نہیں. شاعر ذوالرمہ نے کہا ہے۔

اَلْفٰی اَبَاهُ بِذَاكَ الْكَسْبِ يَكْتَسِبُ

یعنی اس نے اپنے باپ کو یہ کسب کرتے ہوئے پایا۔

ایک جماعت کا قول ہے کہ اکتساب کسب سے خاص ہے اور کسب عام ہے کہ اپنے لئے ہو یا دوسرے کے لیے ہو اور اکتساب یہ کہ صرف اپنی ذات کے لیے ہو دوسرے کے لئے نہ ہو. حطیئہ نے کہا ہے۔

اَلْقَيْتَ كَاسِبَهُمْ فِيْ قَعْرِ مُظْلِمَةٍ
فَاغْفِرْ هَدَاكَ مَلِيْكُ النَّاسِ يَا عُمَرُ

Marfat.com

(اے عمرؓ لوگوں کے بادشاہ خدا تجھے ہدایت کرے تو نے ان کے کمانے والے کو تاریک گڑھے میں ڈال دیا ہے۔ پس ازراہِ کرم اس کا قصور معاف کر دے)۔

میں کہتا ہوں کہ اکتساب بابِ افتعال کا مصدر ہے اور بابِ افتعال کا خلاصہ ہے کہ اہتمام سعی و کوشش کے معنی کا افادہ دیتا ہے۔ اور کسب میں ادنےٰ سا عمل صحت نسبت کے لیے کافی ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے جانب فضل میں نفس کے اُن اعمال کا بھی اعتبار فرمایا ہے جن میں اُس نے ادنیٰ سی سعی کی ہو اور جانبِ عدل میں صرف اُس کے اُن گناہوں کو مقرر رکھا ہے۔ جو اُس نے نہایت کوشش اور اہتمام سے کئے ہوں اور لفظ جبر لغت میں تین معنوں میں مستعمل ہے۔ اوّل یہ کہ آدمی فقر و فاقہ کے بعد غنی ہو جائے یا اپنی ہڈی کو ٹوٹ جانے کے بعد درست کرے۔ اِن دونو صورتوں میں جبر بمعنی اصلاح ہے اور اسی معنی میں دونو طرح یعنی لازم و متعدی مستعمل ہوتا ہے محاورے میں بولتے ہیں جَبَرْتُ الْعَظْمَ وَجَبَرَ میں نے ہڈی کو درست کیا اور وہ (ہڈی) درست ہو گئی۔ حجاج نے اپنے اس قول میں اِن دونو معنی کو جمع کر دیا ہے ؎

قَدْ جَبَرَ الدِّیْنَ الْاِلٰہُ فَجَبَرَ (اللہ نے دین کو درست کیا، سو وہ درست ہو گیا)۔

دوم بمعنی قہر و اکراہ اور اس معنی میں اکثر بابِ افعال میں آکر مستعمل ہوتا ہے محاورے میں بولتے ہیں اَجْبَرْتُہٗ عَلٰی کَذَا (میں نے فلاں شخص کو اس کام پر مجبور کیا۔ اور جَبَرْتُہٗ عَلٰی کَذَا۔ اِس معنی میں بہت کم آتا ہے۔

سوم بمعنی عزت و رفعت، چنانچہ کہتے ہیں نَخْلَۃٌ جَبَّارَۃٌ (اونچی کھجور) جوہری کا نے کہا ہے جبار وہ لمبی کھجور ہے جس پر ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ اعشیٰ نے کہا ہے ؎

Marfat.com

طریق وجبارٌ رواء اصوله
علیہ ابابیل من الطیر متغب

اخفش نے اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ (اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں) کی تفسیر میں کہا ہے کہ طول۔ قوت اور عظمت مراد ہے۔ یہ معنی اُس نے لفظ جبار سے سمجھے ہیں کہ جبار اس لمبی کھجور کو کہتے ہیں جس پر ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ رَجُلٌ جَبَّارٌ اس آدمی کو کہتے ہیں۔ جو دراز قد عظیم الجثہ اور قوی ہو۔ چونکہ یہ لمبی کھجور سے مشابہ ہوتا ہے اِس لئے ایسے آدمی کو بھی جبّار کہتے ہیں۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ قوم عمالقہ کے بدن اور ان کی عادات عجیب طرح کی تھیں کہ وہ اور مخلوق سے ممتاز تھے۔ بعض کا قول ہے کہ اس آیت میں لفظ جبّارین جَبَرَهٗ عَلَى الْاَمْرِ (اس نے اس کو فلاں کام پر مجبور کیا) سے ماخوذ ہے۔ ازہری نے کہا ہے کہ یہ مشہور لغت ہے اور حجاز کے اکثر باشندے اُس کو اِس معنی میں استدلال کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کہا کرتے تھے جَبَرَهُ السُّلْطَانُ (بادشاہ نے اُس کو مجبور کیا) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ جبّارین اَجْبَرَهٗ عَلَى الْاَمْرِ یعنی فعل متعدی سے ماخوذ ہو۔ فراء کا قول ہے کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے دو کلموں جبّار و درّاک کے سوا کوئی کلمہ فَعَّالٌ کے وزن پر افعال سے مشتق نہیں جبّارٌ اَجْبَرَ سے اور دَرَّاكٌ اَدْرَكَ سے مشتق ہے۔ زجاج نے اِسی کو اختیار کیا ہے کہا ہے کہ جبّار وہ سرکش آدمی ہے جو لوگوں کی اپنی مرضی کے مطابق کاموں پر مجبور کرے۔ اور لفظ جبار جو اللہ تعالے کے اسماء میں سے ہے اُس کی تفسیر یہ کی ہے کہ جبار وہ ہے جو شکستہ حالوں کو درست کرنا اور محتاجوں کو غنی بناتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی یہی صفت ہے۔ لیکن اُس کے اِسم جبار کا یہ معنی نہیں ہے۔ اسی لیے ہم جبار کے ساتھ اپنے

Marfat.com

اسم متبرک مقرون فرمایا ہے۔ بلکہ یہ معنی اس کی صفت جبروت کا ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَکُوتِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْعَظَمَۃِ پس لفظ جبّار منجملہ اُن اسماء کے ہے جو اللہ سبحانہٗ کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں جیسے متکبر۔ ملک۔ عظیم۔ قہار وغیرہ۔ ابن عباسؓ نے اللہ تعالےٰ کے قول اَلْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ کی تفسیر میں کہا ہے ہوالعظیم وہ صاحب عظمت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا جبروت اس کی عظمت ہے۔ اور جبّار بادشاہوں کا بھی نام ہے۔ جبر ایک بادشاہ اور جبابرہ بہت سے بادشاہ۔ ایک شاعر نے کہا ہے وَانْعِمْ صَبَاحًا اَیُّھَا الْجَبْرُ اے بادشاہ تو صبح کے وقت خوش عیش رہے۔ سدی کا قول ہے کہ جبّار اس کو کہتے ہیں۔ جو لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق کاموں پر مجبور و مقہور کرے۔ اس بنا پر جبار بمعنے قہار ہے۔ محمد بن کعب کا قول ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ کا نام جبّار اس لیے ٹھیرا ہے۔ کہ اُس نے مخلوق کو اپنے ارادے پر مجبور کیا ہے۔ اور مخلوق اُس کی مشیت بغیر ایک لمحہ بھر اُس کی نافرمانی نہیں کر سکتی۔

زجاج نے کہا ہے جبّار وہ ہے جو مخلوق کو اپنے ارادے پر مجبور کرے۔ ابن انباری کا قول ہے کہ جبّار جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اُس کا یہ مطلب ہے کہ اُس پر کسی کا زور اور قابو نہیں۔ عرب لوگ کہتے ہیں نَخْلَۃٌ جَبَّارَۃٌ وہ کھجور جس پر ہاتھ نہ پہنچ سکے۔

اللہ سبحانہٗ کی صفت میں لفظ جبّار کے تین معنی ثابت ہوتے ہیں۔ مملکت۔ قہر۔ اور علو۔ کھجور جب لمبی اور بلند ہو جائے اور ہاتھ اس پر نہ پہنچ سکے۔ تو اُس کو جبّارہ کہتے ہیں۔ اسی واسطے اللہ سبحانہٗ

Marfat.com

نے اپنے اسم جبّار کو عزیز اور متکبّر کے ساتھ مقرون فرمایا ہے۔ اور اِن تینوں اسموں میں سے ہر ایک اسم دو دوسرے اسموں کو متضمن ہے اور یہ تینوں اسم اُن تین اسماء یعنی خالق۔ باری و مصوّر کے مشابہ ہیں۔ اسم جبّار و متکبّر اسم عزیز کی تفصیل کے قائم مقام ہیں جیسے کہ باری مصوّر اسم خالق کے معنی کی تفصیل ہے۔ غرض جبّار اللہ سبحانہ کے اوصاف ہیں۔ تین معانی یعنی کمال قدرت۔ عزّت اور مِلک کی طرف راجع ہے۔ اسی واسطے یہ اِسم اللہ سبحانہٗ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور مخلوق کا صفت جباریت کے ساتھ موصوف ہونا ان کی مذمت اور نقصان کا موجب ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (جتنے مغرور (اور) سرکش ہیں اللہ اُن کے دِلوں پر اِسی طرح مُہر لگا دیا کرتا ہے)، اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول سے فرمایا ہے۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (اور تم ان پر (حاکم)، جابر (تو ہو) نہیں، یعنی آپ ان پر ایسے مسلط نہیں ہیں کہ آپ اُن کو ایمان پر مجبور و مقہور کریں۔ ترمذی وغیرہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ قیامت کے دن جابروں اور متکبروں کا حشر چیونٹیوں کی شکلوں میں ہوگا لوگ اُن کو پامال کریں گے۔

Marfat.com

فصل ۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو جاننا چاہیئے کہ لفظ کسب کو قدریہ۔ جبریہ اور اہل سنت و حدیث الگ الگ معانی پر اطلاق کرتے ہیں ۔ پس قدریہ کے نزدیک کسب کا یہ معنی ہے کہ بندے کے افعال اس کے ایجاد و مشیت سے واقع ہوتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و ایجاد کا کوئی دخل نہیں۔ اور جبریہ کے نزدیک کسب ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کا کوئی منقح معنی نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی حاصل مطلب ہے۔ اور اس کے معنے کی تشریح میں ان کی عبارتیں مختلف ہیں۔ انہوں نے اسکی کئی مثالیں بیان کی ہیں اور اس میں کلام کو طول دیا ہے ۔ قاضی ابوبکرؒ کا قول ہے ۔ کہ کسب وہ چیز ہے جس پر بندوں کو قدرت محدثہ حاصل ہو۔ بعض کا قول ہے کہ کسب قادر سے متعلق ہے مگر علی وجہ الحدوث نہیں ۔ بعض کا قول ہے کہ کسب وہ چیز ہے جو قدرت حادثہ کے ساتھ مقدور ہے۔ جبریہ کہتے ہیں ہمارے قول (کسب وہ چیز ہے جس پر بندوں کو قدرت محدثہ حاصل ہو) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس چیز کے وجود پر اُن کو قدرت ہے کیونکہ اس کے وجود پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ کسب کو حدوث اور وجود کے سوا قدرت حادثہ سے ایک گونہ تعلق ہے ۔ اسفرائینی کا قول ہے کہ حقیقت خلق یہ ہے کہ کسی چیز کا خالق کی قدرت سے جسمیں وہ یگانہ ہے وقوع میں آنا اور حقیقت فعل یہ ہے کہ فعل کا اُس کی قدرت سے واقع ہونا۔ اور حقیقت کسب یہ ہے کہ مکتسب کی قدرت کے ساتھ جس میں وہ متفرد ہے کسی کام کا واقع ہونا ۔ اور خلق اللہ تعالیٰ قدیم کے ساتھ خاص ہے ۔ اور افعال کے وقوع میں قدیم و محدث یعنی خالق و مخلوق دونو شریک ہیں اور کسب محدث یعنی مخلوق کے ساتھ خاص ہے ۔ میں کہتا ہوں اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ لفظ خلق کا اطلاق

Marfat.com

صرف اللہ وحدہ کی نسبت صحیح ہے اور لفظ کسب کا اطلاق مخلوق کے ساتھ خاص ہے اور لفظ فعل کا اطلاق اللہ سبحانہ اور مخلوق دونوں کی نسبت درست ہے۔ اسفرائینی نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ جو فعل ایک دوسرے کی مدد کے طور پر واقع ہوں تو وہ مدد لینے والے کا کسب ہوتا ہے میں کہتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خالق تو خلق اور میں مستقل ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں اور کاسب سے دوسرے کی معاونت و مشارکت کے بغیر کوئی فعل واقع نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی وہ کسی شے کے ایجاد میں ہرگز مستقل ہوسکتا ہے ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ مکتسب کی قدرت اپنے مقدور کے ساتھ ایک وجہ سے متعلق ہوتی ہے اور خالق کی قدرت اس کے ساتھ جمیع وجوہ سے متعلق ہوتی ہے ان کا یہ بھی قول ہے کہ فعل کا کسب ہونا جیسا کہ ہمارے مخالفین معتزلہ کہتے ہیں اس کے ان حقائق میں سے نہیں ہے جو اس کے ساتھ خاص ہیں بلکہ یہ ایک وصف ہے جو فعل کو عارض ہوتی ہے برخلاف اس کے معتزلہ کہتے ہیں کہ مخلوق کی حرکت مخصوصہ خالق کا ایک لطف ہے اور اس کا خاص فعل بھی اس کا لطف ہے اور صیغہ افعل ارادہ کرنے سے امر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ارادہ سے حادث ہوا ہے۔ اور کسی چیز کو اس کی واقعی حالت پر سمجھنا جب نفس اس پر مطمئن ہو جائے علم ہو جاتا ہے یہ نہیں ہے کہ ابتداءً ہی کیفیت عملی پیدا ہو جاتی ہے اور کئی چیزیں وجود میں مقترن ہوتی ہیں تو ان کے اوصاف اور احکام بدل جاتے ہیں۔ مثلاً حرکت ایک خاص صورت میں واقع ہونے سے سیاحت کہلاتی ہے۔ اور اسی طرح کبھی لطم، مشی اور رقص سے موسوم ہوتی ہے۔ ابوالحسن اشعری اور ابن الباقلانی کا قول ہے کہ قدرت حادثہ سے فعل کا

Marfat.com

کسب ہونا واقع ہوتا ہے اور اس کا موجود و محدث ہونا قدرت حادثہ سے واقع نہیں ہوتا۔ پس فعل کا کسب اس کا ایک ایسا وصف ہے جیسا اس کا معلوم ہونا۔ بعض متاخرین نے ان عبارات کا یہ خلاصہ بیان کیا ہے کہ کسب اس معیت و اقتران عادی کا نام ہے جو قدرت محدثہ اور فعل کے درمیان پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ بندے کے ارادے و قدرت کے وقت اللہ تعالیٰ فعل پیدا کرتا ہے یہ نہیں کہ بندے کے ارادے و قدرت سے فعل پیدا ہوتا ہے پس اسی معیت و اقتران کا نام کسب ہے۔ اسی واسطے بہت سے اہل عقل کا قول ہے کہ یہ مسئلہ علم کلام کے لاحل مسائل میں سے ہے اور طفرہ نظام اور احوال ابی ہاشم اور معنی قائم بالنفس کو کلام کہنا غرض ایسے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی ادراک عقل سے باہر اور بے دلیل ہے۔ اشعری کی رائے اس بات پر ٹھیری ہے۔ کہ قدرت حادثہ اپنے مقدور میں مؤثر نہیں ہوتی۔ اور مقدور اور اس کی کسی صفت کو واقع نہیں کرتی۔ بلکہ مقدور اپنے جمیع صفات کے ساتھ قدرت قدیمہ سے واقع ہوتا ہے اور اس میں قدرت حادثہ کی کوئی تاثیر نہیں۔ اشعری کے اکثر اصحاب اس پر ان کے تابع ہیں۔ اور قاضی ابوبکر کبھی تو اشعری کے مطابق ہو جاتا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ قدرت حادثہ ذات کے اثبات واحدات میں مؤثر نہیں ہوتی۔ لیکن مقدور میں ایک ایسے وصف کی مقتضی ہوتی ہے جو اس کی ذات پر زائد اور اس کا حال ہوتا ہے۔ پھر کبھی کہتا ہے کہ یہ وصف جو قدرت حادثہ کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدور ہے اور اس طور پر ایک مقدور کا دو قدرتوں سے متعلق

Marfat.com

ہونا اس کے نزدیک محال نہیں۔ ابوالحسن اشعری کے متبعین کے آراء و عبارات کسب کے بارے میں نہایت مضطرب اور باہم بہت مختلف ہیں۔
ان سب کو ابوالقاسم سلیمان بن ناصر انصاری نے شرح ارشاد میں ذکر کیا ہے۔ اور انکے طریقوں کا اختلاف و اضطراب بھی بیان کیا ہے اور اس سب کے بعد کہا ہے کہ ہمارے استاد نے مختصر میں کہا ہے کہ کسب کے باب میں اہل حق کے قول کا ماحصل یہ ہے کہ بندے کے لیے (فعل پر) کسی قدرت کو ثابت نہیں کرتے یہ نہیں کہ فعل سے جس طرح بندے کا علم متعلق ہے اور وہ اس کا معلوم ہے اس طرح قدرت بھی اس سے متعلق ہے اور وہ اس کا مقدور ہے۔ مگر امام نے استاد کی نسبت یہ کہا ہے کہ وہ قدرت حادثہ کے حدوث میں مؤثر ہونے کے قائل ہیں کیونکہ جب استاد احوال کی نفی کرتے اور قدرت حادثہ کے لیے اثر ثابت کرتے ہیں تو اس کا مطلب اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ قدرت حادثہ کے حدوث افعال میں مؤثر ہو۔ اس کے بعد امام نے اپنا مذہب بیان کیا ہے جس کو اس نے کتاب نظامیہ میں ذکر کیا ہے اور وہ اس مذہب میں اپنے اصحاب سے علیحدہ ہے۔ اور اس کا یہ مذہب معتزلہ کے مذہب کے قریب ہے۔ معتزلہ اور اس کے درمیان صرف نام کا اختلاف ہے۔ ابوالقاسم نے کہا ہے۔ کسب کے باب میں عقدہ جس میں بڑے بڑے عقل مند چکرا گئے ہیں۔ اس عقدہ کے مشابہ ہے۔ جو ائمہ کے درمیان قرأت اور مقرو کے بارے میں واقع ہے۔ اور امام نے جو کچھ اپنی کتاب نظامیہ میں ذکر کیا ہے وہ بے دلیل نہیں لیکن وہ اس قول میں اور لوگوں سے منفرد ہے۔ ہر شخص کی اپنی اپنی رائے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اور اس پر رحم فرمائے۔ میں کہتا ہوں

Marfat.com

امام نے جو کچھ نظامیہ میں ذکر کیا ہے وہ ابو الحسن اشعری ابن الباقلانی اور ان کے متبعین کے اقوال کی نسبت اقرب الی الحق ہے۔ اور ہم اس کے کلام کو لفظ بلفظ ذکر کرتے ہیں۔ امام کا قول ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالٰے نے عقل سے بہرہ دیا ہے اور وہ تقلید کے درجہ سے نکل کر قواعد توحید پر نظر ڈالے تو اسے صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ اللہ سبحانہ وتعالٰے اپنے بندوں پر انکی حیاتی دنیا کے اعمال اور ان کے اسباب کی بابت مطالبہ فرمائے گا اور آخرت میں ان پر ان کو ثواب یا عذاب دیگا۔ اور ان نصوص سے جنمیں تاویل کی گنجائش نہیں یہ بات ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو ان افعال پر قدرت دے رکھی ہے جنکی بابت وہ ان سے مطالبہ کرے گا۔ اور اپنے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے لیے ان کے واسطے اسباب پیدا کر دئے ہیں۔ اور اگر میں اس مضمون کی آیات کو ذکر کرنے لگوں تو یہ مضمون طویل ہو جائے گا۔ چونکہ سمجھدار اور منصف آدمی کو اس مسئلہ کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ان آیات کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جو شخص کلیات شرائع پر نظر ڈالے۔ اوامر کی بجا آوری کی طرف ترغیب دلانے والے اور مہلک گناہوں اور فواحش سے باز رکھنے والے کلمات پر غور کرے اور ان حدود اور شرعی سزاؤں کو دیکھے جو بعض گناہوں کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ پھر وعد و وعید کی طرف توجہ کرے اور سرکش نافرمانوں کے مآل کار کے متعلق جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے حساب۔ عذاب رسوائی وغیرہ بیان فرمایا ہے اس کو یقین کرے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالٰے ان سے قیامت کے دن فرمائیگا تم نے حد سے تجاوز کیوں کیا۔ تم نے میری نافرمانی کیوں اختیار کی۔ تم نے میرے احکام کا کس لئے

Marfat.com

انکار کیا۔ میں نے تمہاری رسی کو ڈھیلا کر دیا تھا۔ اور تمہیں مہلت دے دی تھی۔ تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے تھے اور تم پر حق کا راستہ بالکل واضح اور روشن کر دیا تھا۔ تاکہ لوگوں کے لیے مجھ پر حجت قائم کرنے کا موقع نہ رہے اور ان سب باتوں کو سمجھ کر پھر بندوں کے فعل ان کے ارادہ۔ قدرت اختیار سے صادر ہونے میں شک کرے۔ تو وہ ضرور مخبوط الحواس قاتر العقل ہے یا تقلید کے جال میں پھنسا ہوا اور اپنی جہالت پر اڑا ہوا ہے۔ غرض اس بات کا قول کرنے میں کہ بندے کے فعل میں اس کی قدرت کا کوئی دخل نہیں شرائع کے مقاصد کی تحقیق کرنا اور ان احکام کی تکذیب کرنا ہے جن کو انبیاء علیہم السلام اللہ جلشانہ کی طرف سے لائے ہیں۔ جو لوگ توفیق ارشاد سے بے بہرہ ہیں اگر وہ یہ کہیں کہ بندے کی قدرت کو (اس کے فعل) مقدور میں کوئی دخل نہیں اور جب ان سے پوچھا جائے کہ جب بندے کو کسی فعل پر قدرت نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر بعضے فعل حرام اور بعضے فرض کس لیے کئے ہیں تو لمبے چوڑے جواب پیش کریں اور کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ تو اختیار کو اختیار ہے جو چاہے وہ کرے کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ (وہ جو کرے اُس سے سوال نہیں کیا جاتا اور بندوں سے (ان کے اعمال کے بابت) باز پرس ہوگی) تو ان کو یہ جواب دیا جائیگا کہ تمہاری تمام تقریر لاحاصل ہے۔ جو آیت تم نے پیش کی ہے اس کا مطلب بجائے خود صحیح ہے مگر تم غلط سمجھ رہے ہو۔ یہ بیشک صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جس کام سے اس کا ارادہ متعلق ہو اس کا حکم صادر فرماتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کی یہ بھی صفت ہے کہ خلاف وعدہ اور جھوٹ کہنے سے منزہ اور پاک ہے یہ بات ہم کو شروع کی قطعی دلیلوں

Marfat.com

سے معلوم ہو چکی ہے۔ کہ اللہ جلشانہ نے اپنے بندوں کو ایسے افعال واعمال کی بجا آوری کا حکم دیا ہے جن کو وہ بجا لا سکتے ہیں اور ان کو احکام شرعی کے بارے میں کسی ایسی بات کی تکلیف نہیں دی جو ان کی طاقت اور وسعت سے باہر ہو۔ اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قدرت حادثہ کا اپنے مقدور میں کوئی اثر نہیں جیسا کہ علم کا اپنے معلوم میں کوئی اثر نہیں تو ان کے نزدیک بندے سے اس کے افعال کی بجا آوری کا مطالبہ کرنا بالکل ایسا ہے جیسا اس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے نفس میں مختلف حالات وادراکات پیدا کرے۔ یہ لوگ حد اعتدال سے نکل کر باطل اور محال کے قائل ہو گئے ہیں اس سے شریعت کا ابطال اور احکام الٰہی کی تردید لازم آتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس امر کا اقرار کیا جائے کہ قدرت حادثہ اپنے مقدور میں کچھ اثر پیدا کرتی ہے اور نیز یہ کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں اس کا خلاف کرنا سلف امت کے مسلک سے باہر نکلنا اور گمراہی کے گرداب میں پڑنا ہے اور یہ کہنا بھی جائز نہیں۔ کہ بندے کا فعل اس کی قدرت حادثہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت قدیمہ دونوں سے وقوع میں آتا ہے کیونکہ ایک فعل کا دو قدرت والوں سے صادر ہونا محال ہے۔ اس لئے کہ ایک فعل میں انقسام تو ہو نہیں سکتا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وقوع میں آئیگا۔ تو صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اُسکے صدور کیلئے کافی ہے اور بندے کی قدرت کا اس میں کوئی اثر نہ ہوگا اور یہ بھی محال ہے کہ کچھ حصہ اُس کا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہو کیوں کہ ایک فعل کے لیے حصہ اور بعض نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اسکو صحیح طور پر وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشد اور توفیق عنایت ہو۔ بندے کو ان دونوں باتوں کے بیچ میں رہنا چاہیئے۔ نہ تو اپنے آپ کو اپنے افعال پر قادر مطلق سمجھے اور نہ اپنے آپ کو ایسا بے بس ٹھیرائے

Marfat.com

جس سے احکام شرعی کا اس سے مطالبہ کرنا بیکار ٹھیرے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا بطلان لازم آئے اور نہ یہ کہ ایک فعل کے پیدا کرنے میں اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کا شریک بنائے۔ کیونکہ یہ سب صورتیں باطل اور اسی گرداب سے نکلنے کے لیے محض لفظ اور صرف نام ذکر کر دینا کافی نہیں۔ تا وقتیکہ معنی اور مضمون کو محقق طور پر بیان نہ کیا جائے۔ مثلاً اگر کوئی یوں کہدے کہ بندہ کاسب ہے اور اسکی قدرت کا اثر اکتساب (حاصل کرنا) ہے اور اللہ سبحانہٗ بندے کے مکتسب فعل کا خالق ہے۔ تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کسب کیا چیز ہے۔ اور اس کا کیا معنی ہے۔ اور پہلے سب اقسام اس قائل کے سامنے پیش کیئے جائینگے۔ اور اس کو اس سے بھاگنے کے لیے کوئی راستہ نہ ملیگا۔ اس کلام کے بعد امام نے کہا ہے کہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ صانع کو مانتے ہیں۔ وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ بندے کی قدرت اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے۔ اور بندے کے فعل خود اسکی قدرت حادثہ سے وقوع میں آتے ہیں لیکن وہ مخلوق اور مقدر ہونے کے لحاظ سے اللہ سبحانہٗ کی نسبت کیئے جاتے ہیں اور اس کی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی قدرت سے جو بندے میں رکھی گئی ہے وقوع میں آتے ہیں بندے کے افعال کہلاتے ہیں۔ اور وہ قدرت بندے کی صفت اور وہ اللہ کی مملوک اور مخلوق ہے اور جب فعل اس قدرت سے جو کہ اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے وقوع میں آتے ہیں۔ لہذا وہ فعل بھی اللہ سبحانہٗ کے مخلوق اور مقدر کیئے ہوئے ثابت ہوئے۔ اور اللہ سبحانہٗ نے بندے کو اختیار دیا ہے۔ کہ وہ اس کے مطابق اپنی قدرت میں تصرف کرتا ہے سو جب وہ کسی فعل کو اپنی

Marfat.com

قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ تو وہ فعل اللہ تعالٰی کے حکم سے واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کی پیدا کی ہوئی قدرت کے ذریعہ سے وقوع میں آتا ہے اگر گمراہ فرقہ اس بات کو پا لیتا تو انکے اور ہمارے درمیان کچھ اختلاف باقی نہ رہتا لیکن وہ چونکہ افعال کے پیدا کرنے میں بندے کو مستقل اور منفرد سمجھتے ہیں اس لئے وہ خود بھی راہ راست سے دور ہو گئے اور اپنے متبعین کو بھی گمراہ کیا۔ دونو مذہبوں کے عقائد میں اختلاف معلوم ہونے سے ہمارے اور انکے درمیان امتیاز حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ہم نے جب بندے کے فعل کو اللہ تعالٰی کی تقدیر کی طرف منسوب کیا۔ اس لئے ہم نے یہ کہا کہ اللہ تعالٰی نے اپنی تقدیر کے مطابق جسکو وہی جانتا ہے بندے میں قدرت پیدا کی ہے۔ اور اس کے افعال کے لئے ایسے اسباب مہیا کیے ہیں جن کی تفصیل سے بندہ بےخبر ہے۔ اور نیز اللہ تعالٰی نے اپنے بندے سے افعال کے صادر کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس وجہ سے اس میں وہ دواعی و اسباب جو اسکو ان افعال کی طرف کشش کریں اور ارادہ اور اختیار پیدا کیے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ افعال ایک معلوم انداز پر واقع ہونگے۔ سو جب وہ وقوع میں آتے ہیں۔ تو وہ اس قدرت سے پیدا ہوتے ہیں جس کو بندہ اپنے علم اور ارادے کے مطابق ظاہر کرتا ہے اس وجہ سے بندے اختیار اور قدرت رکھنے کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں اور انکی قدرت کو پہلے اللہ سبحانہ نے پیدا کیا تھا اور اس قدرت کے تمام مقدورات چونکہ اللہ تعالٰی کی مشیت۔ علم۔ قضا اور خلق سے صادر ہوتے ہیں اس لیے وہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس قدرت کا نتیجہ ہیں جس کا خالق وہی ایک اللہ سبحانہٗ ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہٗ اس قدرت کے مقدورات کے وقوع کا ارادہ نہ فرماتا تو بندے کو ان پر قدرت نہ دیتا اور نہ انکے پیدا ہونے کے اسباب کو مہیا کرتا۔ جو شخص اس بات کو سمجھ لے گا وہ سیدھے راستے پر رہیگا۔ غرض بندہ فاعل مختار ہے۔ افعال کے صادر کرنے کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ بعض کاموں کی بجاآوری اور بعض سے باز رہنے کا اسے حکم دیا گیا ہے اور اس کے فعل اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے واقعہ ہوتے ہیں۔ اور یہ منجملہ ادلہ خلق بالقضا سے ہے۔ اور ہم اس مضمون (کی توضیح) کے لیے ایک ایسی شرعی مثال بیان کرتے ہیں جس کو صاحبِ نظر سمجھ کر خوش ہوگا۔ یعنی ہم کہتے ہیں کہ غلام اپنے مالک کے مال میں تصرف کرنے کا مالک نہیں ہوتا اور اگر وہ بدوں اجازت اپنے مالک کے بذاتِ خود تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ نہیں ہوتا۔ اور اگر مالک اس کو تصرف کرنے کی اجازت دے دے تو اس کا تصرف نافذ ہو جاتا اور اس کا یہ تصرف مثلاً بیع شرا اس کے مالک کی طرف منسوب ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس تصرف کا سبب مالک کی اجازت اور اس کا اذن ہے کیونکہ اگر اسکی اجازت نہ ہوتی تو یہ تصرف نافذ نہ ہوتا۔ لیکن غلام کو باوجود اس کے تصرف کرنے کا امر اور اس سے ممانعت کی جاتی ہے اور اسکی مخالفت کرنے پر سرزنش اور سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ پس اللہ سبحانہٗ اور اس کے بندے کے افعال کے متعلق بعینہٖ یہی حال ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور جو اس مثال کو پوری طرح سمجھ لے اس پر یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

Marfat.com

مگر گمراہ فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ بندہ مستقل طور پر اپنے افعال کا خالق ہے
پھر جب نافرمانی کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ بندے نے مستقل طور پر اپنا فعل
کیا اور پروردگار اس فعل پر اس سے ناخوش تھا۔ اس لئے وہ نافرمان
ٹھہرا۔ گویا کہ بندہ انکی رائے فاسد کے مطابق اپنی تدبیر میں اپنے پروردگار
کا مزاحم اور مقابل ہوتا ہے اور پروردگار کی مشیت ہو یا نہ ہو وہ اپنے
ارادہ کے موافق اپنے فعل کو پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ قرآن
کریم کی ان آیات کا جن میں طبع ختم اور اضلال کا بیان ہے کیا مطلب
ہے حالانکہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اشقیا کو انکی گمراہی اور
ضلالت پر مجبور کرتا ہے تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اللہ تعالےٰ
نے ان اشکال اور اس سوال کے جواب کو ایسا حل کر دیا ہے کہ اس کے
بعد عقلمندوں پر کوئی بات مخفی نہیں رہی۔ سواولاً ہم یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں
کی نسبت اللہ سبحانہٗ نے خبر دی ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر طبع اور
ختم کر دیا ہے وہ لوگ ایمان کے ساتھ مخاطب تھے اور ان سے اسلام کا
مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور احکام اسلام کی بجا آوری کی ان کو تکلیف دی گئی
تھی۔ اور انکی طرف انکو مدعو کیا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی قبول اسلام
اور اسکے احکام کے بجالانے کی قدرت اور اختیار ان کو دیا گیا تھا جیسا کہ ہم
یہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور جو شخص یہ اعتقاد کرتا ہے کہ ان وہ ان کے بجالانے
سے پہلے ہی روک گئے تھے تو اس کے نزدیک ان کی تکلیف کی بالکل یہ مثال ہو
گی۔ کہ ایک شخص کے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ کر اسے دریا میں ڈال دیا
جائے اور پھر اسے یہ کہا جائے کہ دیکھنا اپنے دامن کو یا اپنے آپ کو پانی سے
تر نہ ہونے دینا اور یہ ایسا معنی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے شرائع کو اس

Marfat.com

معنی پر وہی شخص محمول کرتا ہے جو بالکل بیوقوف اور اپنے رب پر جرأت کرنے والا ہو اور اس شخص کے نزدیک امر تکوین میں جیسا اس آیت میں ہے اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۔ (اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اس سے (اتنا ہی) فرما دیتا ہے کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے) اور امر تسخیر جیسا كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ (بندر بن جاؤ اور جہاں جاؤ دھتکارے جاؤ) میں ہے۔ اور امر تکلیف کے درمیان کچھ فرق نہ ہو گا پس ان آیات کا صحیح مطلب جس سے اکثر فرقے بے خبر ہیں۔ یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے حق میں بہتری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی عقل کو کامل اور اس کی بصیرت کو درست کر دیتا ہے اس سے تمام عوائق اور موانع کو ہٹا دیتا اور نیک لوگوں کو اس کا رفیق بنا دیتا۔ اور حصول خیر کے راستے اس پر آسان کر دیتا اور کھٹو میں ڈالنے والی چیزیں اور اسباب غفلت کو اس سے منقطع کر دیتا اور اس کے لیے وہ چیزیں مہیا کر دیتا جو اسے خیر اور عبادت کی طرف قریب کر دیتی ہیں پس وہ اس خیر کو کرنے لگتا اور اس کا عادی خوگر ہو جاتا ہے اور اس کے برخلاف جب کسی بندے کے حق میں شر اور برائی کا ارادہ ہو تو اس کے لیے وہ اسباب مہیا ہوتے ہیں جو اس کو خیر سے دور کر دیتے ہیں۔ اور ایسے اسباب موجود ہو جاتے ہیں جن سے وہ اپنی سرکشی میں روز بروز ترقی کرتا رہتا ہے شہوات کی محبت اس پر غالب آجاتی ہے اور گناہوں میں پڑنا اس کو بھلا معلوم ہوتا ہے اور جب نفسانی خواہشیں اس پر پورا قبضہ کر لیتی ہیں۔ تو حصول خیر کے اسباب کمزور ہو جاتے ہیں اس لئے وہ شر اور برائی میں پڑا اور اپنی نفسانی خواہشوں میں ڈوبا رہتا ہے وساوس اور

Marfat.com

شیطان اور نفس امارہ اس کے معاون ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ اس کے دل پر غفلت کا پردہ پڑ جاتا ہے جو اللہ تعالےٰ کی تقدیر میں اس کے لیے مقدر تھا پس یہی غفلت اس کے حق میں طبع ختم اور اَکِنَّہ ہے اور میں اس مضمون کو ایک مثال کے طور پر بیان کرتا ہوں۔ کہ ایک جوان نو عمر ہے جس نے ابھی کسی مذہب کی پابندی سے تہذیب کا سبق حاصل نہیں کیا اور نہ وہ تجربوں میں پڑا ہے اور اس کے پاس نوکر غلام اور عیش و عشرت کے سامان موجود ہیں اور باوجود ان سب باتوں کے وہ حسین اور خوبصورت بھی ہے اور کوئی اس کا ایسا نگران حال نہیں ہے جو اس کو گرداب ہلاکت میں پڑنے اور شہوات کے جال میں پھنسنے سے بچائے اور اسکے ساتھ برے خیالات کے لوگ رفیق ہیں اور وہ اپنے جوانی کے نشہ میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دیر تک زندہ رہے گا تو ایسا شخص اگر بُرے لوگوں کی خصلتیں اختیار کرے اور بالکل بے باک اور مطلق العنان ہو جائے تو کیا بعید ہے مگر باوجود اسکے کہ اس کو اختیار اور قدرت حاصل ہے اور وہ بدکاری گناہوں اور فعل قبیحہ کے کرنے پر مجبور نہیں اور نہ طاعات اور اچھے کام کرنے سے جبراً ہٹا دیا گیا ہے بلکہ وہ اپنی عقل سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ خدا تعالےٰ کی نافرمانی کریگا تو وہ ملامت اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ پس ایسے شخص کو اگر احکام کی تکلیف دی جائے تو عقل کی رُو سے کوئی محال نہیں۔ کیونکہ وہ خیرات کرنے سے روکا نہیں گیا۔ ہاں اگر اللہ تعالےٰ کی قضا سابق میں اس کے حق میں برائی ہے۔ تو اس کا خاتمہ اللہ تعالےٰ کے حکم سابق اور اسکی قضائے فیصل کے موافق بُرائی پر ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ کی حجت اس پر قائم ہوگی ہاں اگر اللہ تعالےٰ کی رحمت اسے ڈھانپ لے جو ارحم الراحمین ہے تو اسکی نجات

Marfat.com

بھی ہو سکتی ہے ۔ جو کچھ ان آیات کے مضمون کے متعلق میں نے بیان کیا ہے بالکل صاف اور واضح ہے جس کو اللہ تعالےٰ کی توفیق راہ نما ہو وہ اس میں شک نہیں کریگا ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ (پھر اس کے بعد تمہارے دل (ایسے) سخت ہو گئے کہ گویا پتھر ہیں بلکہ (ان سے بھی) سخت تر) اللہ تعالےٰ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یعنی کفار مخالفت پر جمے اور نافرمانی کرنے پر اڑے رہے ۔ اس لئے ان کے دل سخت ہو گئے ۔ اور مقام میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا (اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے) تمام امور نفع اور ضرر خیر اور شر کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کرنے اور تکالیف و احکام کے اثبات اور اصول و قواعد شریعت کے بیان کے بارے میں نہایت معقول طور پر ہم بحث کر چکے ہیں ۔ کیا میں اس شخص کی نسبت جو طبع اور ختم کے یہ معنی قرار دیتا ہے کہ وہ لوگ یعنی کفار خیرات کے کرنے سے جبراً رک دیے گئے اور اپنے زعم میں تکالیف شروع کو بیکار ٹھیراتا ہے راہ راست پر نہیں اور میرا قول اس کے قول صحیح نہیں ہے ۔ ضرور صحیح ہے ۔ اس مسئلہ میں لوگوں کے کئی مذہب اور متعدد فرقے ہیں ۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ کفار ایمان لانے سے اللہ تعالےٰ کی طرف سے جبراً رک دئے گئے ہیں ۔ وہ داعیان حق کی بات ماننے پر قدرت نہیں رکھتے ۔ اور باوجود اس کے وہ ملزم ہیں انہوں نے بہت بری اور نہایت غلط بات کہی ہے ۔ شرائع الٰہی پر طعن اور دعوات انبیاء کا ابطال کیا ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے یوں فرمایا ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰی الاٰیہ ۔

Marfat.com

(اور جب لوگوں کے پاس (خدا کی طرف سے) ہدایت آچکی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی آخر آیت تک) اور ابلیس سے فرمایا تھا۔ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ (تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے باز رکھا) خطرات کے مقام میں اللہ تعالٰے کی نسبت سوءِ ظن کرتے ہے ہم اسکی پناہ مانگتے ہیں اور کئی گمراہ لوگ اس طرف گئے ہیں۔ کہ بندہ نافرمانی کرتا ہے اور خدا تعالٰے اس سے ناخوش ہوتا ہے۔ مگر بندہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ گو خدا کی مشیت نہ ہو۔ یہ بات بھی نہایت غلط اور احکامِ الٰہی میں خبط کرنا ہے۔ اور پروردگار کے ساتھ مقابلہ اور مزاحمت کی صورت ہے کیونکہ اگر اللہ تعالٰے کفار و فجار سے ان افعال کے صدور کا ارادہ نہ کرتا جن کو وہ ازل میں جانتا تھا۔ تو سرے سے ان کو پیدا ہی نہ کرتا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ پیدا ہو کر میرے حکم کے برخلاف ایسے افعال کرینگے۔ پس جب اللہ تعالٰے نے ان کو پیدا کر کے ان کے قویٰ کو کامل بنایا۔ اور ہر قسم کے سامان و اسباب ان کاموں کے واسطے ان کے لیے مہتیا کیے اور ان پر ان کاموں کے کرنے اور حق سے دور رہنے کے راستے آسان کر دئے تو پھر اللہ تعالٰے کی مشیت و ارادے کے برخلاف ان سے یہ کام کیسے صادر ہوئے۔ اگر کوئی یہ کہے۔ کہ ایسے لوگوں کو اس لئے پیدا کیا اور ان کے قویٰ کامل بنائے۔ کہ اس کی اطاعت کرینگے۔ ہم کہتے ہیں یہ بات ہرگز کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسے تو پہلے معلوم تھا کہ یہ لوگ پیدا ہونے کے بعد میری نافرمانی کرینگے۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں گے۔ میرے انبیاء و اولیاء کی مخالفت کرینگے۔ اور ایسے شقی ہونگے۔ جو کبھی راہِ راست پر آئینگے۔ اگر کسی آقا اور مالک کو کسی نبی کے بتلانے یا وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو

Marfat.com

کہ اگر وہ اپنے غلام کی مال سے مدد کریگا تو وہ سرکش ہو جائے گا اور بھاگ کر راہزنی کرنے لگے گا۔ اور باوجود اس کے وہ اپنے غلام کو اس ارادہ سے بہت سا مال دیدے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا غلام اس مال سے مسجدیں اور پل بنوادے اور ساتھ ہی یہ بھی کہے۔ کہ مجھے معلوم ہے کہ میرا غلام کوئی نیک کام نہیں کریگا۔ بلکہ مال کو بُرے کاموں میں برباد کریگا۔ تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ مالک اپنے غلام کی اصلاح چاہتا ہے بلکہ وہ اس کو بگاڑنا چاہتا ہے یہ دونو گروہ حق سے دور اور راہ صواب سے بھٹک گئے ہیں۔ ایک نے تو قواعد شرعیہ پر اعتراض کیا دوسرے نے احکام خدائی کا مقابلہ کیا۔ اور جن لوگوں کی توفیق ایزدی نے دستگیری کی۔ انہوں نے میانہ روی اختیار کی۔ اور کہا کہ جو افعال بد بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کو پہلے سے معلوم ہیں۔ اور وہ اسکے ارادے ومشیت سے وقوع میں آتے ہیں لیکن باوجود اسکے انکو قدرت دی ہے کہ ان کو چھوڑ کر نیک کاموں کو اختیار کریں۔ اس طرح کہنے میں شریعت بھی قائم رہتی ہے۔ اور احکام الٰہیہ کے متعلق عقیدہ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ جو حکیم ہے وہ ایسے بیہودہ اور لغو کاموں کا ارادہ کس طرح کرسکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نفس افعال اس شخص کی نسبت جو ان سے منتفع ومتضرر نہیں ہوتا یکساں ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ نے بتلا دیا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا۔ اور ان سے بجاآوری احکام کا مطالبہ کیا اور ان کے عذروں کو دور کر دیا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ کا فرمان بجا اور اس کا کلام برحق ہے اور ان لوگوں کی نہایت قوی دلیل جس سے معارضہ کرتے ہیں یہ ہے کہ اگر کوئی دانا آدمی اپنی لونڈی غلاموں کو دیکھے۔

Marfat.com

کہ وہ آپس میں خلط ملط ہوتے ہیں اور وہ انکی ناشائستہ حرکات کو بچشم خود دیکھ رہا ہے۔ تو وہ ان کو اُس حالت پر چھوڑ دینا پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ سبحانہٗ بدکاروں کی عام بدکاریوں پر مطلع ہو کر ان کو ان سے باز نہیں رکھتا۔ بلکہ ان کو دن بدن ترقی اور استدراج حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد امام نے کہا ہے۔ کہ اپنے فہم کے مطابق جو کچھ معلوم ہوا تھا میں نے ظاہر کر دیا ہے اور اگر مجھے اس علم کے حاصل کرنے میں کوئی ایسا شخص ملجائے جو اس باب کو تفصیل سے سمجھا دے۔ تو مجھے اس اللہ کی قسم ہے جو ہر نفس کے اعمال پر حافظ ہے کہ وہ شخص تمام دنیا کی سلطنت سے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا۔ امام کا کلام بالفاظہٖ ختم ہوا۔ امام کا مسلک دونو فرق کے مسلک کے مابین ہے اور یہ بہت اچھا مسلک ہے مگر اس کے اکثر شاگردوں نے اس مذہب کو ناپسند کیا ہے۔ جن میں سے انصاری شارح ارشاد وغیرہ بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام کا مذہب معتزلہ کے مذہب کے قریب قریب ہے معتزلہ کے مذہب اور امام کے مذہب میں صرف لفظی فرق ہے اور یہ مذہب صرف امام کا مذہب ہے اس کے ساتھ اور کوئی شخص موافق نہیں۔ امام کے مذہب کے متعلق چند امور قابل ہیں اوّل یہ کہ اس نے اپنے اس قاعدہ کی بناپر (کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کی محبوب ہوتی ہے اور نیز اگر اس نے کفر۔ فسق اور عصیان کو مقدر کیا ہے تو یہ بھی اس کے مراد و محبوب ہیں اور ان کو وہ ناپسند نہیں رکھتا گو بندے کی اپنی قدرت اور اختیار جبکہ اللہ سبحانہٗ اس کو قدرت دیدے۔ اس کے فعل کے ایجاد میں مؤثر ہیں) یہ کہا ہے کہ اللہ سبحانہ نے جن معاصی کو مقدر کیا ہے۔ ان کو وہ ناپسند نہیں رکھتا۔ اس قاعدے میں اتنی بات تو صحیح ہے

Marfat.com

کہ بندے کی قدرت اور اس کا اختیار جب اللہ اسے قدرت دیدے اس کے فعل کے ایجاد میں مؤثر ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ اللہ سبحانہ، کفر، فسق اور عصیان کو جب وہ واقع ہوں محبوب رکھتا ہے اور یہ اسے ناپسند نہیں نہایت باطل اور بالکل غلط اور صریح عقل اور نقل کے خلاف ہے اور امام کے اس امر کے قائل ہونے کا باعث یہ ہے کہ اس نے محبت اور ارادہ اور مشیت کو ایک سمجھا ہے اور یہ خیال کیا ہے کہ جس چیز سے اللہ سبحانہ، کی مشیت متعلق ہو وہ اسکی مراد و محبوب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص محبت اور مشیت میں فرق نہ سمجھیگا۔ وہ باطل اور غلط باتوں میں سے ایک بات کا وہ ضرور قائل ہوگا۔ یا تو یہ کہیگا اللہ سبحانہ، کفر، فسق اور عصیان کو محبوب رکھتا ہے یا یہ کہیگا کہ جو کفر، فسق اور معاصی وقوع میں آتے ہیں۔ یہ اللہ کی مشیت اور قدرت سے باہر ہیں۔ چنانچہ ان دونو باتوں میں سے ہر ایک بات کا ایک گروہ قائل ہے ایک گروہ تو کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ، ان امور کو محبوب و پسند نہیں رکھتا۔ اور نہ اس نے ان کو مقدر کیا ہے اور نہ ان سے اس کی مشیت متعلق ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ کہ یہ اس کی مشیت اور ارادہ سے واقع ہوتے ہیں اور وہ ان کو محبوب و پسند رکھتا ہے۔ اس قاعدہ میں کہ مشیت ارادہ اور محبت ایک چیز ہیں۔ یہ دونو گروہ متفق ہیں۔ لیکن اس کے ثمرہ اور لازم میں باہم مختلف ہیں۔ حالانکہ اللہ سبحانہ، نے ان لوگوں پر جو اس کی مشیت سے اسکی محبت پر استدلال کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ جس چیز سے اس کی مشیت متعلق ہو وہ اس کی محبوب ہوتی ہے اپنی کتاب میں تین دفعہ رد فرمایا ہے یعنی سورۂ انعام نحل اور زخرف میں فرمایا ہے سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا

Marfat.com

أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (مشرکین سے کچھ بعید نہیں کہ یہ حجت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دادا ایسا کرتے) اور نہ ہم کسی (حلال) چیز کو (از خود اپنے اوپر) حرام کرتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں (پیغمبروں کو) جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ (آخر کار) ہمارے عذاب کا مزہ چکھا (پڑا چکھا) اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ آیا تمہارے پاس کوئی (کتابی) سند بھی ہے کہ اس کو ہمارے (دکھانے کے) لئے نکالو (اور پیش کرو سند تو تمہارے پاس کچھ ہے نہیں) نرے وہموں پر چلتے اور نری انگلیں ہی دوڑاتے ہو)۔

اور سورۂ نحل میں ہے۔ وَكَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی (حیلہ حوالہ) کیا۔ تو پیغمبروں پر اس کے سوا کہ (احکام خدا کو) صاف طور پر پہنچا دیں اور کچھ ذمہ داری نہیں)۔

اور زخرف میں ہے وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (اور کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ ان کو معاملہ تقدیر کی کچھ خبر تو ہے نہیں نری انگلیں دوڑا رہے ہیں)۔

Marfat.com

مشرکین نے اس بات پر کہ اللہ ان کی شرک کو محبوب وپسند رکھتا ہے اس طرح استدلال کیا کہ اللہ سبحانہ نے ان کو اس فعل پر ثابت رکھا ہے ، وراگر وہ اس فعل کو محبوب وپسند نہ رکھتا تو اس سے اس کی مشیت متعلق نہ ہوتی اور نہ اُن سے صادر ہو سکتا ہے۔ مشرکین نے اپنے اس باطل استدلال لئہ تعالیٰ کے امرونہی کا خلاف اور معارضہ کیا اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو نہ مانا اور کہنے لگے کہ نبی ہم کو ایسی چیز کا کس طرح حکم کرتا ہے جس کی ضد اور مخالف چیز کے ساتھ ہماری نسبت اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہو چکی ہے اور نیز وہ ایسی چیز کو کیسے ناپسند سمجھتا ہے۔ جس کے وقوع کے ساتھ اس کی مشیت اس طرح متعلق ہو چکی ہے کہ وہ ہم سے وقوع میں آئے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام پسند نہ ہوتا تو وہ ہم کو اُس پر قادر نہ کرتا۔ اور ہمارے اور اس کام کے درمیان حائل ہو جاتا۔ پس اللہ سبحانہٗ نے ان کے اس خیال باطل کی تکذیب فرمائی۔ اور بتلایا کہ یہ میرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ میرے سب رسول اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک مشرکین کا شرک نہایت ناپسند اور مبغوض اور بری چیز ہے اگر وہ اس کو ناپسند نہ رکھتا۔ تو وہ مشرکین کو معذب نہ کرتا کیونکہ وہ اپنے بندے کو ایسے کام پر عذاب نہیں دیتا جو اُسے محبوب وپسندیدہ ہو۔ پھر اللہ سبحانہٗ نے اُن سے دلیل کا مطالبہ کیا ہے کہ اگر تم اپنے اس زعم باطل میں کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی اجازت دی ہے اور وہ اس کو محبوب ولپسند رکھتا ہے سچے ہو تو کوئی دلیل اور سند لاؤ۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس فعل پر اپنی تقدیر کے موافق ثابت رکھا۔ اِس سے کوئی عقلمند یہ استدلال نہیں کر سکتا۔ کہ شرک ومعاصی اللہ کے نزدیک محبوب وپسندیدہ ہیں ورنہ ظلم۔ فواحش فساد فی الارض فتنہ

انگیزی بغاوت وغیرہ تمام برائیاں اللہ کے نزدیک محبوب وپسندیدہ ہوجائینگی پھر اللہ سبحانہٗ نے یہ بتلایا ہے۔ کہ ان کی دلیل کی مدار صرف ظن پر ہے۔ اور ظن اکذب الحدیث ہے۔ اس لئے وہ کاذب اور اٹکل سے باتیں بنانے والے ہیں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہٗ نے بتلایا ہے کہ میری حجت اُن پر دو طرح سے ثابت ہے۔ اوّل اس لئے کہ میں نے ان کو وہ عقول عطا کئے ہیں جن سے وہ بھلی بُری چیز جھوٹ اور سچ کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں پھر آنکھ۔ کان سب قوئی دیئے ہیں جو اشیاء کے ادراک کا آلہ اور ذریعہ ہیں اور جن سے حق و باطل کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ دوسرا اس لیے کہ میں نے اُن کے پاس اپنے رسول بھیجے۔ اپنی کتابیں نازل کیں اور اُن کو ایمان لانے اور اسلام اختیار کرنے کی قدرت دی۔ اللہ سبحانہٗ صرف ایک وجہ سے اُن کو مستحق مواخذہ و عذاب نہیں ٹھیرایا بلکہ اپنے کمال عدل اور ان کے ہر طرح کے عذر دُور کرنے کے لیے دونوں قسم کے ذرائع مہیا کرنے کے بعد ان کو معذب بنایا اور اسی لیے اللہ سبحانہٗ نے اپنی حجت کا نام حجت بالغہ رکھا ہے یعنے وہ بیان اور وضاحت کے منتہی کو پہنچ گئی ہے جس کے ہوتے کسی شخص کے لیے کوئی بات کہنے کی گنجائش اور کسی عذر کرنے والے کے لیے کوئی عذر پیش کرنے کا موقع نہیں رہا اور جو شخص اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں اپنا واقعی اور سچا عذر پیش کرے۔ اللہ سبحانہٗ اُس کو قبول فرمالیتا ہے۔ پھر اللہ سبحانہٗ نے آخری آیت کو جملہ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اگر وہ چاہتا۔ تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا) پر ختم کر دیا ہے۔ کہ کوئی شے اس کی مشیت بغیر وقوع میں نہیں آتی۔ اور یہ بھی اس کی حجت بالغہ کا تتمہ ہے کیونکہ جب کوئی چیز اس کی مشیت نہ ہونے کے سبب ظہور میں نہ آئی۔ یعنی مشیت کے عدم سے

Marfat.com

اس کا عدم ہوا۔ تو اس کی مشیت کے وجود سے اس کا وجود ضروری ہوگا پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہوگی۔ وہ ظہور میں آئے گی اور جس سے اُس کی مشیت متعلق نہ ہوگی وہ ظہور میں نہ آئے گی۔ یہ دلیل توحید کے اثبات اور شرک اور بت پرستی کے ابطال کی بڑی بھاری اور کھلی دلیل ہے۔ پس مشرکین نے جس دلیل سے اللہ کی مشیت سے اپنے شرک کرنے پر استدلال قائم کیا تھا۔ وہی دلیل ان کے استدلال کے بطلان اور فساد کو کھلے طور پر ظاہر کرتی ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کو اس کی توحید ماننے اور اس کی بارگاہ میں اپنا احتیاج اور التجا اور اپنی طاقت و قوت سے برات اور اس کی طرف اس بات کی رغبت ظاہر کرنے کے طور پر ذکر کرتے کہ وہ ان سے وہ قصور معاف کر دے جن کے وقوع سے اگر اس کی مشیت متعلق نہ ہوتی تو وہ کبھی وقوع میں نہ آتے تو یہ امر اُن کے لیے نافع ہوتا اور ان کے واسطے ہدایت کا دروازہ کھول دیتا۔ لیکن مشرکین نے تو اللہ کی تقدیر و مشیت کو اُس کے امر کا مقابلہ کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ابطال کی غرض سے ذکر کیا جس سے وہ اور زیادہ گمراہ ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنی محبت اور مشیت میں فرق بتلا دیا ہے۔ ابوالحسن اشعری نے اس امر پر کہ اللہ سبحانہٗ کی محبت اور مشیت میں فرق ہے۔ اپنے مقالات میں اہل سنت اور حدیث کا اتفاق نقل کیا ہے۔ اور ابن فورک نے اپنی کتاب تجرید میں ابوالحسن اشعری سے نقل کیا ہے کہ وہ محبت اور مشیت میں فرق بتلاتے تھے۔ اور وُدّ۔ حُبّ۔ ارادہ۔ مشیّت۔ اور رضا میں کچھ فرق نہیں کرتے تھے اور وہ اس بات کے قائل نہ تھے۔ ان میں سے کوئی صفت کسی کام سے متعلق ہو

Marfat.com

اور دوسری اُس سے متعلق نہ ہو بلکہ یہ سب ایک ہی ہیں۔ اور ایک دوسری کی اہم معنی و مرادف ہیں مگر ان کے کسی چیز سے متعلق ہونے کے ساتھ ایک ایسی قید ہوتی ہے۔ جس سے ابہام دور ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مومن اللہ کا محبوب ہے جب کہ اس کے علم میں اس کا مومن اور اہل خیر سے ہونا ہے۔ تو اُس کا کفر ہی مراد ہے۔ غرض ہر ایک چیز کو وہ یہی چاہتا ہے کہ جس طرح وہ اس کے علم میں ہے اُسی طرح وقوع میں آئے۔ رضا۔ اصطفا اور اختیار کے متعلق بھی ابوالحسن کی یہی رائے تھی کہ ان میں کچھ فرق نہیں مگر قید مذکور کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مطلب میں غلطی واقع نہ ہو۔ صاحب تجرید مقالات اشعری کا کلام ختم ہوا۔

تمام اہل سنت۔ محدثین۔ فقہاء۔ جمہور۔ متکلمین اور صوفیہ کا یہ مذہب ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ کے نزدیک بعض اشیاء۔ افعال۔ صفات مکروہ و ناپسندیدہ ہیں۔ گو وہ اس کی مشیت ہی سے وقوع میں آتے ہیں۔ مگر وہ اُس کی بارگاہ میں مبغوض و ناپسندیدہ ہیں جیسے ابلیس اور اس کے لشکر سے اللہ تعالیٰ کو عداوت اور دشمنی ہے۔ اور نیز اُن کے اعمال سے بغض و نفرت ہے۔ گو وہ اُس کی مشیت سے وقوع میں آتے ہیں مگر وہ ان کو پسند نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (اللہ فساد کو پسند نہیں رکھتا) اور ہونا ہے۔ اور اسی طرح جب کافر کا اس کے علم میں کفار اور اہل شر سے فرمایا ہے وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا)، وقال تعالےٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترانے (اور) بڑائی مارنے والے ہیں)، وقال تعالیٰ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی کسی کو، مُنہ پھوڑ کر بُرا کہے مگر جس پر کسی طرح

Marfat.com

کا ظلم ہوا ہو) وقال تعالیٰ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ
اور زیادتی نہ کرنا اللہ کسی طرح زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا، وقال
تعالےٰ اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ (اگر تم
خدا کی، ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز (مطلق) ہے اور اپنے بندوں
کے لیے ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ سبحانہ نے ان آیات میں تبلادیا ہے کہ وہ ان اشیاء وصفات و
افعال کو پسند نہیں رکھتا اور نہ ان کے وقوع کے بعد وہ ان سے خوش وراضی
ہوتا ہے۔ اوران آیات سے اس شخص کے قول کا صریح ابطال ہو جاتا ہے
ہے جو ان آیات کا یہ معنی قرار دیتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ ان چیزوں کے صدور
کو جس شخص سے ایسی صادر نہ ہوئی ہوں پسند نہیں رکھتا۔ اور یہی چیزیں
جب وقوع میں آجائیں تو اس کی محبوب وپسندیدہ ہو جاتی یعنی یہ چیزیں
جب کسی شخص سے وقوع میں آجائیں تو اللہ کی محبوب وپسندیدہ ہیں اور
جس شخص سے وقوع میں آئی ہوں تو قبل وقوع اللہ ان کو محبوب وپسندیدہ
نہیں رکھتا اس شخص کا یہ قول باطل اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے بلکہ یہ
چیزیں قبل وقوع اور بعد وقوع ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض و
ناپسندیدہ ہیں کیونکہ یہ اشیاء قبائح وخبائث ہیں۔ اور اللہ سبحانہ قبیح اور
خبیث کی محبت سے منزہ وپاک ہے بلکہ قبیح وخبیث اللہ تعالیٰ کو نہایت
ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ
مَکْرُوْھًا (اے پیغمبر) ان سب باتوں میں جو جو بری ہیں سب ہی تو
تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں) اللہ سبحانہ نے تو یہ بھی
بتلادیا ہے کہ وہ منافقین کی طاعات بھی پسند نہیں رکھتا۔ اسی لیے ان
کو ان سے باز رکھتا ہے۔ پس وہ ان کے نفاق کو کیسے پسند رکھے گا۔ اور

Marfat.com

منافقین اُس کے محبوب و برگزیدہ کیسے ہوں گے۔ اسی باطل قاعدہ کی بنا پر اس شخص نے یہ کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ کے نزدیک سب افعال یکساں ہیں اور افعال بجائے خود حسن اور قبیح کی طرف منقسم نہیں۔ پس اللہ سبحانہٗ کے نزدیک شکر اور کفران میں کوئی فرق نہیں۔ اسی واسطے اس خیال کے لوگوں نے کہا ہے کہ عقل کے رو سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر واجب نہیں اور اسی قاعدہ کی بنا پر کہا ہے کہ اُس کی مشیت عین محبت ہے اور جس چیز سے اس کی مشیت متعلق ہو تو وہ اس کی محبوب و پسندیدہ ہے۔ اس قاعدہ کے گھڑے کے بعد وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء و افعال کو جو اس نے پیدا کئے ہیں مبغوض و ناپسند رکھتا ہے اور بعض چیزوں کو پسند و محبوب بلکہ جو چیز اُس نے بنائی ہے اور پیدا کی ہے وہ اس کی محبوب پسندیدہ ہے اور جس چیز سے اُس کی مشیت متعلق نہیں ہوئے اور نہ اُس کو پیدا کیا ہے تو وہ اس کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ ہے۔ یہ قاعدہ ان لوگوں نے اس لئے گھڑا ہے کہ وہ اپنے زعم میں اس قاعدہ کے رُو سے تقدیر کی محافظت کرتے یعنی اس کے ماننے میں سر مُو فرق نہیں کرتے۔ مگر انہوں نے اس قاعدہ سے شرع اور تقدیر دونو پر ہاتھ صاف کیا۔ اور اس کے رو سے ایسے امور کا التزام کیا کہ جس سے تقدیر اور حکمت دونوں سے انکار کرنا پڑتا ہوا اور صریح عقل کا خلاف کیا۔ سب سے بُرے اور سب سے اچھے کام کی فی الواقع مساوات کے قائل ہوئے اور کہا کہ ان دونو میں سوائے اس کے کہ ایک کے کرنے کا حکم ہے اور دوسرے سے باز رہنے کا امر ہے کوئی فرق نہیں۔ پس ان کے نزدیک جھوٹ۔ ظلم۔ تعدی اور بغاوت فی الواقع صدق۔ عدل اور احسان کے مساوی ہیں۔ صدق۔ عدل اور احسان میں

Marfat.com

کوئی ذاتی بات نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو حسن کہا جائے۔ اور ظلم جھوٹ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی رو سے ان کو قبیح قرار دیا جائے۔ اور اس مذہب کو اہلِ سنت کی علامت ٹھیرایا ہے۔ اور جو لوگ اس کے برخلاف قائل ہیں ان کو اہلِ بدعت قرار دیا ہے۔ جیسے فرقہ معتزلہ وغیرہ مگر حق یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ قول تمام اقوال سے زیادہ باطل اور عقل، شرع اور فطرۃ اللہ سے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے نہایت سخت مخالف ہے اور میں نے اپنی کتاب مفتاح میں قریبًا پچاس دلیلوں سے اسے باطل کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب اس قاعدہ کے ساتھ مندرجہ ذیل امور شامل ہوگئے (ا) اللہ سبحانہٗ کسی چیز کو مبغوض و محبوب نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے نزدیک ہر موجود محبوب اور ہر معدوم مکروہ ہے (ب) اللہ سبحانہٗ کے اقوال کے لیے نہ کوئی غایت مطلوب ہے اور نہ وہ کسی حکمت پر مبنی ہیں (ج) اللہ سبحانہٗ نے کسی چیز کو کسی چیز کا سبب نہیں بنایا۔ اور نہ اشیاء و افعال کے لیے کوئی اسباب بنائے ہیں (د) قوی، طبائع، غرائز کوئی چیز نہیں اور نہ ہی کسی شے کے واسطے سبب ہوتے ہیں۔ اور نہ ان کا کوئی اثر و فعل ہے۔ تو ان لوگوں پر مسائل تقدیر میں صواب تک پہنچنے کا راستہ بند ہو گیا۔ اور ان اصول باطلہ کی بنا پر ایسی صریح۔ باطل اور ظاہر الفساد امور کو مانا اور اقرار کیا کہ یہی امور ان اصول کے غلط اور فاسد ہونے کی نہایت زبردست دلیل ہیں۔ کیونکہ لازم کا فساد ملزوم کے فساد کو مستلزم ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے۔ کہ کراہت اور محبت کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز سے طبیعت کو نفرت یا کسی چیز سے موافقت اور الفت ہو۔ پس یہ صفات اللہ سبحانہ کے حق میں جو طبع اور نفرت اور موافقت طبع سے منزہ ہے کس طرح متصور ہو سکتے ہیں۔ تو اس کا جواب

Marfat.com

یہ ہے کہ نصوص صریحہ میں آچکا ہے کہ بعض اشیاء سے محبت رکھنا اور بعض چیزوں کو مکروہ جاننا اللہ سبحانہٗ کے صفات میں سے ہے۔ پس ان آیات کے حقیقی معنی کو منافرت طبع یا ملائمت یعنی موافقت طبع کے ساتھ تعبیر کرنا باطل ہے اور یہ تعبیر درحقیقت اُس کی صفت محبت و کراہت کا انکار کرنا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے حقائق سے منکر ہیں اور ان کو ایسی عبارات اصطلاحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جن سے ان صفات کی نفی لازم آتی ہے جن کے ساتھ اللہ سبحانہٗ نے اپنی ذات مقدس کو موصوف فرمایا ہے۔ جیسے معطلہ نے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کا نام اعراض رکھا۔ اور پھر ان کے عرض ہونے کی وجہ سے اُن کا انکار کیا اور جہمیہ نے اس کے فعال قائم بالذات کا نام حوادث ٹھیرایا اور پھر اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں ہو سکتا اس کے افعال کے منکر ہوئے معطلہ اس خیال سے کہ اعراض اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ کے صفات کے منکر ہوئے اللہ کے صفات عُلوّ علی الخلق۔ استوار علی العرش۔ اور اپنے بندوں پر غالب ہونے کا نام تحیّز اور تجسم (یعنی مکان میں ہونا اور صاحب جسم ہونا) ٹھیرایا اور پھر صفات مذکورہ یعنی عُلوّ علی الخلق و استوا علی العرش کا انکار کیا۔ اور اللہ سبحانہٗ نے جو الفاظ اپنی ذات مقدس کی نسبت جیسے۔ وجہ۔ یدین۔ اصبع (چہرہ۔ ہاتھ۔ انگلی) بیان فرمائے ہیں۔ ان کا نام اعضاء اور جوارح ٹھیرایا۔ پھر ان صفات کا جو اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت فرمائے ہیں۔ ایسا نام ٹھیرانے کی وجہ سے جو درحقیقت ان کا یہ نام نہیں ہے۔ انکار کیا۔ اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (یہ تو نرے نام ہی نام)

Marfat.com

ہیں جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں خدا نے تو ان کے معبود ہونے) کی کوئی سند اُتاری نہیں۔ یہ لوگ تو بس اٹکل اور (اپنی) نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ اور (طرہ یہ ہے کہ) ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت بھی آچکی ہے (اس پر بھی نہیں مانتے) غرض تشبیہ، تجسم، ترکیب حوادث۔ اعراض اور تجزی کی وجہ سے اس کے صفات کمال ولغوت جلال کے منکر ہوئے اور کہا کہ ایسے الفاظ جو اللہ کے صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کا کوئی معنی نہیں اور نہ ان کے مفہوم کی کوئی حقیقت ہے پس ہم اس شخص سے جو میل اور نفرت طبع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت محبت وکراہت کا انکار کرتا ہے یہ پوچھتے ہیں کہ تمہارے مذہب اور منکرین صفاتِ الٰہی کے مذہب میں کیا فرق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے صفتِ ارادہ نہیں ہے کیونکہ ارادہ دفع ضرر یا حصول نفع کے لیے نفس کے متحرک ہونے کو مستلزم ہے علی ہذا القیاس اس کی صفت سمع اور بصر کا انکار کرتے ہیں۔ کہ صفت سمع اور بصر کے لیے ضروری ہے کہ مسموع اور مبصر سے سامع متاثر ہو اور نیز بصر کے لیے یہ ضروری ہے کہ مرئی کی صورت رائی کے حواسی میں منتقش ہو۔ اور سمع کے لیے لازم ہے کہ ہوا صوت کو سامع کے کان تک پہنچائے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے اس لیے منکر ہیں۔ کہ علم کے لیے ضروری ہے کہ عالم کے نفس ناطقہ میں معلوم کی صورت حاصل ہو۔ اور اس کے غضب اور رضا کا اس لیے انکار کیا ہے کہ یہ دونوں حرکتِ قلب اور ناخوش کرنے والی یا خوشی پیدا کرنے والی چیز سے دل کے متاثر ہونے کو چاہتے ہیں۔ اور اس کے صفت کلام کا اس لیے انکار کیا کہ کلام ایسے محل کو چاہتا ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہو اور ہونٹ اور زبان اور لہوات (کوّے) سے اس کا ظاہر ہونا ضروری ہے

Marfat.com

اور چونکہ ان لوگوں کے لیے جو رب العالمین کے وجود کے قائل ہیں. ان شبہات کا دفع کرنا سوائے اس کے ممکن نہ تھا. کہ منکرین صفات جو ان الفاظ کے معانی ٹھیراتے ہیں ان کا انکار کیا جائے. اور یہی ضروری تھا. کیونکہ اگر ان معانی کو تسلیم کیا جائے. تو جس صفت کا ثبوت مانا جائے گا. تو اس کے لوازم ضرور ماننے پڑیں گے. جیسے کہ منکرین صفات کہتے ہیں. اور اس میں کچھ فرق نہ ہوگا. اسی واسطے امام احمد وغیرہ وآئمہ اہل سنت نے فرمایا ہے کہ ہم طعن وتشنیع کرنے والوں کے طعن وتشنیع کے خوف سے اللہ سبحانہ کی کسی صفت کا انکار نہیں کرتے. غرض ہم اللہ تعالیٰ کی صفت محبت وکراہت کو اس خیال سے کہ منکرین اس کو الفت طبع یا نفرت طبع نام رکھتے ہیں انکار نہیں کرتے. اس مقام کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے. کیونکہ صفات الٰہی کا انکار گمراہی کی مضبوط جڑ اور اس کے قوی اسباب میں سے ہے. پس ہم عرش کا نام حیز (مکان) اور استوا کا نام تحیز نہیں رکھتے. اور نہ اس کے صفات کو اعراض اور نہ اس کے افعال کو حوادث اور نہ وجہ. یدین. اصابع کو اعضاء وجوارح کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور نہ اس کے صفات کمال کے اثبات کو تجسیم وتشبیہ کہتے ہیں. اگر ہم بھی ایسا کریں گے تو دو بڑے بھاری گناہوں کے ہم بھی مرتکب ہوں گے. ایک لفظ کے معنی کو بگاڑنا دوسرا معنی کو معطل وبیکار قرار دینا اور یہ بالکل ویسا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کے افعال عباد کو پیدا کرتے اور اس کے قضائے سابق کو جبر کہا جائے. اسی لیے آئمہ اہل سنت جیسے اوزاعی. سفیان ثوری. عبدالرحمٰن بن مہدی. امام احمدؒ وغیرہ نے لفظ جبر کا انکار کیا ہے. اوزاعی اور زبیدی کہتے ہیں کہ کتاب اور حدیث میں کہیں لفظ جبر نہیں آیا. البتہ لفظ جبل حدیث میں آیا ہے. چنانچہ صحیح میں مروی ہے. کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے اشج عبدالقیس کو فرمایا کہ تجھ میں دو اچھے خلق ہیں جن کو اللہ سبحانہ پسند رکھتا ہے ایک حلم اور دوسرا کام میں آہستگی کرنا۔ عبدالقیس نے عرض کیا کہ دونو خلق میری سرشت میں رکھے گئے تھے یا بعد میں حاصل ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیری فطرت اور جبلت میں رکھے گئے تھے۔ اس نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ان اخلاق پر پیدا کیا۔ جو اس کو محبوب ہیں۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلا دیا ہے کہ اللہ نے عبدالقیس کو حلم اور داناء تو پر پیدا کیا اور یہ دونو افعال اختیار یہ سے ہیں۔ گو یہ ایسے خلق ہیں جو بندے کے ساتھ قائم ہیں۔ کیونکہ اخلاق دو قسم ہوتے ہیں۔ بعض کسبی یعنی کوشش کر کے حاصل ہوتے ہیں۔ اور بعض فطرتی جو کسب اور کوشش سے حاصل نہیں ہوتے اور اخلاق کے دونو قسم یعنی کسبی و فطرتی کو اللہ سبحانہ بندے میں پیدا کرتا ہے۔ جو نیک اور حمیدہ اخلاق بندے کی فطرت میں اللہ سبحانہ نے پیدا کئے ہیں وہ اسے محبوب و پسندیدہ ہیں۔ اور جو برے اور گندہ عادات اس میں پیدا کیے ہیں۔ ان سے ناخوش و بیزار ہوتا ہے۔ مگر مخلوق سب اسی کے ہیں۔ گو ایک قسم کے اسے محبوب اور دوسرے قسم کے مبغوض ہیں۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام بھی اللہ کے مخلوق ہیں۔ اور ابلیس علیہ اللعنۃ بھی اسی کا مخلوق اور پیدا کیا ہوا ہے۔ مگر جبرائیل اللہ کے محبوب و برگزیدہ ہیں۔ اور ابلیس تمام مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ مبغوض ہے۔ اس امر کی وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے کہ لفظ جبر ایک محمل لفظ ہے۔ کیونکہ محاورے میں بولتے ہیں۔ کہ باپ نے اپنی بیٹی کو نکاح پر مجبور کیا اور حاکم نے فلاں شخص کو بیع کرنے پر مجبور کیا ان صورتوں میں جبر کا یہ معنی ہے کہ زبردستی سے لڑکی کا نکاح کیا گیا۔ اور حاکم نے خلاف مرضی اس شخص کے اس سے بیع کرا دی۔ اور یہاں یہ معنی یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ لڑکی کو نکاح کرنے پر راضی کر دیا۔ اور اس کی محبت اس کے دل

Marfat.com

میں ڈال دی جس سے وہ بہ اختیار و رضا اس پر آمادہ ہوگئی. اور اسی طرح حاکم کی نسبت بھی یہ معنی متصور نہیں ہو سکتا. کہ اس نے اس شخص کو بیع پر راضی کر دیا. اور اس کی محبت اس کے دل میں ڈال کر اُس کو بیع کرنے پر مستعد بنا دیا بخلاف اس کے اللہ سبحانہ جب کسی بندے کا کوئی فعل پیدا کرتا ہے تو وہ اُس کو اس فعل کا مختار بناتا اور اس کے دل میں اُس کی محبت ڈال دیتا ہے. جس سے وہ اپنی خوشی و رضا اور اختیار سے اُس فعل کو وقوع میں لاتا اور اس کی ضد کو ناپسند کرتا ہے. پس اللہ سبحانہ کی نسبت لفظ جبر استعمال کرنا صحیح نہیں. کیونکہ اللہ عزوجل کی شان اس سے اعلیٰ ہے کہ وہ کسی بندے سے کوئی فعل اس کی مرضی کے خلاف صادر کرائے ایسا کام تو وہ کرے. جو اس بات سے عاجز ہو کہ وہ جس شخص پر جبر کرنا چاہتا ہے وہ اس کو اس کا پابند کر سکے جب اللہ تعالیٰ بندے کا فعل اُس کے ارادہ اور اختیار سے صادر کراتا ہے تو اللہ کی نسبت یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے بندے کو کسی کام پر مجبور کرتا ہے. یعنی اس سے زبردستی کراتا ہے بلکہ جب بندے کے کسی فعل سے اس کی مشیت متعلق ہوتی ہے تو وہ اپنے بندے کو اُس پر قدرت دے دیتا اور اس کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔ جس سے وہ اس کام کو اپنے ارادے اور اختیار سے صادر کرتا ہے. اور اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ اس کام کو اپنے بندے سے اُس کے اختیار و ارادہ سے صادر کرائے گو وہ اس کام سے ناخوش اور متنفر ہو. پس بندوں سے جس قدر افعال ان کے ارادہ اور مشیت سے صادر ہوتے ہیں سب کا خالق اللہ ہے. اور اس نے اپنے بندوں کو ان افعال کا فاعل بالارادہ بنا دیا ہے۔ گو وہ بندے اِن افعال کے صدور پر خوش ہوں یا ناخوش مگر اللہ سبحانہ،

Marfat.com

نے دونوں صورتوں میں یہ کام اُن سے اس طرح زبردستی صادر نہیں کرائے۔ جیسے باپ اپنی بیٹی کو نکاح پر مجبور کرے یا حاکم کسی شخص سے زبردستی بیع کرا دے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ لفظ جبر اس معنی کے سوا ایک اور معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جو اسی معنی سے عام ہے۔ اور وہ اُس صورت کو بھی شامل ہے کہ کوئی شخص کسی شخص سے کوئی کام زبردستی صادر کرائے اور اسے اس بات کی بھی قدرت حاصل ہو کہ وہ جس کام کو صادر کرانا چاہتا ہے اس کام کا اُس کو فاعل بالا رادہ بنا سکتا ہے اور جس کام سے منع کرنا چاہتا اُس سے اس کو اُسی کے ارادہ کے ساتھ روک سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندے کے ارادہ نسبت لفظ جبر کا استعمال صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندے ارادہ وقدرت کو اُس کام پر پیدا کرنے والا ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے اللہ تعالیٰ کے اسم جبار کی معنی میں کہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنے بندوں کو ان افعال پر مجبور کیا ہے۔ جن سے اس کی مشیت وارادہ متعلق ہوا۔ یعنی وہ کام ان کے ارادہ سے صادر کرائے ہیں۔ نہ کہ زبردستی دعائے معروف ہیں حضرت علیؓ سے مروی ہے اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوْکَاتِ جَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰی فِطْرَتِہَا شَقِیِّہَا وَسَعِیْدِہَا (اے اللہ زمینوں کو بچھانے والے اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے دلوں کو ان کی فطرت یعنی شقاوت یا سعادت پر مجبور کرنے والے) یہاں لفظ جبر بمعنی قہر و قدرت ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ کو قدرت ہے۔ کہ وہ اپنے بندے کے ساتھ جو چاہے کرے۔ اور جب اُس کی مشیت کسی چیز سے وقوع سے متعلق ہو جاتی ہے۔ تو وہ ضرور واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کی مشیت کسی چیز کے وقوع سے متعلق نہ ہو تو وہ ہرگز وقوع میں نہیں آتی۔ اللہ سبحانہٗ کی ذات عجز سے

Marfat.com

منزہ پاک ہے۔ لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ کسی چیز کے وقوع سے اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق ہو۔ مگر وہ وقوع میں نہ آئے۔ اور جس چیز کا وقوع وہ نہ چاہے۔ وہ وقوع میں آجائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت جبر اور مخلوق کے جبر (یعنی کسی سے کوئی کام اس کے خلاف مرضی و ارادے کے زبردستی صادر کرانے) میں کئی وجوہ سے فرق ہے (۱) کسی مخلوق کو یہ قدرت نہیں کہ وہ دوسرے کو کسی فعل کا محب و مرید بنا دے۔ جس سے وہ شخص اس فعل کو اپنے ارادہ محبت سے کرے۔ اور اللہ سبحانہ کو ان سب باتوں پر قدرت ہے (۲) مخلوق اپنے جبر کرنے میں کبھی ظالم اور متعدی ہوتی ہے اور پروردگار ظلم سے پاک و منزہ ہے اور اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی مشیت عدل و احسان کے ساتھ ان میں نافذ ہے۔ بلکہ اس کا عدل بھی اس کا احسان ہے اور یہ مضمون عنقریب بیان ہوگا (۳) مخلوق جابر ہونے کی صورت میں سفیہ معیوب اور نادان و جاہل ہوتی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ جب کسی بندے کو کسی کام پر مجبور کرتا ہے۔ تو وہ سراسر حکمت، عدل۔ احسان اور رحمت پر مبنی ہوتا ہے جس سے من کل الوجوہ اللہ سبحانہٗ محمود ہوتا ہے (۴) مخلوق میں سے کوئی شخص دوسرے کو اس لیے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کام کی طرف محتاج اور اس سے منتفع ہوتا ہے۔ کیونکہ بندہ محتاج بالذات ہے اور اللہ سبحانہٗ کو کسی کام کی حاجت نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ بذات خود ہر چیز سے غنی ہے (۵) مخلوق میں سے کوئی شخص دوسرے کو اس لیے مجبور کرتا ہے کہ اس میں کوئی نقصان ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس فعل سے اس کا وہ نقصان جاتا رہے اور درجہ کمال کو پہنچ جائے اور اللہ سبحانہٗ جمیع وجوہ سے کامل مطلق ہے اور اس کا کمال اس کی ذات کے لوازم سے

Marfat.com

ہے۔ اس نے اپنے کمال کو مخلوق کے ذریعے سے حاصل نہیں کیا بلکہ اس نے ہر ایک کو اس کے مناسب حال کمال عطا کیا ہے۔ غرض مخلوق صبر کرتی ہے کہ اسے کمال حاصل ہو اور اللہ سبحانہٗ ہر قسم کے نقص سے منزہ اور پاک ہے پس اس کا کمال دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی پر جبر مذموم نہیں کرتا (۶) مخلوق میں سے کوئی شخص جب دوسرے کو کسی فعل پر جبر کرتا ہے تو وہ اسے ایسے فعل پر مجبور کرتا ہے۔ کہ مجبور اس فعل کے ذریعہ جابر کے حصول مطلب میں اس کا معاون ہو۔ کیونکہ وہ اس کی معاونت کے بغیر اپنے مطلب تک پہنچنے سے عاجز ہوتا ہے۔ اور مجبور کا فعل اور جابر کا جبر و اکراہ دونو ملکر جابر کے حصول مطلب کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور اس شرکت سے یہی صورت ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص اپنے اختیار سے کسی کسی کام میں دوسرے کی مدد کرے۔ اور اللہ سبحانہ من کل الوجوہ اپنے غیر کی مدد اور کسی کام کے حصول میں اوروں کی شرکت سے مستغنی ہے۔ پس اللہ سبحانہ کی ذات کی نسبت اس قسم کا جبر محال ہے (۷) جو شخص کسی کام پر مجبور کیا جائے تو اس کام کے کرنے اور اپنے اختیاری کام کے کرنے میں اسے ضرور فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور ان دونو میں مساوات ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ایک شخص کا بدن مرض رعشہ کے سبب کانپتا اور متحرک ہوتا ہے اور اس کے علاوہ وہ اپنے کام و کاج کے وقت بھی ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے۔ تو ان دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ اور یہ دونو حرکتیں یکساں نہیں ہوتیں۔ اور ان افعال کے درمیان جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جبراً صادر کرائے ہیں۔ اور بندوں کے اپنے اختیاری افعال میں یہ فرق ہرگز محسوس نہیں ہوتا۔ (۸) اللہ سبحانہٗ نے بندوں کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ جس شخص کو کسی کام پر مجبور کیا جائے تو وہ اس میں معذور رہتا ہے۔ اور وہ اس

Marfat.com

کے صادر کرنے میں کسی مذمت یا عذاب اور سزا کا مستحق نہیں ہوتا اور وہ لوگ جن کو مجبور کیا جائے اپنی معذرت میں یہی کہتے ہیں کہ یہ کام ہم سے جبراً کرایا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص سے بادشاہ نے جبراً وہ کام کرایا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ان کی فطرت میں رکھدی ہے۔ کہ جو شخص اپنے اختیار سے بُرے کام کرتا ہے اُس کی مذمت کرتے اور اسے بدکردار کہتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی شریعت اس امر میں عین فطرت کے مطابق ہے۔ پس جو شخص افعال اختیاری اور افعالِ مجبوریہ کو یکساں خیال کرتا ہے وہ عقل۔ فطرت اور شریعت کا خلاف کرتا ہے (۹) جو شخص کسی دوسرے کو ایسا کام کرنے کا امر کرے۔ جس میں مامور کی مصلحت ہو اور وہ اس کا محتاج ہو اور اس کی سعادت و فلاح کی مدار اُسی کام پر ہو۔ تو ایسا کام بتانے والے کو جابر نہیں کہا جاتا۔ بلکہ اس کو ناصح۔ ہادی مُرشد وغیرہ ایسے صفات کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے۔ اور اگر مامور ایسے کام کو اپنے اختیار اور مرضی سے بجا نہ لائے۔ تو جس شخص کو اس پر جبر کرنے کا اختیار ہو چونکہ وہ اس کا ناصح ہوتا ہے۔ تو وہ اسے اُس کام پر مجبور کرتا ہے مگر یہ جبر بیجا اور ناحق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کا جبر شریعت میں جائز اور ثابت ہے اور اللہ سُبحانہٗ کی قدرت۔ حکمت۔ رحمت۔ اور احسان اس کے مانع نہیں۔ (۱۰) اللہ سُبحانہٗ کی ذات۔ صفات اور افعال میں کوئی اس کا شریک ہوتا نہیں۔ پس بندے کو اس کی قدرت۔ مشیت اور ارادہ سے اس کے افعال کا اُسے فاعل بنانا خاص اسی کا کام ہے۔ مخلوق میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کو کسی فعل کا فاعل سوائے جبر و اکراہ کے ہرگز نہیں بنا سکتا۔ اگر جبر نہ کریگا تو صرف اتنا کر سکتا ہے کہ کسی دوسرے کو کسی کام کا امر کرے۔ یا اُسے اُس کام کی ترغیب دے اور اس طرح وہ اس کا جابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کے

Marfat.com

جبر کی صورت یہی ہے کہ زبردستی سے اُس سے وہ کام کرائے۔ پس اللہ سبحانہ کی طرف جبر کی نسبت کرنا اُس کے افعال میں مخلوق سے تشبیہ دینا ہے۔ جن کے جبر کی یہی صورت ہے کہ کسی سے کوئی کام زبردستی کرایا جائے۔ غرض اللہ سبحانہ کی قدرت۔ علم۔ مشیت۔ عدل۔ احسان۔ غنا اور ملک کا کمال اور اس کی حمیت کا انتہا درجے کو پہنچنا اس کے جابر ہونے کے خلاف ہیں اس لیے اس کی ذات پاک کی طرف جبر کی نسبت کرنی درست نہیں۔

فصل :- تمام مذاہب بندے کے کاسب افعال ہونے پر متفق ہیں لیکن کسب افعال کی حقیقت میں اختلاف ہے قدریہ یہ کہتے ہیں کسب کا یہ معنی ہے کہ بندہ مستقل طور پر اپنی قدرت وارادہ سے اپنے فعل کو پیدا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ کو بندے کے افعال میں کوئی فرق نہیں۔ نہ وہ بندے کے افعال کا خالق ہے اور نہ یہ اس کے مخلوق ہیں اور نہ یہ اس ارادے سے صادر ہوتے ہیں۔ جبریہ کہتے ہیں کسب کا یہ معنی ہے کہ صدور فعل کے وقت اللہ تعالیٰ بندے میں ایک قدرت پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں۔ یہ دونو گروہ کسب اور خلق میں فرق مانتے ہیں۔ مگر وجہ فرق میں باہمی دونوں کا اختلاف ہے۔ اشعری نے اپنی اکثر تصانیف میں لکھا ہے کہ کسب کا یہ معنی ہے کہ قدرت حادثہ سے بندے کا فعل وقوع میں آئے اس بنا پر جس فاعل کا فعل قدرت قدیمہ سے واقع ہوگا وہ اس کا فاعل اور خالق ہوگا اور جس کا فعل قدرت حادثہ سے واقع ہوگا وہ کاسب بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جس کا فعل آلہ اور اعضاء کے واسطہ اور ذریعہ کے بغیر وقوع میں ہے وہ خالق ہے اور جو شخص اپنے افعال کے صدور میں آلات اور اعضا کا محتاج ہے وہ کاسب ہے

Marfat.com

اِس کا فنی اور کئی معتزلہ کا یہی قول ہے۔ اشعری نے کہا ہے کہ اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ انسان کو فاعل حقیقی کہنا جائز ہے یا نہیں؛ ناشی کے سوا تمام معتزلہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ انسان کو حقیقۃً فاعل اور موجد کہہ سکتے ہیں نہ یہ کہ اُس کو مجازاً فاعل کہا جاتا ہے۔ بلکہ وہ درحقیقت فاعل اور موجد ہے۔ اور ناشی کا قول ہے کہ انسان درحقیقت کسی فعل کا فاعل نہیں۔ اور وہ یہ کہا کرتا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے کسب یعنی صدور افعال کو پیدا کیا ہے۔ مگر اس پر یہ الزام ہوگا۔ کہ انسان کو بغیر فاعل ہونے کسی فاعل کے فاعل کہا جائے۔ اور اس کے افعال کو جو درحقیقت اس کے افعال نہیں ہیں انسان کے افعال کہا جائے وجہ الزام یہ ہے کہ وہ اس بات کا قائل ہے کہ انسان کسی فعل کا فاعل نہیں مگر اس کے افعال اسی کے افعال ہیں حالانکہ وہ ان افعال کا فاعل نہیں اور نہ بندے کے افعال اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں اس پر یہ دوسری قباحت پیدا ہوئی ہے کہ بندے کے افعال کا فاعل نہ تو خود بندہ ہے اور نہ اللہ سبحانہٗ تو یہ افعال بدوں فاعل کیسے پیدا ہوئے۔ اور یہی الزام ابوالحسن اشعری اور جبریہ پر بھی قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بندہ درحقیقت اپنے افعال کا فاعل نہیں ہے بلکہ اس کے افعال کا فعل اللہ ہے اور یہ افعال بندے کے ساتھ قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں۔ پس جب بندہ باوجود یہ کہ یہ افعال اُس کے ساتھ قائم ہیں۔ ان کا فاعل نہ ہوا تو اللہ سبحانہٗ جس کی ذات کے ساتھ یہ افعال قائم نہیں ان کا فاعل کیسے ہوگا! اگر اللہ سبحانہٗ اِن افعال کا فاعل ہو تو ضرور ہے کہ اُن کے احکام بھی اُسی کی طرف عائد اور راجع ہوں۔ اور ان افعال سے جو الفاظ مشتق ہیں اُس پر بولے جائیں۔ مثلاً کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ مصلے۔ صائم۔ شاتئب۔ آکل وغیرہ ہے حالانکہ اس قسم کے الفاظ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت استعمال کرنا ناجائز ہے۔ پس اس سے لازم آیا کہ

Marfat.com

بندے کے افعال کا کوئی فاعل نہیں مگر یہ افعال موجود ہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق نہ تو بندہ ان کا فاعل ہے اور اللہ سبحانہٗ کا ان کا فاعل ہونا بھی باطل ہے کیونکہ اگر وہ فاعل ہو تو ان کے مشتقات اس پر بولے جائیں۔ اور نیز ان کے احکام اس کی طرف عائد ہوں۔ اور یہ ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ تمہارا یعنی اہلِ سنت کا اس مسئلہ کے متعلق کیا قول ہے۔ تو ہم یہ جواب دیں گے کہ ہم ان دونوں باتوں کے قائل نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ افعالِ عباد حقیقۃً بندوں کے فعل ہیں، مگر یہ افعال اللہ سبحانہٗ کے مفعول یعنی مخلوق ہیں۔ اور ہمارے نزدیک فعل اور مفعول میں فرق ہے اور تمام اہلِ سنت کا بالاتفاق یہی قول ہے چنانچہ حسین بن مسعود بغوی نے اس مسئلہ پر اہلِ سنت کا اجماع نقل کیا ہے۔ پس بندہ اپنے افعال کا حقیقۃً فاعل ہے اور اللہ سبحانہٗ ان کا خالق ہے اور وہ چیزیں جن سے بندہ اپنے افعال پیدا کرتا ہے مثلاً قدرت۔ ارادہ وغیرہ سب کا خالق اللہ سبحانہٗ ہے۔ بلکہ اس کی فاعلیت کی صفت کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ اس مسئلہ کا راز یہ ہے۔ کہ بندہ دونوں صفات کا جامع ہے۔ یعنی ایک لحاظ سے تو وہ فاعل افعال ہے اور دوسرے لحاظ سے منفعل ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی صفت فاعلیت میں بھی اللہ سبحانہٗ کی طرف سے منفعل ہے۔ یعنی اس کی قدرت وخلق کے اثر کو قبول کرتا ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ نے اسے اپنی قدرت ومشیت سے فاعل افعال بنا دیا ہے اور اسے فعل کے صادر کرنے پر قدرت اور ارادہ دے دیا ہے۔ اشعری کا قول ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے قائل اور افعالِ عباد کو بندوں کے افعال کہتے ہیں اس بات کے قائل ہیں، کہ انسان درحقیقت فاعل یعنی کاسب ہے۔ اور انسان اپنے افعال کا موجد اور پیدا کرنے والا نہیں۔ میں کہتا ہوں۔ ان لوگوں نے کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ کتاب۔ اور حدیث میں بندوں کی

Marfat.com

صرف ان کے افعال کی نسبت کرنے کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ اول تو عام اور مطلق افعال کی نسبت موجود ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول تَعْمَلُوْنَ تَفْعَلُوْنَ تَكْسِبُوْنَ دوسرے خاص افعال کی نسبت جیسے يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ يُؤْمِنُوْنَ۔ يَخَافُوْنَ۔ يَتُوْبُوْنَ۔ يُجَاهِدُوْنَ وغیر ذلک اور احداث کا لفظ صرف مذمت کے موقع میں آیا ہے۔ چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا (اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے (جو دین میں) کوئی بدعت نکالے یا کسی بدعتی کو پناہ دے) اور وہ اس مقام میں بمعنی فعل اور کسب نہیں ہے۔ اور ایسا ہی عبداللہ بن مغفل نے جو اپنے بیٹے کو ارشاد کیا اِيَّاكَ وَالْحَدَثَ فِي الْاِسْلَامِ (اسلام میں بدعت ایجاد کرنے سے بچنا) تو اس میں بھی بمعنی کسب و فعل نہیں اور لفظ مذکور کو فعل خیر پر بھی بصورت تقیید اطلاق کرنا اور بولنا درست ہے۔ چنانچہ بعض سلف کا مقولہ ہے اِذَا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَكَ نِعْمَةً فَاَحْدِثْ لَهَا شُكْرًا وَاِذَا اَحْدَثْتَ ذَنْبًا فَاَحْدِثْ لَهٗ تَوْبَةً (جب اللہ تیرے لیے نعمت پیدا کرے تو تو اس کا شکر پیدا کر اور جب تو گناہ پیدا کرے تو اس کے لیے توبہ پیدا کر) اور اسی طرح یہ بھی آیا ہے هَلْ اَحْدَثْتَ تَوْبَةً (کیا تو نے توبہ کو پیدا کیا) اور اَحْدِثْ لِلذَّنْبِ اِسْتِغْفَارًا (گناہ کے لیے استغفار پیدا کرو) اشعری کا قول ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ انسان کو اپنے افعال کا مُحدِث بمعنی مکتسب کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ اسی مقام میں کئی ایک الفاظ ہیں۔ جیسے فاعل۔ عامل۔ مکتسب۔ کاسب۔ صانع۔ محدث۔ جاعل۔ مؤثر۔ منشی۔ موجد خالق۔ باری۔ مُصَوِّر۔ قادر۔ مرید وغیرہ اور یہ الفاظ تین قسم کے ہیں (۱) وہ کہ صرف

۱ے نماز خواں ۲ے روزہ دار ۳ے پانی پینے والا۔ ۴ے کھانا کھانے والا ۱۲

Marfat.com

اللہ سبحانہٗ پر بولے جاتے ہیں جیسے باری۔ بدیع۔ مُبدِع (۲) وہ جو کہ صرف بندے پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے کاسب۔ مکتسب (۳) وہ جن کا اطلاق اللہ سبحانہٗ پر اور نیز بندے پر آیا ہے۔ جیسے صانع فاعل۔ عامل۔ منشی۔ مرید اور قادر۔ باقی لفظ خالق اور مصور اگر مطلق ہوں۔ تو وہ صرف اللہ سبحانہٗ پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ اور اگر مقید طور پر مستعمل ہوں۔ تو بندے پر بھی بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص کی نسبت جو اپنے جی میں کوئی بات ٹھیرلے۔ عرب کہتے ہیں۔ اِنَّہٗ خَلَقَہٗ یعنی اس نے فلاں بات کو جی میں ٹھان لیا۔ شعر

وَلَانْتَ تَفْرِیْ مَا خَلَقْتَ وَبَعْضُ الْقَوْمِ یَخْلُقُ ثُمَّ لَا یَفْرِیْ

یعنی تجھے ایسی قدرت اور طاقت حاصل ہے کہ جو بات تو اپنے جی میں ٹھیرائے اس کو پورا کرتا ہے اور دوسرے لوگ کئی امور کے ارادے اور منصوبے کرتے کرتے ہیں۔ مگر ان کے پورا کرنے سے ناکام رہتے ہیں، اور اسی لحاظ سے لفظ خالق کو بندے پر اطلاق کرنا اللہ تعالیٰ کے قول فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ میں صحیح اور درست ہے یعنی خالقین بمعنی مصورین اور مقدرین ہے۔ عرب اپنے محاورے میں کہتے ہیں قدمات الادیم وخلقتہ یعنی میں نے چمڑے کو مشکیزہ وغیرہ بنانے کے لیے اندازہ کیا۔ مجاہد کا قول ہے بندے بھی صنعت کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ بھی صنعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خیر الصانعین ہے۔ لیث کا قول ہے کہ رَجُلٌ خَالِقٌ کا معنی ہے صانع آدمی اور اسی طرح چند عورتوں کو خالقات بمعنی صانعات کہتے ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ احسن الخالقین ان لوگوں سے جو ایسی تصاویر وغیرہ بناتے ہیں۔ جو بے حس وحرکت ہوتی ہیں فرمائیگا۔ اور لفظ باری کا اطلاق سوائے اللہ سبحانہٗ کے کسی پر درست نہیں کیونکہ اُسی نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور نیستی سے ہستی میں اُس کو لایا ہے۔ اور بندے

Marfat.com

کی قدرت کو اس سے کوئی تعلق نہیں بندہ زیادہ سے زیادہ اتنا کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی موجودات کی کسی صفت میں تصرف کرے اور اپنی قدرت کے مطابق ایک خاص طور پر کسی مخلوق کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر کر دے۔ اور لفظ باری بَرَیْتُ الْقَلَمَ (میں نے قلم کو تراش کر بنایا) سے مشتق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معتل ہے اور لفظ باری مہموز ہے اور بَرَأتُ مِنَ الْمَرَضِ (میں مرض سے اچھا ہو گیا)، سے بھی ماخوذ نہیں کیونکہ یہ فعل لازم ہے اور لفظ باری متعدی ہے اور ایسا ہی لفظ بدیع اور مبدع کا اطلاق بھی اللہ سبحانہٗ کے سوا کسی پر درست نہیں کقولہ تعالیٰ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا) ابداع کا معنی یہ ہے کہ سوائے مثال سابق کے کسی چیز کو پیدا کرنا اور بندے کو جب کہ وہ دین میں ایسی بات پیدا کرے کہ جو سنت کے خلاف ہو مبتدع کہا جاتا ہے پھر جو اُس کا پیرو ہو اس کو بھی متبدع کرتے ہیں۔ اور لفظ موجد اللہ سبحانہٗ کے اسماء میں ثابت نہیں ہوا۔ اگرچہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے مگر اس لفظ کا اطلاق شرعاً ثابت نہیں ہوا۔ البتہ واجد بمعنی غنی اللہ سبحانہٗ کے اسماء میں ثابت ہے اور لفظ موجد جو باب افعال کا اسم فاعل ہے اس کے دو معنی ہیں ایک شئے کو موجود کرنے والا دوسرا کسی کو غنی کرنے والا پس یہ جائز ہے۔ کہ جو شخص اپنی قدرت محدثہ کے ساتھ کوئی کام کرے تو اسے کہا جائے کہ اُس نے اپنے مقدور کا ایجاد کیا جیسے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے فعل کا فاعل اپنے عمل کا عامل اور اپنی صنعت کا صانع اور اپنے کام کا محدث پیدا کنندہ ہے۔ گو یہ صفت مستقل طور پر اسے حاصل نہیں ہے اور اسی طرح لفظ مؤثر کا اطلاق اللہ سبحانہٗ کے اسماء میں ثابت نہیں ہوا بندے کے فعل پر اثر اور تاثیر کا اطلاق پایا جاتا ہے کقولہ تعالےٰ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ (بیشک ہم ہی مُردوں کو

Marfat.com

جلائینگے اور جو رعمل آگے بھیجتے ہیں اور رجو آثار ان کے دمرے پیچھے دنیا میں ، باقی رہ جاتے ہیں ہم رسب کو ، لکھ رہے ہیں ، ابن عباس کا قول ہے جو کچھ خیر وشر کے آثار انہوں نے چھوڑے چونکہ بندوں کے اعمال اُن کی تاثیر سے پیدا ہوتے ہیں . لہذا یہ اُن کے آثار ہوئے . تعجب کی بات ہے ، کہ متکلمین تاثیر اور رمؤثر کا اطلاق اس شخص کی نسبت تو ناجائز سمجھتے ہیں جس کی نسبت تو ناجائز سمجھتے ہیں جس کی نسبت قرآن کریم اور رحدیث میں آچکا ہے چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلمہ سے فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو مت بدلو تمہارے آثار قدم لکھے جاتے ہیں ، اور راس ذات کے ساتھ اس کو خاص کرتے ہیں جس پر اس کا اطلاق کتاب اور سنت سے ثابت نہیں ہوتا گو اللہ سبحانہ کی نسبت ایثار اور استیثار کا استعمال پایا جاتا ہے چنانچہ یوسف علی کے بھائیوں نے کہا لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا دکچھ شک نہیں کہ تم کو اللہ نے ہم پر دبڑی ، برتری دی) اور رحدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالے کسی چیز کا استیثار کرتا یعنی اس کو پسند کرتا ہے اور کسی شاعر کا قول ہے

اِسْتَاْثَرَ اللّٰهُ بِالثَّنَآءِ وَبِالْحَمْدِ
وَوَلّٰی الْمَلَامَةَ الرَّجُلَا

یعنی اللہ سبحانہ ، نے ثناء اور حمد کو پسند کیا ہے الحجب کہ تاثیر باب تفعیل کا مصدر ہے . چنانچہ کہتے ہیں اَثَّرْتُ فِیْ کَذَا دمیں نے فلاں چیز میں تاثیر کی) انا مؤثر دمیں تاثیر کرنے والا ہوں ، تو اس کا اطلاق بندے پر بھی جائز ہے ، صحاح میں کہا ہے تاثیر کسی شے میں اثر کو باقی رکھنے کو کہتے ہیں . اور لفظ صانع اللہ سبحانہ کے اسما میں ثابت نہیں ہوا . اور نہ اس کا اطلاق اللہ سبحانہ کی ذات پر درست ہوسکتا ہے کیونکہ صانع کا معنی ہے کوئی چیز بنانے والا خواہ اس کے بنانے میں عادل ہو یا ظالم سفیہ ہو یا حکیم اور اسی طرح جو الفاظ ایسے ہیں کہ ان کے معنی

Marfat.com

مدح اور ذم دونوں ہو سکتے ہیں۔ تو بغیر ذکر قید مدح کے اللہ سبحانہ پر وہ اطلاق نہیں کئے جاتے۔ جیسے فاعل۔ عامل۔ صانع۔ مرید اور متکلم کیونکہ ان کے معانی مدح اور ذم دونوں کے محتمل ہو سکتے ہیں۔ بخلاف عالم۔ قادر۔ حی۔ سمیع اور بصیر کے کہ ان میں مذمت کا احتمال نہیں ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بندے کو صانع ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ بخاری سند کے ساتھ حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہر ایک صانع اور اس کی صنعت کو بناتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے خود اپنے فعل پر صنعت کا اطلاق فرمایا ہے قال اللہ تعالیٰ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (یہ بھی اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور پر بنایا ہے) اس آیت میں لفظ صنع ترکیب نحوی کے لحاظ سے مفعول مطلق ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُھَا جَامِدَۃً وَّھِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (اور اے مخاطب، تو پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں (اور ہل نہیں سکتے مگر یہ قیامت کے دن، بادل کی طرح اُڑے اڑے پھریں گے) صنعت پر دلالت کرتا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے یعنی انظروا صنع اللہ (خدا کی صنعت کو دیکھو) پہلی صورت میں لفظ صنع بمعنے مصدر ہو گا اور دوسری صورت میں بمعنی مصنوع یعنی اسم مفعول ہو گا۔ کیونکہ مصنوع ہی کی طرف نظر کر سکتے اور اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور لفظ انشاء کے افعال کا اطلاق اللہ سبحانہ کی ذات پر ثابت ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (اور بوجھل بادلوں کو ابھارتا ہے) وقولہ تعالیٰ فَاَنْشَاْنَا لَکُمْ بِہٖ جَنّٰتٍ (پھر اس (پانی) کے ذریعے سے تمہارے باغ بنا کھڑے کئے وقولہ تعالیٰ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اور ایک اور ہستی میں جس کو تم نہیں جانتے تم کو بنا کھڑا کریں) اور قرآن مجید میں کثرت سے ان کی مثالیں موجود ہیں

Marfat.com

اور اس کے اسم فاعل یعنی منشی کا اطلاق اللہ سبحانہ پر ثابت نہیں ہوا۔ اور لفظ یعنی انشا بندے پر ایک دوسرے لحاظ سے بولا جاتا ہے یعنی کسی کام کے شروع کرنے کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ کہ بندے نے فلاں کام کو انشا یعنی شروع کیا جیسے اَنْشَا یُحَدِّثُنَا (ہم سے باتیں کرنی شروع کیں) اور اَنْشَاءُ السَّیْرُ (سیر شروع کی) اور یوں بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص اِس کام کا منشی یعنی شروع کرنے والا ہے غرض جو انشاء بندے کی صفت واقع ہوتا ہے وہ کسی فعل کے ساتھ مقید اور مخصوص ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ مطلق اور یہ لفظ بمعنے ابتدا یعنی از سر نو پیدا کرنا آتا ہے جیسے اَنْشَاءَہُ اللّٰہُ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کو پیدا کیا۔ اور اَنْشَا یَفْعَلُ کَذَا۔ اس شخص نے فلاں کام کو نئے سرے سے شروع کیا اور فَلَانٌ یُنْشِئُ الْاَحَادِیْثَ۔ یعنی فلاں شخص نئے سرے سے حدیثیں (یا باتیں) بناتا ہے۔ ناشی اس بادل کو کہتے ہیں۔ جو پہلے پیدا اور نمودار ہو۔ جوہری نے کہا ہے ناشئۃ اللیل رات کی پہلی ساعت کو کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں بہت سے سلفؒ نے یہی معنی لیے ہیں ناشئۃ اللیل اول شب کو کہتے ہیں کہ جس سے رات پیدا ہوتی ہے۔ اور صحیح معنی یہ ہیں ناشئۃ اللیل رات کی پہلی ساعت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر ایک ساعت کو ناشئۃ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں، جب ایک گذر جاتی ہے تو دوسری پیدا ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ناشئۃ اللیل رات کی تمام ساعات کے جملہ اوقات کو کہتے ہیں۔ کہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ زجاج کا قول ہے کہ ناشئۃ اللیل رات کے ہر ایک حصّہ کو جو پیدا ہو چکا ہو کہہ سکتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ ناشئۃ اللیل رات کے اوقات اور ساعتیں ہیں۔ اور یہ لفظ نشاء بمعنی یکے بعد دیگرے پیدا ہونے سے لیا گیا ہے۔ صاحب صحاح کا قول بہت سے سلف سے منقول ہے۔ علی بن حسین کا قول ہے کہ ناشئۃ اللیل وہ وقت ہے جو مغرب سے عشا تک ہے۔ اور انس۔ ثابت۔ سعید بن جبیر

Marfat.com

ضحاک حکم کا بھی یہی قول ہے اور کسائی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے ان لوگوں نے ناشئہ میں اولیت کے معنی کو ملحوظ رکھا ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ تمام رات ناشئہ ہے۔ عکرمہ۔ ابومجاز۔ مجاہد۔ سدی۔ ابن الزبیر اور ایک روایت میں ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا ہے۔ میں نے ابن الزبیر اور ابن عباس سے ناشئۃ اللیل کی معنی کی نسبت سوال کیا۔ تو ان دونوں نے کہا کہ ناشئۃ اللیل تمام رات کو کہتے ہیں۔ غرض یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں جو ناشئۃ اللیل کو زمان اور ظرف کہتے ہیں۔ اور جو لوگ ناشئۃ اللیل اس کام کو کہتے ہیں، جو رات میں پیدا ہو پس لفظ ناشئہ جو قرآن کریم میں ہے۔ ان کے نزدیک بمعنی قیام شب ہے۔ ابن مسعود۔ معاویہ بن قرہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اور ایک دوسری جماعت جس میں حضرت عائشہ بھی ہیں یہ کہتی ہے کہ ناشئۃ اللیل خاص اس قیام شب کا نام ہے جس کے پہلے آدمی سو چکا ہو۔ ابن اعرابی کا بھی یہی قول ہے پہلے دونو قول کے مطابق ناشئۃ اللیل میں اضافت بیانیہ یعنی اضافت نوع بسوئے جنس ہوگی۔ اور آخری قول پر اضافت بمعنی فی ہوگی اور ناشئۃ اللیل بمعنی عبادت شب ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ انشاء بمعنی پیدا کرنا ہے۔ خواہ اس کے پہلے مثال موجود ہو۔ جیسے نشأۃ ثانیہ یا اس کے لیے مثال سابق موجود نہ ہو جیسے نشأۃ اولیٰ۔ اور لفظ جعل اللہ سبحانہ پر دو معنی کے ساتھ اطلاق کیا گیا ہے۔ اول بمعنی ایجاد و خلق۔ دوم بمعنی تصییر یعنی کسی چیز کو کسی صفت کے ساتھ موصوف کرنا۔ پہلے معنی کی صورت میں ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے کقولہ تعالیٰ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ (اور اندھیرے بنائے اور (نیز) چاندنا)۔ اور دوسرے معنی کی صورت میں اکثر دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ لقولہ تعالیٰ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا (ہم نے اس کو صاف اور سلیس (عربی زبان کا) قرآن بنایا ہے) اور یہ لفظ بندے پر صرف دوسرے

Marfat.com

معنی کے لحاظ سے بولا گیا ہے کقولہ تعالیٰ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا (اور یہ کافر، خدا کی پیدا ہوئی کھیتی اور اُسی کے پیدا کیئے ہوئے) چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصّہ ٹھیراتے ہیں۔ اور اکثر نام ٹھیرانے یا اعتقاد کرنے کے موقع میں بندے پر بولا گیا ہے جہاں مجعول کے پیدا کرنے میں اُس کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کقولہ تعالیٰ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (اور ان لوگوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اور مخلوقات کی طرح خدائے، رحمٰن کے بندے ہیں عورت ذات قرار دے رکھا ہے) وقولہ تعالیٰ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا نے تو تم پر روزی اتاری۔ اب تم لگے اسمیں سے (بعض کو حرام اور بعض کو حلال ٹھیرانے) اور یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور اس کو جعل اعتقاد اور تسمیہ کہتے ہیں۔ اور لفظ فعل اور عمل کا اطلاق بندے پر کثرتؔ سے ثابت ہے جیسے لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (البتہ بُرا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے) اور لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (البتہ بُرا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے) اور بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جیسے عمل تم کرتے تھے) اور یہ لفظ اللہ سبحانہ پر فعل اور اسم دونوں صورتوں میں اطلاق کئے گئے ہیں۔ اوّل جیسے وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ (خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے) دوم جیسے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے) اور وَکُنَّا فٰعِلِیْنَ جو قرآن کریم میں دو جگہ فرمایا ہے ایک تو آیت وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ وَکُنَّا فٰعِلِیْنَ (اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا کہ اُنکے ساتھ ساتھ خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے اور اسی طرح پرندوں کو بھی ان کا تابع کر دیا تھا) اور ہم قادر مطلق ہیں۔ ایسے ایسے عجائبات کیا ہی کرتے ہیں۔ اور دوسری آیت یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ

Marfat.com

(یہ وہ دن ہوگا) جب کہ ہم آسمان کو اس طرح لپٹیں گے جیسے خطوں کا مکتوب لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اور جس طرح ہم نے اول (بار مخلوقات کو) پیدا کیا تھا۔ اُسی طرح ان کو دوبارہ بھی (پیدا) کرینگے (یہ ایک) وعدہ ہے جس کا پورا کرنا) ہم (نے اپنی ذات) پر لازم کرلیا ہے اور) ہم اس کو ضرور کر کے رہیں گے۔ میں اللہ تعالیٰ کے قول وَكُنَّا فَاعِلِيْنَ کو ان دونو مقام میں سوچنا چاہیئے کہ ان دونوں مقام میں اُس صفت عجیب کا بیان ہے، جو طاقت بشر سے خارج ہے اور یہ جملہ اُس کی دلیل ہے اور نیز اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس فاعل حقیقی کے نزدیک کوئی کام دشوار نہیں جیسے کہ اُس عالم الغیب پر کوئی کھلی اور چھپی بات مخفی نہیں اور نیز اس غافر الذنوب کی بارگاہ میں گناہوں کا بخشنا کوئی بڑی بات نہیں جیسے کہ اُس رزاق عباد پر ہر چیز کو روزی پہنچانا کوئی مشکل نہیں۔ زجاج نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے کہ كُنَّا فَاعِلِيْنَ کا یہ معنی ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

اٹھارھواں باب

قضا و قدر اور کسب کے بارے میں فیصلہ فعل اور انفعال کے بیان

اور فعل و انفعال کے ذکر میں

اس بات کی پوری تشریح اور اس کے معنی کی تحقیق نہایت ضروری ہے، کیونکہ اس سے قدریہ اور جبریہ کے بہت سے وہ شبہے حل ہو جاتے ہیں جو ان کو بے سمجھی کی وجہ سے پیش آئے ہیں۔ معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ سبحانہ کی ذات فاعل ہے اور وہ منفعل نہیں ہو سکتی۔ اور بندہ فاعل اور منفعل یعنی ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے۔ مگر وہ فاعل ہونے کی حالت میں بھی اس فاعل حقیقی سے منفعل ہوتا ہے۔ جو ہر طرح انفعال کی صفت سے پاک ہے۔ پس فرقہ جبریہ نے بندے کی حالت انفعال کا لحاظ کر کے اس کو فاعلیت سے خارج کر دیا۔ اور ایک آلہ اور واسطہ فعل کے قائم مقام ٹھیرایا اور بندے کی حرکت کو درختوں کی حرکت کے مشابہ بنایا۔ اور بندے کو محض مجاز کے طور پر فاعل شمار کیا ہے۔ اور اُن کے خیال میں کھانے پینے اُٹھنے، بیٹھنے، نماز و روزہ ادا کرنے اور بیمار پڑنے اور مرنے میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ سب یکساں ہیں۔ کہ بندہ ان میں محض منفعل ہے اس کے خلاف قدریہ نے بندے کی صفت فاعلیت کو لحاظ کیا۔ اور اُس کے منفعل ہونے کی وصف کو نظر انداز کر دیا۔ ان دونوں گروہ نے ایک آنکھ کو بند کر لیا۔ اور صرف ایک آنکھ سے دیکھا۔ پس بندے کی دو صفتوں

Marfat.com

فاعلیت و منفعلیت میں سے ایک کو تو دیکھ لیا۔ اور دوسری سے فاعل رہے اور اہلِ علم و اعتدال یعنی اہل سنت نے دونوں صفتوں کو لحاظ کیا۔ اور ایک کی وجہ سے دوسری کا انکار نہیں کیا۔ پس ان کی نظر صحیح ہوئی اور تقدیر اور شریعت کو انہوں نے اپنے موقع پر رکھا اور بندے کو ثواب و عقاب کا مستحق ٹھہرایا۔ مثلاً بندے کے لیے صفت نطق حقیقۃً ثابت ہے اور اللہ سبحانہ کے لئے صفت انطاق حقیقۃً مثبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (اور یہ لوگ اپنے (گوشت) پوست سے پوچھیں گے۔ کہ بھلا تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ہوگی۔ وہ جواب دیں گے کہ جس (خدا) نے ہر چیز کو گویا کیا ہے۔ اُسی نے ہم کو بھی (اپنی قدرت سے) گویا کیا) پس انطاق اللہ سبحانہٗ کا وہ فعل ہے جس کو معطل قرار دینا جائز نہیں۔ اور نطق بندے کا وہ فعل ہے جس کا انکار درست نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ (تو آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم کہ یہ (قرآن) برحق کلام الٰہی ہے جس طرح کہ تم کلام کرتے ہو) اِس سے معلوم ہوا کہ ناطق ہونا بندوں کی حقیقی صفت ہے۔ یہاں تک کہ اللہ سبحانہٗ نے دوسری چیز کے وقوع کے حقیقت کو اِس سے تشبیہ دی ہے اور اس کا وقوع حقیقی ہے نہ مجازی اور جو شخص بندے کو مجازاً ناطق قرار دیتا ہے تو اُس کے نزدیک اِس تشبیہ مشبہ کا وجود حقیقۃً ثابت ہوگا۔ بلکہ جیسا کہ نطق مجازی ہے اسی طرح اس چیز کا وقوع بھی مجازی ہوگا اور یہ باطل ہے کیونکہ اُس کا وقوع حقیقی ہے۔ اور اس آیت کے موافق اور مؤید یہ دوسری آیت ہے

Marfat.com

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے)، پس اللہ سبحانہٗ حقیقۃً بندے کو ہنسانے اور رلانے والا ہے اور بندہ حقیقۃً ہنستے اور رونے کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا (تو وہ ایک دن ہوگا کہ) یہ لوگ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت)، اور نیز فرمایا ہے اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ (تو کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور قیامت کا ذکر سن کر (ہنستے ہو اور تم کو رونا نہیں آتا)، پس اگر اللہ تعالیٰ جو ناطق کرنے اور ہنسانے اور رلانے کی صفت سے موصوف ہے اگر حقیقۃً منطق، مضحک اور مبکی نہ ہو تو بندہ ضاحک، باکی اور ناطق نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے تو اسے اللہ سبحانہٗ ان باتوں کے نطق پر قادر کرتا ہے، جو اس کو پسند اور محبوب ہیں۔ اور پھر ان پر اس کو ثواب عطا فرماتا ہے اور اسی طرح جب کوئی بندہ اس کی بارگاہ میں مبغوض ہوتا ہے۔ تو اسے ان باتوں کے کرنے پر قدرت ہوتی ہے۔ جو اللہ سبحانہٗ کو ناپسند ہیں اور پھر ان پر اس کو عذاب ہوتا ہے۔ مگر اس میں کچھ فرق نہیں کہ دونو کو گویا کرنیوالا اللہ سبحانہٗ ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی زبان پر جو کلمات پسندیدہ یا ناپسندیدہ جاری کئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی نے جاری کئے ہیں۔ جیسے کسی کے دل پر اللہ سبحانہٗ وہ باتیں جاری کرتا ہے، جو اس کے ہنسنے کا باعث ہوتی ہیں۔ اور کسی کے قلب پر وہ باتیں لاتا ہے۔ جو اس کے رونے کا سبب بنتی ہیں اور آیت هُوَ الَّذِیْ يُسَيِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (وہی (خدا تو) ہے جو تم لوگوں کو خشکی اور تری میں لئے لئے پھرتا ہے) اور قُلْ سِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ ملک میں چلو پھرو) اسی مضمون پر دلالت کرتی

Marfat.com

ہیں تسیر (چلانا) اللہ سبحانہٗ کا فعل حقیقی ہے۔ اور سیر بندے کا فعل اور اس کی صفت حقیقی ہے تسیر تو محض فعل ہے اور سیر میں فعل اور انفعال دونوں پائے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پھر جب زید اس (عورت) سے بے تعلق کر چکا (یعنی طلاق دے دی اور عدت کی مدت پوری ہو گئی) تو ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا اس کا موید ہے۔ اللہ سبحانہٗ مزوج (نکاح کر دینے والا) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم متزوج نکاح کنندہ ہیں۔ اور اسی طرح وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کو اُن کی زوجیت میں دیں گے، بھی اس کے موافق ہے۔ یعنی اللہ تو مزوج اور مومنین متزوج ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ نے اپنے اس قول فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا نے ان کی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی۔ میں اپنے اور بندوں کے فعل دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ ازاغت تو اللہ سبحانہٗ کا فعل ہے اور زیغ ٹیڑھا ہونا بندوں کا فعل ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ تمہارے بیان سابق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل کے بعد بندوں سے فعل صادر ہوتا ہے یعنی اگر اللہ سبحانہٗ بندوں کو گویا نہ کرتا۔ تو وہ کبھی گویا نہ ہو سکتے اور اسی طرح اگر وہ نہ ہنساتا یا وہ نہ رلاتا۔ تو بندے کبھی نہ ہنستے اور نہ روتے اور اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ کا فعل اُن کے فعل کے بعد ہوتا ہے یعنی جب کفار کے دل پہلے ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹیڑھا کر دیا۔ اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ازاغت ٹیڑھا کرنے کے معنی میں مستعمل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے دلوں کے ٹیڑھا ہونے کا حکم کر دیا نہ یہ کہ ان کو ٹیڑھا کر دیا۔ کیونکہ

Marfat.com

ٹیڑھے تو وہ خود ہو گئے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس اَنْطَقَنَا اللّٰہُ کا یہ معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آلۂ نطق پیدا کیا اور اسی طرح اَضْحَكَ اور اَبْكٰى کا مطلب بھی یہی ہو گا کہ ہمارے واسطے آلۂ ضحک و بکا بنایا تو اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ وہ ازاغت جو کفار کے فعل زیغ کے بعد وقوع میں آئی ہے۔ بہ اس ازاعت کے علاوہ ہے جس پر اُن کا فعل زیغ مترتب اور صادر ہوا اور یہ دوسری ازاغت ان کے فعل زیغ کی سزا و عقوبت کے طور پر ظہور میں آئی۔ اللہ تعالیٰ بدی کی سزا اسی کی مثل سے دیتا اور نیکی کا بدلہ نیکی عطا فرماتا ہے پس اس ازاغت ثانیہ سے کفار کے دلوں میں زیغ اول کے سوا ایک دوسرا زیغ پیدا ہو گیا۔ غرض اُن کے دل ٹیڑھے ہوئے۔ پس اللہ نے ان کو ان کے زیغ کی سزا یہ دی کہ ان کی کجی پر اور کجی بڑھا دی۔ پھر اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے۔ کہ زیغ اول کفار کا فعل ہے۔ اور یہ فعل اللہ تعالیٰ نے بدوں سزائے ان کے فعل سابق کے اُن میں پیدا کیا ہے۔ ورنہ اگر ہر فعل کا عقوبت اور سزا کے طور پر پیدا کرنا سمجھا جائے۔ تو اس طرح تسلسل[1] لازم آئے گا۔ جو محال ہے تو اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ زیغ اوّل ان کے ایمان اور تصدیق کے ترک کرنے کی سزا میں واقع ہے اور یہ ترک ایک عدمی امر ہے۔ جو تاثیر فاعل کو نہیں چاہتا۔ کیونکہ تاثیر فاعل وجود میں ہوا کرتی ہے نہ کہ عدم میں۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اس ترکِ عدمی کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے یا اس کا کوئی سبب نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی ضد کے سبب کا نہ ہونا ہے۔ اس کا سبب ہے۔ پس اپنے اصلی عدم پر رہی۔ اور اللہ تعالیٰ

---

[1] ایک سلسلہ ایسا جاری ہو جائے گا جس کی کوئی عنایت نہ ہو گی جسکو منطقیہ کی اصطلاح میں وجود ادوار غیر متناہیہ بالفعل سے تعبیر کرتے ہیں۔

Marfat.com

کا قول ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ اور ان لوگوں جیسے نہ بنوں جنہوں نے خدا کو بھلا دیا۔ تو خدا نے اُن کی ایسی مت ماری کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے۔ اسی کے مشابہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھولا یا تھا۔ ان کو خود اُن کی ذات اور جان سے بھی بھولا دیا۔ پس وہ اپنے مصالح کو عمل میں لانا اور معائب کی درستی اور مدارج کا حاصل کرنا بھول گئے۔ سب سے زیادہ نافع اور مفید کام ان کے لیے یہ تھا کہ وہ اپنے رب اور خالق کو یاد کرتے اللہ تعالیٰ خالق کی یاد۔ اس کی محبت۔ اطاعت اور اس کی طرف توجہ کرنے اور ماسوا سے مُنہ پھیرنے جیسی کوئی نعمت اور نفوس کے لیے اس جیسی کوئی چیز باعث خوشی نہیں ہو سکتی۔ اور صلاح و فلاح اور نجات کا دارو مدار اسی پر ہے۔ مگر کفار جب خدا کو بھول گئے۔ تو اس نے یہ سب چیزیں انہیں بھلا دیں۔ اور پہلے نسیان کے باعث ان کے لئے ایک دوسرا نسیان پیدا ہو گیا۔ اور جو لوگ خدا کو نہ بھولے بلکہ اس کو یاد کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے مصالح یاد دلا دے۔ سو وہ ان کو عمل میں لائے۔ اور ان کے معائب پر ان کو مطلع کر دیا۔ پس انہوں نے ان کی اصلاح کر لی۔ اور ان کو اپنے مدارج و حظوظ حاصل کرنے کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ سو انہوں نے ان کے حاصل کرنے میں کوشش اور سعی کی۔ غرض کفار کو تو ان کے نسیان کی یہ سزا دی کہ ان کو ایمان اپنی محبت۔ ذکر و شکر سب کچھ بھلا دیا۔ اور جب ان کے دل ان چیزوں سے خالی ہو گئے۔ تو ان کی بجائے ان کی اضداد کفر وغیرہ ان کے دلوں میں جاگزین ہوئے۔ اور اس سے ان کے لیے کفر اور ذنوب کے مقدر کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کمال عدل ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب ان کے لیے

Marfat.com

کفر و ذنوب کا عدل ہوا۔ تو ان کے واسطے عذاب کا مقدر کرنا تو نہایت کمال درجہ کا عدل ثابت ہوا۔ اِسی واسطے کہا گیا ہے کہ بندے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ اور اُس کی قضا اس کے حق میں عادل ہے اور بندے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی قضاء تقدیر دو قسم پر ہے ایک سبب کا مقدر کرنا دوسرے مسبب کا اور ہر ایک میں اللہ تعالیٰ کا کمال عدل پایا جاتا ہے۔ مثلاً جب بندے نے خدا کی یاد اور ان کاموں کو چھوڑ دیا جو اس کو محبوب و پسندیدہ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بندے کو یہ سزا دی کہ اس کو خود اس کی جان کا نفع و نقصان بھلا دیا اور یہ نسیان اس کے لیے اُن گناہوں اور برائیوں کے کرنے کا سبب بنا جو اس کے لیے مقدر ہو چکے تھے۔ اور وہ تقدیر عین انصاف ثابت ہوئے۔ اور جب وہ معاصی اور ذنوب کا مرتکب ہوا تو اس پر اس کے لیے طرح طرح کے عذاب اور تکلیفیں قرار پائیں۔ مگر ان تکالیف کا سبب وہی اُس کے گناہ اور معاصی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ محض عدل ہے۔ غرض بندے کی نسبت اوّل اور آخر ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا کمال عدل پایا جاتا ہے۔ اور یہ عدل اس کا احسان ہے اور وہ اس کی وجہ سے محمود ہے اور ہر شخص طوعاً و کرہاً اُس کے عدل کی تعریف کرتا ہے۔ حسن بصری کا قول ہے۔ کہ کئی لوگ دوزخ میں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اُن کے دلوں میں موجود ہو گی۔ اس سے اُن کے دل انکار نہیں کر سکیں گے۔ ہم انشاء اللہ اس مسئلہ کو باب دخول الشر فی القضا میں زیادہ بسط اور توضیح کے ساتھ بیان کریں گے۔ یہاں تو یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بندہ فاعل اور منفعل ہونے کی دونوں صفتوں سے موصوف ہے۔ اور نیز فعل اور اَفعَلَ کے درمیان فرق بتلانا مقصود ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ اَفعَلَ کا مصداق ہے اور بندہ پر فعل صادق آتا ہے۔ مثلاً اللہ سبحانہٗ بندے کو کھڑا کرتا اور بند:

Marfat.com

کھڑا ہوتا ہے۔ اور اللہ مارتا اور گمراہ کرتا ہے۔ اور بندہ مرتا اور گمراہ ہوتا ہے اور یوں کہنا کہ اَنْطَقَ اَضْحَکَ۔ اُنکی کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے بندے کے لیے آلۂ نطق وضحک وبکا پیدا کیے ہیں، یہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ صرف آلۂ نطق وغیرہ پیدا کرنے سے فعل کا مصدق نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر زید دن بھر خاموش رہا۔ اور کسی نے یوں قسم کھائی۔ کہ اللہ نے زید کو آج گویا کیا۔ یعنی محاورہ عرب میں کہا اِنَّ اللّٰہَ اَنْطَقَ الْیَوْمَ زَیْدًا۔ تو قسم کھانے والا جھوٹا اور حانث ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کفار کو اسلام کی طرف دعوت کی جائے اور ان میں سے ایک شخص کلمہ شہادت زبان پر لائے۔ تو یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کفار کو ناطق بالشہادت کیا۔ حالانکہ آلۂ نطق سب کو دیا ہوا ہے۔ امرونہی اور ثواب وعقاب بندے کے فعل سے متعلق ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے بندے کو فاعل افعال بنانے سے۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ بندے کے تمام افعال کفر، زنا۔ چوری وغیرہ کی نسبت یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ان افعال کا فاعل بنایا ہے یا یہ قاعدہ بندے کے بعض افعال کے ساتھ خاص ہے تو تمہارا یہ قاعدہ کہ اللہ تعالیٰ بندے کو فاعل افعال بناتا ہے علے العلوم صحیح نہ ہوگا۔ تو اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں دو باتیں ہیں۔ ایک لغت کے متعلق ہے اور دوسری مطلب اور معنی سے تعلق رکھتی ہے۔ لغت کے قاعدہ کے روسے تو بیشک یہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ کہ اللہ نے بندے سے صدور زنا کرایا۔ یا اُس سے چوری کرائی یا اُسے شراب پلائی یا اُس سے قتل کو سرزد کرایا۔ کیونکہ لغت عرب میں اَزْنَی اللّٰہُ الرَّجُلَ اَسْرَقَہٗ۔ اَشْرَبَہٗ۔ اَقْتَلَہٗ کہنا ثابت نہیں ہوا۔ گو بعض افعال کی نسبت ایسا کہنا صحیح ہے جیسے اَقَامَ اللّٰہُ عَبْدَہٗ۔ اَقْعَدَہٗ۔ اَنْحَلَہٗ

اَبْکَاہُ ۔ اَنْطَقَہٗ وغیرہ صحیح ہے ۔ باب افعال کے صیغہ کے علاوہ باب تفعیل کا صیغہ بھی مستعمل ہے فَہَّمَہٗ ۔ عَلَّمَہٗ ۔ سَیَّرَہٗ وغیرہ یعنی اللہ نے بندے کو سمجھا دیا یا اس کو علم دیا یا اُس کو سیر کرایا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَفَہَّمْنَاهَا سُلَیْمَانَ یعنی وہ واقعہ ہم نے سلیمانؑ کو پوری طرح سمجھا دیا پس تفہیم یعنی سمجھانا اللہ سبحانہٗ کا فعل ہے اور فہم یعنی سمجھنا اس آیت میں اللہ کے نبی سلیمانؑ کا کام اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا یعنی ہم نے اُسکو اپنے پاس سے علم سکھلایا ۔ پس تعلیم اسی طرح تسییر یعنی چلانا اللہ سبحانہٗ کی صفت ہے اور سیکھنا اور چلنا بندے کا کام ہے ۔ اور مطلب اور مفہوم کے لحاظ سے تمام افعال کی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ سبحانہٗ بندے کو فاعل جملہ افعال بناتا ہے ۔ گو بعض افعال کی نسبت لغت کی رُو سے یہ کہنا صحیح نہ ہو ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا اور ہم نے اُن کو لوگوں کا پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ان کو ہدایت کرتے تھے دوسرے مقام میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ اور ہم نے اُن کو سردار (تو) کیا (مگر ایسے بُرے سردار) کہ دخیب تک دنیا میں رہے لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے ، پس اللہ سبحانہٗ نے آئمہ ہدایت بنائے ہیں ۔ جو اس کے امر سے لوگوں کو خیر اور جنت کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور اسی نے آئمہ ضلال بنائے ہیں جو لوگوں کو گمراہی اور بدعات اور دوزخ کی طرف بلاتے ہیں ۔ غرض بعض افعال کی نسبت تو لغت کے رُو سے ایسا کرنا صحیح نہیں جیسے اَکْلَمَہٗ فَتَکَلَّمَ یعنی اللہ نے بندے کو متکلم بنایا پس وہ کلام کرنے لگا ۔ اور بعض کی نسبت صحیح ہے جیسے اَنْطَقَہٗ فَنَطَقَ اور اسی طرح اَهْدَاهُ بِاَمْرِهٖ اور اَدْعَاهُ اِلَی النَّارِ

Marfat.com

کہنا صحیح نہیں، اور یوں کہنا صحیح ہے جَعَلَہٗ یَھْدِیْ بِاَمْرِہٖ اَوْ یَدْعُوْ اِلَی النَّارِ یعنی اللہ نے بندے کو ہادی الی الخیر یا اُسے داعی الی النار بنایا۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے۔ کہ تمہارے نزدیک یہ کہنا درست ہے کہ مرد و عورت جو آپس میں زنا کرتے ہیں۔ تو یہ کام اُن سے اللہ تعالیٰ کراتا ہے۔ اور وہی اُن دونوں کو اس کام کے لئے اٹھا کرتا اور ایک کو دوسرے کی طرف پہنچاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے الفاظ مجملہ کی وجہ سے جن کا مطلب حق و باطل دونو طرح ہو سکتا ہے غلطی میں پڑے ہیں۔ پس جو شخص اُن کا صحیح مطلب ارادہ کرتا ہے تو وہ شخص جو اُن کا غلط اور باطل مطلب معنی سمجھتا ہے۔ اُس پر انکار کرتا اور اُس کی تردید کرنے لگتا ہے اگر سمجھدار آدمی اس امر کو غور سے دیکھے گا۔ تو اُس کو عجیب و غریب اسرار علمی معلوم ہو جائیں گے۔ اور جس بلا میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ اس سے بچ جائینگے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جَعَلْ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب ہے دو قسم پر ہے۔ ایک پسندیدہ اور محبوب چیزوں کا جَعَل اور بناتا ہے اور دوسرا وہ جعل جو بمعنی قضاء و قدر ہے جعل اوّل کی مثال یہ ہے مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَائِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ (نہ تو) بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام ان میں سے، کوئی چیز خدا نے نہیں ٹھیرائی) پس اس مقام میں جعل شرعی اور دینی کی نفی فرمائی ہے۔ یعنی اللہ سبحانہٗ نے ان چیزوں کو مشروع نہیں کیا اور نہ اِن کا حکم دیا اور نہ یہ چیزیں اُسے محبوب و پسندیدہ ہیں۔ جعل دوم کی مثال یہ ہے وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ (اور ہم نے ان کو سردار (تو) کیا (مگر ایسے برے سردار) کہ (جب تک دنیا میں رہے لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے رہے) اِس آیت میں جعل کونی اور تقدیری مراد ہے

Marfat.com

یعنی ہم نے کفار کے لیے آئمہ ضلال ہونا کہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلائینگے۔ مقدر کیا۔ اور قضا و قدر میں اُن کے لیے یہ ثابت ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو امام ضلالت بنانا کہ وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلائے۔ زانی بسارق قاتل وغیرہ بنانے سے کچھ کم نہیں، بلکہ اس سے زیادہ ہے۔ غرض لفظ جعل جو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے یہ ایک مجمل لفظ ہے۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو کسی فعل کا فاعل بدیں معنی بناتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس کام پر اس بندے کو مجبور کرتا ہے جس سے وہ فعل بلا اختیار اضطراراً اُس بندے کے لیے صادر ہوتا ہے۔ تو یہ معنی تو بالکل غلط ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کی نسبت ایسا خیال کرنا محال اور باطل ہے اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اُس کے صفات کمال کے مخالف ہیں۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ اللہ سبحانہٗ نے بندے کو اس کے افعال پر بدوں کسی قسم کے اکراہ واجبار کے قادر کرنا اور اُس کو ان کے صدور کے لیے وہی قوت اور قدرت دینا ہے تو یہ صحیح اور درست ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ گناہوں اور معاصی کا موجد اور ان کو عدم سے وجود میں لانے والا کون ہے۔ بندہ یا کہ اللہ سبحانہٗ تو اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ معاصی کا موجد اور ان کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی شخص ہے۔ جو ان کا فاعل ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو اُن کے صادر کرنے پر بغیر کسی قسم کے اکراہ واجبار کے قدرت دیتا ہے۔ اب یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ معاصی کا خالق کون ہے خود بندہ ہے یا کہ اللہ تعالیٰ تو ہم اِس پر یہ سوال کریں گے۔ کہ تم یہ بتلاؤ۔ کہ ان کا فاعل کون ہے۔ اگر تم معاصی اور گناہوں کا فاعل اللہ سبحانہٗ کو قرار دیتے ہو۔ تو یہ بات عقل فطرت اور تمام آسمانی کتابوں اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت

Marfat.com

اور تعلیم کے خلاف اور نیز اللہ سبحانہ کی صفت اور حمد اور دیگر صفات کمال کے مخالف ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے تمام افعال خیر ہیں اور وہ کسی قسم کے شر کا فاعل ہرگز نہیں۔ اس کی ذات شر سے پاک اور منزہ ہے۔ پس شر اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی طرف محض خیر منسوب ہے وہ خیر ہی کو ظہور میں لاتا ہے اگر وہ چاہے تو شر کو بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی ذات پاک شر کے کرنے بلکہ اس کے ارادے اور مشیت سے بھی منزہ و مقدس ہے جیسے کہ وہ شر کے وصف کے ساتھ موصوف ہونے اور ایسے اسمائے کے ساتھ موسوم ہونے سے پاک و منزہ ہے۔ اسی طرح وہ شر کے کرنے سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ معاصی اور گناہوں کا فاعل بندہ ہے مگر اللہ نے ان کے کرنے پر اسے قدرت دی ہے۔ اور ان کے کرنے کا ارادہ اور مشیت اس میں پیدا کیا ہے۔ تو ہم یہ جواب دیں گے۔ کہ اس طور پر بندے کے تمام افعال کا خالق اللہ سبحانہ ہے۔ اور اگر فرقہ جبریہ اپنے مقابل فرقہ قدریہ کے جواب کے لیے اس طرز کو اختیار کرتا تو اس کو بھی آرام ہوتا اور دوسرے کو بھی راحت پہنچتی اور اسی طرح فرقہ قدریہ جبریہ کے جواب کے لیے اگر اس پہلو کو لیتا تو دونوں کو سہولت ہوتی۔ لیکن دونوں فریق نے سیدھے راستے کو چھوڑ دیا۔ اور دونوں میں بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور شاعر کے اس شعر کا مصداق ہوئے۔ (شعر)

سَارَتْ مُشَرِّقَۃً وَسِرْتُ مُغَرِّبًا
شَتَّانَ بَیْنَ مُشَرِّقٍ وَّ مُغَرِّبٍ

یعنی میری محبوبہ مشرق کی طرف روانہ ہوئی اور میں مغرب کو چلا۔ سو مشرق اور مغرب (دو مختلف جہتوں) کی طرف جانے والوں کے درمیان

Marfat.com

بہت بُعد اور نہایت دوری واقعہ ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی یہ استفسار کرے کہ بندہ گناہوں اور معاصی کے کرنے سے جبکہ وہ گناہ یا ان کے اسباب موجبہ یعنی جن کے وجود سے مسبب کا وجود ضروری ہوتا ہے، اس کے لیے پیدا کئے گئے ہیں بچ سکتا۔ اور اُن سے باز آسکتا ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سوال کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ سائل کا مطلب یہ ہو کہ بندہ اس صورت میں کہ جب گناہ یا ان کے اسباب موجبہ اس کے لیے پیدا کئے گئے ہیں گناہوں کے کرنے میں مجبور اور مضطر ہو جاتا ہے۔ اور ان کے صدور میں اس کے لئے کوئی اختیار و ارادہ باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اس کی حرکت کو حرکت بالارادہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کی حرکت اس وقت حرکت قسریہ ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ بندے کے ارادہ اختیار اور قدرت کو اُن کے صدور میں کچھ دخل ہوتا ہے۔ یا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ان کا صدور ہوتا ہے۔ اور وہی اُن کا سبب موجب ہوتا ہے۔ پس اگر پہلی صورت کی بنا پر سوال کیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کو گناہوں کے کرنے اور نہ کرنے دونوں پر قدرت ہے اور وہ ان کے یا ان کے اسباب کے مخلوق ہونے کی وجہ سے ان کے کرنے پر مجبور و مضطر نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ وہ ایسے طور پر پیدا کئے جاتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کے کرنے اور نہ کرنے دونوں پر قادر رہتا ہے۔ اور اگر ان کے نہ کرنے پر بندے کو قدرت نہ ہو تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔ یعنی یہ لازم آئے گا کہ بندہ ارادہ کرنے والا اور ارادہ نہ کرنے والا فاعل اور غیر فاعل، مجبور اور غیر مجبور ہو اور یہ ناجائز ہے۔ اور اگر دوسری صورت کے مطابق سوال کیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاصی کے صدور میں بندے کے

Marfat.com

ارادہ قدرت اور اختیار کو کس قدر دخل ہے۔ اور یہ چیزیں ان کے مقدر کا سبب ہیں جن کی وجہ سے انکو اللہ تعالیٰ نے بندے میں پیدا کر دیا پس یہ کہنا کہ بندہ انکے صادر کرنے پر قادر ہے اور ساتھ ہی یہ خیال رکھنا ہے کہ انکے ترک کرنے پر قادر نہیں دو مخالف باتوں کو جمع کرنا ہے یعنی جب انکے کرنے پر مجبور نہیں تو انکے نہ کرنے پر بھی اسے اختیار ہے۔ نہ یہ کہ ان کے ترک کرنے سے تو مجبور ہے مگر کرنے کیلئے مختار ہے ظاہر ہے کہ جب ان کے کرنے پر اُسے قدرت حاصل ہے۔ تو یہ اس کے اختیاری افعال ہیں۔ اگر چاہے تو ان کو صادر کرے۔ اور اگر نہ چاہے تو ان کو صادر نہ کرے۔ غرض یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ کہ بندہ فعل اختیاری کے ترک کرنے پر قادر نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر بندہ ان کے ترک کرنے کا ارادہ کرے تو وہ ان کو ترک کر سکتا ہے۔ لیکن وہ ان کے ترک کرنے کا ارادہ نہیں کرتا غرض ترک کرنا۔ اسکے ارادہ پر موقوف ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب بندہ ترک کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ تو لازم آیا۔ کہ بندہ ان کے ترک کرنے سے معذور و مجبور ہے تو اس کا جواب۔ یہ ہے اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندہ مجبور نہیں کیونکہ یہ بات اس کے ارادہ سے لازم آتی ہے۔ جو مجبور ہونے کے خلاف ہے۔ اگر ارادہ کے سبب فعل کا صدور ضروری ہونے سے مجبور ہونا لازم آئے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے افعال میں مجبور ہو۔ کیونکہ اس کے افعال اس کے ارادہ و مشیت سے ضروری ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا اپنے افعال میں مجبور ہونا محال ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اس کے افعال کے ضروری ہونے اور بندے کے ارادہ سے بندے کے افعال ضروری ہونے میں فرق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دوسرا شخص مرید یعنی ارادہ کرنے والا نہیں بناتا۔ اور بندے کے تو مرید یعنی ارادہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ بناتا ہے۔ اس لیے کہ بندے کا ارادہ بھی خدا تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی مقام

Marfat.com

میں بہت سے لوگوں کو اضطراب واقع ہوا ہے۔ قدریہ تو ایک گرداب میں
پڑے اور جبریہ دوسرے بھنور میں پھنسے۔ پس قدریہ نے یہ کہا کہ بندہ
خود اپنے ارادے کو پیدا کرتا ہے اور اس کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق نہیں
اتنی بات ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے بندے کو ارادہ پیدا کرنے پر قدرت دی
یعنی اُس کی خلقت ایسی بنائی ہے کہ وہ ارادہ پیدا کر سکتا ہے۔ اور جبریہ
نے یہ کہا کہ بندے کے تمام ارادوں کو وقتاً فوقتاً اللہ سبحانہٗ پیدا کرتا ہے
اور بندے کے باقی صفات مثلاً رنگ یعنی سیاہی و سفیدی قد کی لمبائی
یا چھوٹا ہونا وغیرہ جن کے پیدا کرنے میں بندے کو کوئی دخل نہیں۔ ان میں
اور بندے کے ارادے میں کوئی فرق نہیں کہ سب یکساں (بدوں اختیار
بندے کے) اللہ سبحانہٗ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ پس اگر بندہ عدم ارادہ
یعنی ارادہ نہ کرنے کا ارادہ کرے تو یہ اُس سے ممکن نہیں اور یہ بالکل
ایسا ہوگا۔ جیسا کہ وہ اِس بات کا ارادہ کرے کہ اُس کے قد کی لمبائی
یا چھوٹائی یا رنگ بدل جائے۔ تو جس طرح یہ نہیں بدل سکتے۔ اِسی طرح
وہ اپنے ارادہ کو بھی نہیں بدل سکتا۔ غرض بندہ اپنے ارادہ میں مجبورِ
محض ہے یعنی جس چیز کا ارادہ اللہ نے اُس میں پیدا کر دیا ہے اُس کو
وہ ہٹا نہیں سکتا اور بندے کے تمام ارادے اللہ سبحانہٗ کے ارادہ
و مشیت پر موقوف ہیں یعنی جس طرح کہ اُس کے تمام ارادے اللہ سبحانہٗ
کو معلوم اور اُس کی قدرت میں ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے
متعلق اور اس پر موقوف ہیں۔ پس ایک تو اس وجہ سے وہ جبریہ کے
قائل ہوئے۔ اور دوسرے اِس وجہ سے کہ بندے کے ارادہ و قدرت
کو اس کے افعال کے صادر ہونے میں کوئی دخل نہیں۔ پس اس مقام

Marfat.com

ہیں اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ ان دونوں فریق کے مسلک علاوہ تمہارا کیا مسلک ہے جو ان دونوں سے جدا اور علیحدہ ہے۔ تو اس کو یہ جواب دیا جائیگا۔ کہ یہاں ایک تیسرا مسلک ہے جس کو دونو فریق نے اختیار نہیں کیا۔ اور نہ ان کو اس تک رسائی ہوئی ہے اور اگر ہر ایک فریق حق کی پیروی کرتا اور اس کے لوازم پر ثابت و قائم رہتا۔ تو وہ اس سیدھے راستے کو ضروری پہنچ جاتا۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے وہ تیسرا مسلک بیان کرتے ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ بندے کا جسم۔ روح۔ صفات۔ افعال اور احوال سب کچھ اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے غرض کہ بندہ جمیع وجوہ سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات ہے کہ اس کی خلقت ایسی بنائی گئی ہے۔ اور اس کے صفات ایسے پیدا کئے گئے ہیں۔ کہ وہ اپنے ارادہ اور افعال کے صادر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اس کی خلقت کا اس طور پر ہونا اللہ سبحانہٗ کی مشیت قدرت اور اس کی تکوین یعنی اس کے بنانے سے ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بنایا اور پیدا کیا ہے۔ اور بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ارادہ و افعال کا محدث و صادر کرنیوالا بنایا ہے۔ اور اسی واسطے اس کو امر و نہی سے مخاطب بنایا اور اس پر اپنی حجت کو قائم کیا۔ اور ثواب و عقاب کا مستحق ٹھیرایا ہے۔ پس ان کاموں کو کرنیکا حکم فرمایا جن کو وہ کر سکتا ہے۔ اور ایسے امور سے منع فرمایا جن سے وہ باز آسکتا ہے۔ اور انہی افعال مامورہ کے بجا آوری اور ممنوع کاموں کی ترک پر ثواب و عقاب کو مرتب فرمایا۔ جن کے کرنے اور نہ کرنے پر بندے کو قدرت ہے۔ اور یہ بات اپنی مخلوقات کی فطرت میں رکھدی ہے

Marfat.com

کہ جو شخص اس کے احکام کو بجالاتا اور منہیات سے باز رہتا ہے اس کی ہر شخص مومن (شریعت کا ماننے والا) اور کافر (منکر شریعت) غرض سب کوئی تعریف اور مدح کرتا ہے اور جو اس کے احکام کا خلاف کرتا ہے ہر کوئی اس کی مذمت و برائی کرنے لگتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ بندہ اپنے افعال کو اپنے ارادہ و مشیت سے کرتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہوتی۔ تو وہ بذاتِ خود ارادہ نہیں کر سکتا۔ غرض اللہ تعالیٰ ہی نے اس مشیت ارادہ اور قدرت سب کچھ دیا ہے۔ اور اسے اس کے نفع اور ضرر سے آگاہ فرمایا ہے۔ اور اسے یہ حکم دیا ہے۔ کہ وہ اپنے ارادہ مشیت اور قدرت و اختیار سے ایسے راستے کو اختیار کرے۔ اور اس طریق پر چلے جس سے وہ اپنی بہتری کے اعلیٰ درجے کو حاصل کرے۔ اور اپنی غایت صلاح اور بہبودی کو پہنچ جائے۔ اور بندے کے ان اشیاء یعنی ارادہ مشیت اور قدرت کے ذریعے سے اپنے ہلاکت کے راستے میں چلنے کی یہ مثال ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام کو ایک گھوڑا سوار ہونے کے لیے دے اور ساتھ ہی یہ بتا دے کہ اگر فلاں راستے سے جاؤ گے تو سلامت رہو گے اور اگر فلاں راستے سے جاؤ گے تو ہلاکت میں پڑو گے۔ اور یہ بھی حکم کر دے کہ اسی راستے سے جانا جس میں سلامت رہو۔ مگر وہ غلام اس سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستہ میں اسی گھوڑے کو چلاتا ہے اور وہ گھوڑا اپنی قوت اور تیز رفتاری سے اس پر غالب آجاتا اور اس کو اس راستے سے ہٹانا غلام پر دشوار ہو جاتا ہے اور اس کو دوسری طرف پھیر نہیں سکتا۔ پس اگر اس مقام میں یہ کہا جائے کہ اس گھوڑے کو اس راستے سے پھیرنا غلام کی قدرت و اختیار میں تھا تو صحیح ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس

Marfat.com

اس حالت میں اس کو اس بستی سے ہٹانے پر غلام کو کوئی قدرت واختیار نہیں رہا تو یہ بھی صحیح ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس فعل سے غلام کو اُس ذات پاک نے روکدیا ہے۔ جو بندے اور اس کے دِل کے ارادوں میں حائل ہوتی اور معاندین کے قلوب اور ابصار کو پھیر دیتی ہے۔ اگر حقیقت حال کو پوری طرح سمجھنا چاہتے تو اس شخص کی حالت پر غور کرو کہ جو ایک نہایت بدیع الجمال خوبصورت شکل کو اور اس کا حسن اپنے عشق ومحبت کی طرف اُسے کشش کرے مگر اُس کی عقل اس سے اس طور مانع ہے کہ اس کو عشق کے انجام ونتیجہ پر آگاہ کردے کہ اس کا انجام۔ ہلاکت بربادی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اور پہلے عاشقوں کے حالات کو اس کے سامنے پیش کر کے سمجھاوے کہ دیکھو تمہارے دائیں بائیں۔ آگے اور پیچھے اس ظالم کے کئی شہید مدفون ہیں۔ مگر وہ شخص بار بار اس شکل کی طرف اپنی نگاہ دوڑاتا اور اپنے نفس کو اُس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے پر اُبھارتا اور اپنے ارادہ کو مضبوط کرتا اور اسباب محبت کو بڑھاتا اور اپنے حسن کو آگ کے نزدیک کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب عشق کی آگ بھڑک اُٹھتی اور شعلہ زن ہو جاتی اور اِدھر اُدھر اپنی چنگاریاں ڈالتی اور ہر طرف سے اُسے محیط ہو جاتی ہے تو اس وقت اس سے اپنی خلاصی چاہتا ہے۔ بس ایسے وقت میں اس کا دِل اور اُس کی عقل یہ کہتے ہیں کہ اب خلاصی پانا محال ہے۔ اور اُسے یہ شعر سناتے ہیں۔ (شعر)

تولع بالعشق حتی عشق

فلما استقل بہ لم یطق

رای لجۃ ظنا موجۃ　　　فلما تمکن منہا غرق

Marfat.com

یعنی پہلے تو عشق کو اپنی حرص سے پیدا کیا۔ یہاں تک کہ جب پوری طرح عاشق ہو گیا اور عشق (کے بوجھ) کو (سر پہ) اٹھا لیا۔ تو اس کی برداشت نہ کر سکا۔ دریائے عشق کو دیکھ کر اس کو ایک موج سمجھا۔ مگر جب اس موج میں پاؤں رکھا۔ تو اس میں ڈوب مرا۔ غرض ابتدائی حالت میں چونکہ اسباب نامہ اور ارادہ مصمم جو موجب فعل ہے موجود نہیں ہوتے لہذا اس سے باز آجانا اور اس کو چھوڑ دینا بندے کی قدرت اختیار میں تھا۔ مگر جب اسباب کامل اور ارادہ مستحکم ہو گئے تو اس وقت اس کو چھوڑنا محال ہو جاتا اور عاشق زار آپنے ملامت کرنے والے کو یہ شعر سناتا ہے ؎

یَا عَاذِلی وَالاَمْرُ فِی یَدِہٖ
ھَلاَّ عَذَلْتَ وَفِی یَدِیْ الاَمْرُ

یعنی اے مجھے ملامت کرنے والے! اب تو مجھے ملامت کرتا ہے حالانکہ اب تو یہ معاملہ معشوق کے ہاتھ میں ہے جبکہ یہ معاملہ میرے اختیار میں تھا اس وقت تو نے کیوں نہ سمجھایا۔ عشق کے تین حالات ہیں ابتدا میں تو ارادہ واختیار اور محبت سے ہوتا ہے۔ درمیان میں اضطرار اور مجبوری پیدا ہو جاتی ہے اور آخر کار عذاب وبلا بن جاتا ہے۔ حافظ شیرازی نے کہا ہے

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اور بعینہ یہی مثال اس آدمی کی ہے جو ایک ایسے سرکش گھوڑے پر سوار ہو جسے وہ اس راستے سے ہٹا نہ سکے جو اس کو ہلاکت کی جگہ میں پہنچائے کہ سوار ہونے سے پہلے اس آدمی کو اختیار تھا کہ اس پر سوار نہ ہوتا۔ مگر جب سوار ہو کر اس کو میدان میں دوڑایا۔ تو اب اس کے قابو سے باہر ہو گیا اور

Marfat.com

اسے کچھ اختیار نہ رہا۔ اور وہ ضرور اس کو ہلاکت کی جگہ میں جائیگا۔ اور اسی طرح اس مست، و مدہوش کا حال ہے۔ جس کی عقل زائل ہوگئی ہو۔ اگر وہ اس حالت میں اپنا کوئی نقصان کروائے۔ تو وہ اس صورت میں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ جب اُس نے اس کے سبب کو جان بوجھ کر اختیار کیا۔ تو اس پر جو کچھ مرتب ہوگا دگو وہ اس کے خلاف مرضی اور اُس کے اختیار سے باہر ہو)، اس میں وہ معذور نہ ہوگا۔ سعاصی اور ان کے اسباب کے مرتکب کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ جو علماء سکران دست) کی طلاق کو نافذ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہی ہے اسی واسطے وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کی عقل ایسے سبب زائل ہوگئی ہے جو اس کے اختیار سے باہر ہو تو اسکی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور مست کی طلاق کو اس لیے نافذ کہتے ہیں کہ اسکو پوری طرح سزا ہوجائے اور جو یہ کہتے ہیں، کہ مست کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ان کی دلیل دمیرے خیال میں)، زیادہ پختہ ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اسی پر فتوے دیا اور صحابہؓ میں سے کسی شخص نے ان کا خلاف نہ کیا۔ امام احمدؒ نے اسی قول کی طرف رجوع کیا۔ اور کہا ہے کہ طلاق خواہش اور ارادہ سے واقع ہوتی ہے اور رمست آدمی ارادہ اور خواہش سے خالی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور رپیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ بستگی عقل اور مجبوری کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ اکراہ اور جنوں کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح حالت سکر میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام احمد اور ابو عبید اور ابو داؤد نے یہ بھی تصریح کر دی کہ غضب بھی اغلاق دبستگی عقل)، میں داخل ہے۔ روایت ابوطالبؒ میں امام احمد نے لفظ اغلاق کی تفسیر میں کہا ہے یعنی غضب۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ غصے کی حالت میں

Marfat.com

بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور یہی صحیح اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کہ اگر غصہ ایسا سخت پیدا ہو کہ آدمی کا مقصد اور ارادہ مفقود ہو۔ تو مست اور مکرہ (مجبور) کی طرح اس کی طلاق واقع نہ ہو گی۔ بلکہ بطریق اولیٰ واقع نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ شدت غضب کی حالت میں آدمی ایسے کام کر گذرتا ہے اور وہ باتیں کہہ دیتا ہے جو مست سے وقوع میں نہیں آتے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ وہ اس حالت میں اس کی بد دعا کو جو اپنے آپ پر یا اپنی اولاد پر کرے منظور نہیں فرماتا۔ اگر اس کی بد دعا قبول ہو جائے۔ تو اس کا خاتمہ ہو جائے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے عذر کو بیان فرما دیا ہے۔ جو ایک مہلک بیابان میں سواری کے ملنے سے ناامید ہونے کے بعد اس کے پا لینے پر نہایت خوش ہوا اور خوشی کی حالت میں یہ کلمات کہدئے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں ا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کے کہنے سے اُس کو کافر نہیں قرار دیا بلکہ اس کا عذر بیان کرتا ہے کہ کمال خوشی کی وجہ سے اُس سے غلطی ہو گئی۔ پس اللہ سبحانہ کے کمال رحمت احسان اور اس کے جود کا یہ مقتضیٰ ہے۔ کہ شدت غضب کی حالت میں بھی اپنے آپ یا اپنے اہل اولاد پر بد دعا کو منظور نہ فرمائے۔ اور اسی طرح بی بی کو طلاق بھی واقع نہ ہو اور اگر غضب کی وجہ سے بالکل عقل جاتی رہے تو اس صورت میں تمام امت کا اتفاق ہے کہ ایسی حالت میں طلاق اور اعتاق نافذ نہیں ہوتے۔ اور نہ اُن کلمات کو کفر کی وجہ سے جو ایسی حالت میں اُس کی زبان پر جاری ہوں کافر قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

SHAHBAZ PUBLISHERS LAHORE

ہماری کتابیں

معیاری کتابیں

شہباز پبلشرز ★ توحید پارک امامیہ کالونی
شاہدرہ لاہور

Marfat.com